جنت تلواروں کے سائے تلے ہے

رسولِ رحمت ﷺ

تلواروں کے سائے میں

(جلد دوم)

حافظ محمد ادریس

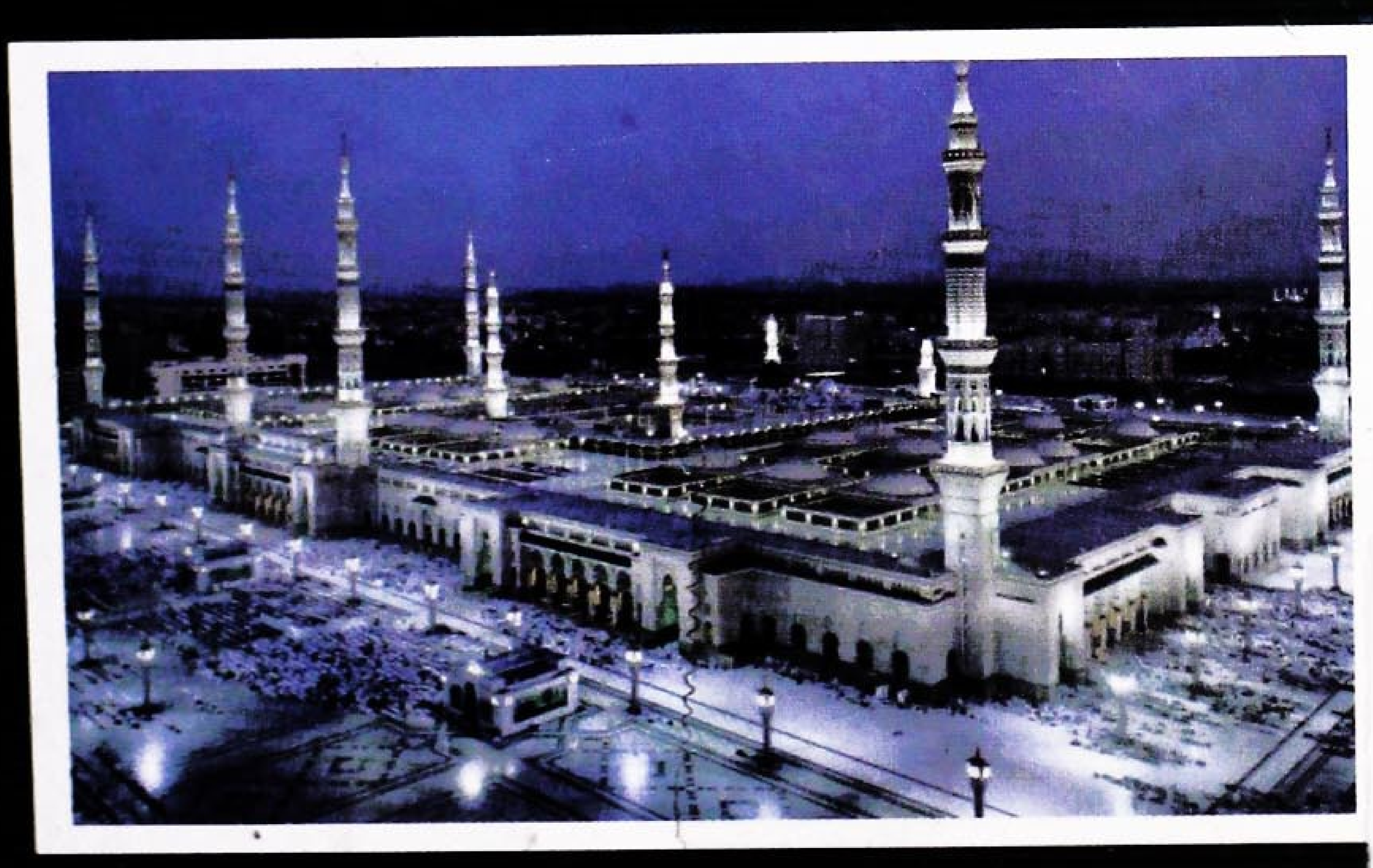

ادارہ معارف اسلامی

Marfat.com

ادارہ معارف اسلامی

یہ ادارہ، اسلامی علوم و معارف کی تحقیق و تصنیف اور اشاعت و ترویج کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد دورِ حاضر کے عظیم مفکر اور قائد تحریک اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جولائی ۱۹۶۳ء میں رکھی تھی اور اس کا پہلا مرکز کراچی میں قائم کیا گیا تھا۔ بعد ازاں فروری ۱۹۷۹ء میں مولانا مرحوم نے لاہور کو اس کا دوسرا مستقر بنایا۔ اب کراچی اور لاہور میں ادارہ معارف اسلامی کے دونوں مراکز داخلی طور پر خود مختارانہ اور مقصدی اور آئینی طور پر ہم آہنگی سے حسب ذیل مقاصد کے لیے کوشاں ہیں:

- تحقیق اور علمی جستجو کے بعد اسلامی تعلیمات کو جدید ترین اسلوب اظہار کے ذریعے پیش کرنا اور تمدن، تاریخ، قانون، معیشت اور دوسرے دائروں میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسلام کی روشنی میں تلاش کرنا۔
- علمائے اسلام کے تحقیقی کارناموں کا ترجمہ، ترتیب نو، تشریح و توضیح اور اشاعت، اسی طرح قدیم علمی خزانوں تک آج کے طالب علموں کی رسائی ممکن بنانا۔
- عالم اسلام کے موجودہ مسائل اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ فہم پیدا کرنے کے لیے مسلم ممالک کے بارے میں بالعموم اور پاکستان کے بارے میں بالخصوص تحقیقی کام کرنا۔
- اسلامی موضوعات پر دورِ حاضر کے مسلم علما کے نمایاں کارناموں کی دنیا کی اہم زبانوں بالخصوص اردو، عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی میں تراجم اور اشاعت کا انتظام کرنا۔
- عام پڑھے لکھے لوگوں میں اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ اور مسلم دنیا کے موجودہ مسائل کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لیے مناسب طرز کی عام فہم کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔
- تعلیم کو مثبت اسلامی آہنگ دینے اور اسلامی بنیادوں پر تشکیل شدہ ایک نئے نظام تعلیم کی راہ ہموار کرنے کے لیے مختلف مراحل کی نصابی اور امدادی کتب کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

Marfat.com

رسولِ رحمت ﷺ

تلواروں کے سائے میں

جلد دوم

حافظ محمد ادریس

ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور

DATA ENTERED
M: 301420

Marfat.com

297.9921
2899

190048

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں (جلد دوم)

تصنیف : حافظ محمد ادریس

مطبع : مڈوے پرنٹرز، لاہور

اشاعت اوّل (ادارہ ہذا) : اکتوبر 2017ء (1100)

[تیرھواں ایڈیشن]

صفحات : 352

قیمت : -/350 روپے

باہتمام :

ادارہ معارف اسلامی منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790

042-35252475-76,35419520-4 042-35252194

imislami1979@gmail.com www.imislami.org

تقسیم کنندہ :

مکتبہ معارف اسلامی منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔

042-35252419, 35419520-4

Marfat.com

فہرست

○ عرض ناشر طبع سیزدہم ۱۸
○ عرض ناشر ۱۹
○ تعارف ۲۲
○ تقدیم ۲۴
○ غزوات وسرایا کی تعداد ۲۹
○ پیش لفظ ۳۴

باب اوّل: مختلف غزوات وسرایا

○ غزوۂ اُحد کے بعد ۴۲
⊙ سریہ بنو اسد ۴۳
⊙ بروقت فیصلہ ۴۴
⊙ سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ۴۵
⊙ بے مثال حکمت عملی ۴۵
⊙ مشرک سردار کا قتل ۴۶
⊙ کامیاب واپسی ۴۷
⊙ دو دل فگار حادثے ۴۸
○ واقعہ بئر معونہ ۵۰
⊙ قضاوقدر کے اٹل فیصلے ۵۰
⊙ قرآن کے حفاظ میدان کے شہداء ۵۱
⊙ چیتے کا جگر ۵۱
⊙ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت ۵۲
⊙ تلواروں کے سائے میں مشاورت ۵۳
⊙ حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی مدینہ واپسی ۵۴

Marfat.com

⊙ عرب سردار کی پشیمانی ۵۴
◯ واقعہ رجیع (صفر ۴ ہجری) ۵۷
⊙ ایک اور تبلیغی وفد ۵۷
⊙ شہادت اور اسیری ۵۸
⊙ اللہ کے لشکر ۵۹
⊙ شیر پنجرے میں ٦۰
⊙ جاں نثاری کا اعلیٰ نمونہ ٦۰
⊙ اللہ کا رزق ٦۱
⊙ آخری خواہش ٦۱
⊙ سلام ما بر سانید ٦۲
⊙ تاریخ اسلام کے پہلے مصلوب ٦۲
⊙ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ٦۳
◯ غزوہ ذات الرقاع (۴ ہجری) ٦٦
⊙ دلیرانہ اقدام ٦٦
⊙ کامیابی ٦۷
⊙ جنگ کی وجہ تسمیہ ٦۷
⊙ صلوٰۃ الخوف ٦۹
⊙ نماز با جماعت کی اہمیت ۷۰
⊙ زمانہ امن میں نماز قصر ۷۰
⊙ نماز قصر، فقہا کی آرا ۷۲
⊙ مقدار سفر ۷۳
⊙ قیام کی مقدار ۷۳
⊙ صلوٰۃ خوف کی ترکیب ۷۵
⊙ ایمان افروز جاں نثاری ۷٦
⊙ تین عظیم انصاری صحابہ ۷۷
⊙ معجزہ نبوی ﷺ ۷۸
⊙ آنحضور کی پرندوں کے ساتھ شفقت و محبت ۷۹
◯ دو غزوات ۸۰
⊙ غزوۂ دومۃ الجندل (۴ ہجری) ۸۰

Marfat.com

⊙ سریع الحرکت سفر ۸۰
⊙ دوستی کے معاہدے ۸۱
⊙ غزوہ بدر ثانیہ شعبان ۴ھ ۸۳
⊙ قریش کی حیلہ سازیاں ۸۴
⊙ اعلان جنگ ۸۴
⊙ قائم مقام امیر مدینہ ۸۵
⊙ غدر کی ترغیب ۸۶
⊙ بہادر قائد، بزدل دشمن ۸۶
⊙ جیش السویق ۸۸

باب دوم: غزوۂ احزاب

○ غزوۂ خندق اور اس کے احوال ۹۰
○ غزوۂ خندق میں یہودیوں کا کردار ۹۲
⊙ تین یہودی قبیلے ۹۲
⊙ بنونضیر کی آتش انتقام ۹۲
⊙ شیطانی وفد ۹۳
⊙ قریش کی پارلیمنٹ ۹۳
⊙ اللہ کی پھٹکار ۹۴
⊙ قبائل غطفان میں یہودی وفد کی آمد ۹۶
○ دشمن کی جارحیت کا جواب ۹۷
⊙ مکہ میں جنگ کا طبل بجا ۹۷
⊙ ذمہ داریوں کی تقسیم ۹۷
⊙ مدینہ میں مشاورت ۹۸
⊙ حضور ﷺ کی ترقی پسند سوچ ۹۸
⊙ تاریخی ورثہ معدوم ہو گیا ہے ۹۹
⊙ خندق ۹۹
⊙ خندق کی پیمائش اور تقسیم کار ۱۰۰
⊙ آنحضور ﷺ کی زندہ دلی ۱۰۱
⊙ ایمان افروز اشعار ۱۰۲
⊙ کم سن مجاہدین ۱۰۳

Marfat.com

⊙ ایک اہم ہدایت نبوی ﷺ ۱۰۴
○ معجزات نبوی ﷺ ۱۰۶
⊙ کائنات میں پھیلی ہوئی آیات ۱۰۶
⊙ معجزات کا مطالبہ کرنے والے ۱۰۷
⊙ معجزات کی حقیقت ۱۰۷
⊙ قرآن مجید، معجزہ عظیم ۱۰۸
⊙ معجزات پر تصانیف ۱۱۱
⊙ الکدیہ (چٹان) ۱۱۱
⊙ بنت بشیر کی کھجوریں ۱۱۲
⊙ جابر رضی اللہ عنہ کا طعام ۱۱۳
⊙ خندق کی چٹان ۱۱۴
⊙ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایمان ۱۱۵
○ یہود کی بدعہدی ۱۱۶
⊙ قائم مقام امیر مدینہ ۱۱۶
⊙ جنگی علم ۱۱۶
⊙ احتیاطی تدابیر ۱۱۷
⊙ اہل حق کی تعداد اور مدینہ کی صورت حال ۱۱۷
⊙ دو صحابہ کی شہادت ۱۱۸
⊙ کفار کی خفت اور حیلہ سازی ۱۱۹
⊙ حضور پاک ﷺ کی بہادر پھوپھی ۱۱۹
⊙ بدعہدی کی ابتدا ۱۲۰
⊙ یہودی شیاطین کی چالیں ۱۲۲
⊙ صائب مشورہ ۱۲۲
⊙ موت کا پروانہ ۱۲۳
⊙ حضور ﷺ کا وفد اور مذاکرات ۱۲۴
○ کفر کی آخری چڑھائی - معرکہ خندق ۱۲۶
⊙ باقاعدہ جنگ ۱۲۶
⊙ حضور ﷺ کی تلوار ۱۲۶
⊙ دلچسپ مکالمہ ۱۲۷

Marfat.com

⊙ سورما کا قتل ۱۲۸
⊙ زبیر کی تلوار ۱۲۹
⊙ اظہار قوت کی حدود ۱۲۹
⊙ ہم میتوں کے تاجر نہیں ۱۳۰
⊙ مال غنیمت ۱۳۰
⊙ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری ۱۳۰
⊙ خالد بن ولید اور ابوسفیان کی کاوشیں ۱۳۱
⊙ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ۱۳۲
⊙ جنت تلواروں کے سائے میں ہے ۱۳۳
⊙ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کیمپ پر مشرکین کا حملہ ۱۳۳
⊙ دشمنوں کے لیے بددعا ۱۳۴
○ یادگار اور کٹھن مہم ۱۳۵
⊙ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ ۱۳۵
⊙ کٹھن مہم، بلند عزم ۱۳۶
⊙ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب اور اس کی حکمت ۱۳۷
⊙ جاں نثار رسول لشکر اعدا میں ۱۳۸
⊙ عاقلوں کی عقل ماری گئی ۱۳۸
⊙ محاصرے کے آخری لمحات، آنکھوں دیکھا حال ۱۳۹
⊙ جنود اللہ ۱۳۹
⊙ بخیریت واپسی ۱۴۰
⊙ اے سالک راہ ہوشیار! ۱۴۰
○ نعیم بن مسعود کا تاریخی کارنامہ ۱۴۲
⊙ اللہ کے کام نیارے ۱۴۲
⊙ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۱۴۲
⊙ الحرب خدعة ۱۴۳
⊙ نعیم بن مسعود بنوقریظہ کے درمیان ۱۴۳
⊙ بنوقریظہ کی پریشانی ۱۴۴
⊙ سرداران قریش سے رابطہ ۱۴۵
⊙ تیر نشانے پر لگا ۱۴۶

Marfat.com

⦿ نعیم بن مسعود اپنے قبیلہ بنو غطفان کے درمیان ۱۴۶
⦿ اتحادی وفد اور یہودیوں کی ملاقات ۱۴۷
⦿ حوصلوں کی پستی ۱۴۸
○ کفار کا مقدر۔شکست فاش ۱۴۹
⦿ واپسی کا اعلان ۱۴۹
⦿ کھسیانی بلی کھمبا نوچے ۱۴۹
⦿ ابو سفیان کا خط ۱۵۰
⦿ رسول مقبول ﷺ کا جواب ۱۵۰
⦿ مکہ اب مدینہ پر حملہ آور نہ ہوگا ۱۵۱

باب سوم: غزوۂ احزاب کے بعد

○ جنگ خندق کے شہدا اور مقتولین ۱۵۴
⦿ شہداء جنگ خندق ۱۵۴
۱۔حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ۱۵۵
⦿ مسجد نبوی ﷺ میں سعد کا خیمہ ۱۵۶
⦿ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا ۱۵۶
⦿ یہ رتبہ بلند! ۱۵۷
⦿ سعدؓ کا ذکر خیر شہادت کے بعد ۱۵۸
۲۔انس بن اوس بن عتیک رضی اللہ عنہ ۱۵۹
۳۔حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ ۱۵۹
۴۔طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ ۱۵۹
۵۔ثعلبہ بن غنمہ بن عدی رضی اللہ عنہ ۱۶۰
۶۔حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ ۱۶۰
⦿ مقتولین کفار ۱۶۲
○ غزوۂ احزاب قرآن مجید میں ۱۶۳
⦿ لشکروں کی آمد اور شدت کا بیان ۱۶۳
⦿ منافقین کا کردار ۱۶۴
⦿ منافقین کی کمزوری اور بودے پن کی نشاندہی ۱۶۵
⦿ منافقین کو وارننگ ۱۶۶
⦿ اسوۂ حسنہ ۱۶۸

Marfat.com

⊙ صادق الایمان لوگوں کا تذکرہ ۱۷۰
⊙ اعمال کا بدلہ ۱۷۱
⊙ کافروں کی ہزیمت اور نامرادی ۱۷۱
⊙ غزوہ احزاب سورۂ نور میں ۱۷۲
○ غزوۂ الاحزاب اور حدیث رسول مقبول ﷺ ۱۷۵
⊙ جنگ خندق کا تذکرہ حدیث رسول میں ۱۷۵
⊙ خندق کا ننھا مجاہد ۱۷۵
⊙ شدائد ومحن اور عزم وثبات ۱۷۵
⊙ پیٹ پر پتھر، زبان پر نام خدا ۱۷۶
⊙ میر کارواں کی جان پرسوز ۱۷۸
⊙ کفر کی آخری چڑھائی ۱۷۸
⊙ کافروں کے لیے بددعا ۱۷۹
⊙ جہاد اور سفر سے واپسی کی دعا ۱۸۱
○ رسول رحمت ﷺ اور اعصابی جنگ کا محاذ ۱۸۲
○ رسول رحمت ﷺ کی کردارکشی ۱۸۳
⊙ رسول اعظم ﷺ کے کمینے دشمن ۱۸۳
⊙ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آنحضور ﷺ کا نکاح ۱۸۴
⊙ معاشرتی اصلاحات ۱۸۴
⊙ نکاح زینب پر پروپیگنڈے کا طوفان ۱۸۶
⊙ پردے کے ابتدائی احکام ۱۸۷
⊙ حضور ﷺ کی خانگی زندگی کے معاملات ۱۸۷
⊙ پہلا مسئلہ ۱۸۸
⊙ دوسرا مسئلہ ۱۸۸
⊙ اللہ کی طرف سے جواب ۱۸۹
⊙ استثناء اور اس کی حکمتیں ۱۸۹
⊙ استثناء کی تفاصیل ۱۹۱
۱- ملک یمین ۱۹۱
۲- رشتہ دار خواتین ۱۹۱
۳- موہب خواتین ۱۹۲

Marfat.com

⊙ حضور ﷺ کا مقام منفرد ۱۹۲
⊙ مصلحت ربانی ۱۹۳
⊙ ناتراشیدہ قوم کی تربیت ۱۹۴
⊙ قبائلی نظام کے تقاضے ۱۹۵
⊙ تعدد ازواج کی اصل حقیقت ۱۹۶
⊙ حضور ﷺ کا اختیار اور عدل و مساوات ۱۹۶
○ نکاحِ زینب پر قرآن مجید کا تبصرہ ۱۹۹
⊙ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا رشتہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ۱۹۹
⊙ آیت کا عمومی اطلاق ۲۰۰
⊙ سنت اللہ ۲۰۱
⊙ اہل ایمان کا اطمینان ۲۰۲
⊙ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ۲۰۳
⊙ ازدواجی انقطاع ۲۰۵
⊙ دلوں کی ٹیڑھ ۲۰۶
⊙ کوزے میں سمندر ۲۰۷
⊙ خاتم النبیین ۲۰۹
⊙ دشمنوں کا پہلا اعتراض ۲۰۹
⊙ دوسرا اعتراض ۲۱۰
⊙ آخری نبی کا عالمگیر مقام ۲۱۰
⊙ یادِ الٰہی کی تلقین ۲۱۱
⊙ خلاصہ کلام ۲۱۲

باب چہارم: غزوۂ بنو المصطلق اور واقعہ افک

○ غزوہ بنو المصطلق ۲۱۴
⊙ سید مودودیؒ کی تحقیق ۲۱۴
⊙ مؤرخ ابن سعد کی رائے ۲۱۵
⊙ ابو المؤرخین محمد بن اسحاق کا بیان ۲۱۵
⊙ ایک اشکال اور اس کا جواب ۲۱۶
⊙ سید الاوس ۲۱۶
⊙ بنو المصطلق کا تعارف ۲۱۷

Marfat.com

⊙ بنو المصطلق کا علاقہ ۲۱۸
⊙ اسباب جنگ ۲۱۸
⊙ خبر رسانی کا نظام ۲۱۸
⊙ حضرت بریدہ الاسلمی رضی اللہ عنہ ۲۱۸
⊙ اہم ہدایات ۲۱۹
⊙ حضرت بریدہ کی واپسی ۲۱۹
⊙ منافقین کی جنگ میں شرکت ۲۲۰
⊙ لشکر اسلام کی قدید میں آمد ۲۲۰
⊙ اسلام کی دعوت ۲۲۱
⊙ مال غنیمت اور جنگی قیدی ۲۲۱
⊙ جویریہ بنت الحارث ۲۲۲
⊙ تمام جنگی قیدیوں کی رہائی ۲۲۲
⊙ حضرت حارث بن ضرار رضی اللہ عنہ ۲۲۲
⊙ صاحب تفہیم القرآن کی تفسیر ۲۲۳
⊙ اصولی ہدایت ۲۲۴
⊙ ایک شاذ رائے ۲۲۵
⊙ صاحب تدبر قرآن کی تفسیر ۲۲۵
⊙ پہلی بات ۲۲۶
⊙ دوسری بات ۲۲۷
⊙ تیسری بات ۲۲۷
⊙ چوتھی بات ۲۲۸
⊙ شان نزول کی اہمیت ۲۲۹
⊙ معارف ومسائل: شان نزول ۲۳۰
⊙ آیت سے متعلقہ احکام ومسائل ۲۳۲
⊙ ایک اہم سوال وجواب متعلقہ عدالت صحابہ ۲۳۳
⊙ فاسق کسے کہا گیا ہے؟ ۲۳۴
⊙ ایک احتمال ۲۳۵
⊙ اس واقعہ کی اہمیت ۲۳۶
○ منافقین کی خباثت اور فتنہ عظیم ۲۳۸
⊙ عصبیت جاہلیہ کا فتنہ ۲۳۸

Marfat.com

⊙ ناخوشگوار واقعہ ۲۳۸
ابن ابی کا خبث باطن ۲۳۹
⊙ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ۲۳۹
⊙ چکنا گھڑا ۲۴۰
⊙ حکیمانہ فیصلہ ۲۴۱
⊙ داخلی خلفشار شکست کا باعث ۲۴۲
⊙ روح اسلام ۲۴۳
⊙ منافق اعظم کا تاریخی پس منظر ۲۴۴
⊙ ابن اُبی کی بے بسی ۲۴۵
⊙ یہودیوں کی حمایت ۲۴۶
⊙ عین دوران جنگ میں غداری ۲۴۶
⊙ ابن اُبی اور غزوۂ بنو النضیر ۲۴۷
⊙ رسول رحمت ﷺ کی بے مثال بردباری ۲۴۸
⊙ العزۃ للّٰہ ولرسولہ ولِلمؤمنین ۲۴۹
⊙ دو اہم شرعی مسئلے ۲۵۰
⊙ سورۂ منافقون (مدنی) ۲۵۱
⊙ سورۃ التوبہ کی آیت ۷۴ .... ۲۵۳
○ واقعہ افک ۲۵۴
⊙ آزمائش کی کٹھالی ۲۵۴
⊙ بہتان عظیم ۲۵۴
⊙ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کہانی ان کی اپنی زبانی ۲۵۶
⊙ آنحضور ﷺ کی بے اعتنائی ۲۵۷
⊙ مشاورت ۲۵۸
⊙ اہم نکات کی تشریح ۲۶۰
⊙ قذف کی حد ۲۶۲
⊙ تین صحابہ جن پر حد جاری ہوئی ۲۶۳
⊙ بے گناہ صفوان رضی اللہ عنہ ۲۶۴
○ واقعہ افک کا قرآن مجید میں تذکرہ ۲۶۵
⊙ افک ۲۶۵

Marfat.com

⊙ زنا، قذف اور لعان کی حد ۲۶۷
⊙ ٹولہ ۲۶۸
⊙ شر میں سے خیر کا برآمد ہونا ۲۶۸
⊙ افک کا سرغنہ ابن ابی ۲۷۱
⊙ نیک گمان ۲۷۲
⊙ قذف کی حد ۸۰ کوڑے ۲۷۵
⊙ اللہ نے تمھیں عذاب سے بچالیا ۲۷۷
⊙ سوئے ظن گناہ کبیرہ ۲۷۸
⊙ فحاشی شیطان کا حربہ ہے ۲۷۸
⊙ فحاشی کیا ہے؟ ۲۷۹
⊙ حضرت ابوبکر کا عفو و درگزر ۲۸۱
⊙ کفارۂ یمین ۲۸۲
⊙ لعنتی لوگ ۲۸۳
⊙ پاکیزگی اور خباثت ۲۸۴
⊙ ایک اہم ہدایت ۲۸۵

باب پنجم: اسلامی معاشرے کی خصوصیات

○ مجاہدین کا معاشرہ ۲۸۸
⊙ اصلاحِ معاشرہ کی ضرورت ۲۸۸
⊙ گھروں میں داخلے کے آداب ۲۸۹
⊙ معارف القرآن ۲۹۰
⊙ استیذان کے مسنون آداب ۲۹۰
⊙ سماعت اور نگاہ کا ایک ہی حکم ہے ۲۹۲
⊙ ماں بہن سے اذن لینے کا حکم ۲۹۲
⊙ ہنگامی صورت حال ۲۹۳
⊙ حضور ﷺ کا طریق تربیت ۲۹۳
⊙ کس کا اذن معتبر ہے؟ ۲۹۴
⊙ ایک دلچسپ واقعہ ۲۹۴
⊙ غضِ بصر اور شرم گاہوں کی حفاظت ۲۹۵
⊙ غضِ بصر کا مفہوم ۲۹۷

Marfat.com

⊙ سہو نظر معاف، قصد نظر حرام ۲۹۷
⊙ پردہ اور غض بصر ۲۹۹
⊙ استثناء ۳۰۰
⊙ ستر پر نگاہ ڈالنے سے منع ۳۰۱
⊙ ایک لطیف نکتہ ۳۰۲
⊙ شرم گاہوں کی حفاظت، جامع مفہوم ۳۰۲
⊙ عورتوں کے لیے غض بصر کا حکم ۳۰۳
⊙ عورت کا ستر ۳۰۵
⊙ عورت اور مرد مساوی ہیں مگر یکساں نہیں ۳۰۶
⊙ زینت ۳۰۷
⊙ اوڑھنیوں کے آنچل ۳۰۹
⊙ محرم مردوں کے بارے میں حکم ۳۱۱
⊙ قرآن میں بیان کردہ محرم مردوں کے علاوہ
دیگر محرم جن کا ذکر حدیث وسنت میں ملتا ہے ۳۱۲
⊙ ان کی عورتیں ۳۱۵
⊙ پہلی رائے ۳۱۵
⊙ دوسری رائے ۳۱۶
⊙ تیسری رائے ۳۱۶
⊙ ماملکت سے مراد ۳۱۷
⊙ زیردست مرد ۳۱۹
⊙ نابالغ بچے ۳۲۱
⊙ اظہار زینت ۳۲۱
⊙ آواز کا پردہ؟ ۳۲۲
⊙ توبہ کا حکم ۳۲۲
⊙ دیگر اصلاحات ۳۲۳
⊙ غیر محرم مرد اور عورت کی خلوت ممنوع ہے ۳۲۳
⊙ صنف مخالف کو چھونا منع ہے ۳۲۴
⊙ محرم کے بغیر عورت کے سفر کا مسئلہ ۳۲۴
⊙ مخلوط مجالس کی ممانعت ۳۲۵
⊙ بناؤ سنگھار کی حدود ۳۲۷

Marfat.com

⊙ تاویلات سے اجتناب ۳۲۸

○ نکاح مسلم معاشرے کا قلعہ ۳۳۰

⊙ نکاح کی ترغیب ۳۳۰

⊙ ایامیٰ ۳۳۱

⊙ صالح ۳۳۱

⊙ کیا نکاح واجب ہے؟ ۳۳۲

⊙ استعفاف ۳۳۴

○ غلامی کا تدارک اور متفرق امور ۳۳۵

⊙ مکاتبت ۳۳۵

⊙ بھلائی ۳۳۷

⊙ مکاتب کب آزاد ہوگا ۳۳۸

⊙ مکاتبت کے متعلق علمی بحث ۳۳۹

⊙ غلاموں کی مدد کا حکم ۳۴۰

⊙ آقا کے لیے حکم ۳۴۰

⊙ امت مسلمہ کو ہدایت ۳۴۱

⊙ حکومت کو ہدایت ۳۴۱

⊙ غلاموں کی اقسام ۳۴۱

⊙ دورِ حاضر ۳۴۳

⊙ قحبہ گری کی ممانعت ۳۴۳

⊙ قحبہ گری کی دو صورتیں ۳۴۴

○ کتابیات ۳۴۹

۱- قرآن مجید ۳۴۹

۲- تفاسیر قرآن ۳۴۹

۳- حدیث نبوی ﷺ ۳۴۹

۴- سیرت اور تاریخ ۳۵۰

۵- مغازی ۳۵۱

۶- متفرق ۳۵۱

Marfat.com

عرض ناشر طبع سیزدہم

حافظ محمد ادریس صاحب نے نثری ادب کی ہر صنف پر قلم اٹھایا ہے۔ سفرنامہ، افسانہ، ناول، تاریخ، تراجم، سوانح اور اب سیرت نگاری، جس موضوع پر بھی لکھا ہے اور جتنا لکھا ہے، خوب لکھا ہے۔ رسولِ رحمتؐ تلواروں کے سائے میں کے عنوان سے حافظ صاحب محترم نے غزوات و سرایا کی تاریخ اس طرح تحریر کی ہے کہ نہ اس میں بے جا طوالت ہے اور نہ اختصار بلکہ جامع انداز میں واقعات و مشاہدات کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔

غزوات کا تذکرہ کرتے ہوئے قاری کے سامنے میدانِ جنگ رکھ دیتے ہیں۔ قاری چشمِ تصور میں حضورؐ کی جنگی مہارت اور جرأت و استقامت کا مظاہرہ دیکھتا ہے اور صحابہ کرامؓ کے ایثار قربانی اور ان کی شہادت کے مناظر اس طرح نظروں کے سامنے آتے ہیں کہ قاری جذبہ ایمان اور شوق عمل و اتباعِ رسولؐ سے لبریز ہو جاتا ہے۔

شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا عبدالمالک مدظلہ العالی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ یہ کتاب غزوات و سرایا پر سند کا درجہ رکھتی ہے۔

پانچ جلدیں مکمل ہو چکی ہیں، جلد دوم ادارہ معارف اسلامی کے تحت شائع کی جا رہی ہے۔ پہلے یہ جلد مکتبہ احیائے دین کے تحت شائع کی جاتی رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مدنی دور پر مشتمل ہیں، مکی دور کو قلمبند کرنے کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد مکی دور پر مشتمل دو جلدیں زیور طباعت سے آراستہ کر دی جائیں گی۔

۲۶/جولائی ۲۰۱۷

محمد انور گوندل
ناظم ادارہ معارف اسلامی
منصورہ، لاہور

Marfat.com

عرض ناشر

اس بات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے کہ ہمارے ادارے کو اس ہستی کی سیرت مطہرہ پر یہ کتاب شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے جس کے متعلق جامی نے کہا تھا:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه
بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور سعدی نے یوں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے:

بلغ العلیٰ بکماله
کشف الدجیٰ بجماله
حسنت جمیع خصاله
صلوا علیه واله

اور جامی وسعدی ہی کیا خود مالک کائنات فرمار ہے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ۔

اور جس کے لیے خلیل اللہ اور ذبیح اللہ رطب اللسان ہیں:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

Marfat.com

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۔

وہ ہستی کہ جس نے ۲۳ سال کی انتہائی مختصر مدت میں نہ صرف یہ کہ عرب کے بدوؤں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا بلکہ ایک ایسی سلطنت اور معاشرے کی بنیاد رکھ دی جس کے سپاہیوں اور شہریوں نے بیک وقت دو سپر طاقتوں کو پاش پاش کر کے دنیا کا نقشہ بدل دیا۔ حالی مرحوم نے مسدس میں کیا خوب کہا:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی

عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

زیر نظر کتاب اس انسان اعظم کی سیرت پاک کے اس پہلو کو اجاگر کرتی ہے جس میں وہ مسجد کی امامت کے ساتھ ساتھ فوجوں کی کمان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ کمان اس مہارت اور دور اندیشی سے فرماتے ہیں کہ انسانی عقل حیران و ششدر اور انسانی اندازے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں کہ جب ۳۱۳ ناتجربہ کار اور بے سروسامان نوجوان اپنے سے تین گنا بڑی، تجربہ کار اور کیل کانٹے سے لیس فوج کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

وہ ہستی کہ جس کی جنگی مہارت اور فراست کا عالم یہ ہے کہ خندق میں سارے عرب کی اجتماعی قوت مدینہ پر چڑھ آئی مگر اس نے فرمایا:

اب قریش تمہارے اوپر کبھی چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر چڑھائی کرو گے۔

وہ تو ہر میدان میں کامیاب رہے، ہر آزمائش سے سرخرو نکلے، ان کی قابلیت و فراست کا سکہ تو تاریخ نے مانا ہے کہ بظاہر شکست نظر آنے والا حدیبیہ کا معاہدہ فتح مبین میں بدل گیا۔ اس ہستی کا یہ کارنامہ بھی سننے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ جب وہ فاتح بن کر اس شہر میں داخل ہوتی ہے جس کے باشندوں کے جرائم حد سے بڑھے ہوئے ہیں تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا ہے جسے دیکھ کر دنیا حیران رہ جاتی ہے کہ تلوار کا دھنی اور میدان جنگ کا ماہر رحمت کا بھی سمندر ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ رب کائنات نے خود فرمایا ہے۔

Marfat.com

یہ اس سلسلے کی دوسری جلد ہے۔ پہلی جلد میں جو حرا پبلی کیشنز نے چھاپی تھی جنگ بدر اور احد کے علاوہ دوسرے چھوٹے چھوٹے غزوات اور سرایا کا ذکر آ چکا ہے اور اس جلد میں غزوہ احزاب اور بنوالمصطلق کے علاوہ دوسری بہت سی مہمات کا نقشہ مصنف نے اس انداز میں کھینچا ہے کہ قاری خود کو ان معرکوں میں شریک تصور کرنے لگتا ہے۔ محترم حافظ صاحب کی تحریر شگفتہ تو ہے ہی، ان کا تاریخ نویسی اور سیرت نگاری کا انداز بھی منفرد ہے۔ وہ قاری کو اپنے ساتھ تاریخ کی گزرگاہوں کی ایسی سیر کراتے ہیں کہ قاری خود کو تاریخ کا حصہ سمجھنے لگتا ہے۔

حسب سابق اس جلد کا بھی کچھ حصہ ہفت روزہ ایشیا کے کالموں میں قسط وار چھپ چکا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ کتاب اقبال کے الفاظ میں اس ملت کو تنگ نائیوں سے نکال کر وسعت صحرا کا ذوق بخشے گی اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چلنے کا ذریعہ ثابت ہو گی۔ ہم مصنف محترم کے تہہ دل سے ممنون ہیں کہ انھوں نے ہمیں اپنی یہ عظیم تصنیف چھاپنے کا اعزاز بخشا۔ ہماری کوشش ہے کہ ان کی یہ بلند پایہ کاوش اس کے شایان شان شائع کریں۔

ہم نے اپنی طرف سے پورا اہتمام کیا ہے کہ اس کتاب میں کتابت کی کوئی غلطی نہ رہنے پائے۔ تاہم قارئین سے التماس ہے کہ اگر وہ کوئی غلطی محسوس کریں تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہماری آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائے اور فاضل مصنف کو بھی ان کی محنت کا بھرپور اجر عطا فرمائے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

احقر: ابوطلحہ

مکتبہ احیائے دین، منصورہ (لاہور)

Marfat.com

تعارف

''رسول رحمت ﷺ تلواروں کے سائے میں!'' بظاہر بہت عجیب سا عنوان ہے مگر غور کیا جائے تو اتنا عجیب بھی نہیں۔ ہر کلمہ گو اچھی طرح جانتا اور مانتا ہے کہ رحمت للعالمین، خاتم الانبیاء، سرور عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک قول و فعل ساری انسانیت کے لیے موجب رحمت ہی ثابت ہوا ہے اور تا قیامت ثابت ہوتا رہے گا۔ ''تلواروں کے سائے'' سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ خواہ دشمنوں کی تلواروں کا آپ ﷺ پر ہجوم ہو یا آپ ﷺ خود باطل قوتوں کو دفع کرنے کے لیے تلوار اٹھائیں، نتیجہ بہر صورت انسانیت کے لیے رحمت ہی ثابت ہوگا۔

لیکن ان دو باتوں کے علاوہ ایک اور نکتہ بھی زیر نظر کتاب کو پڑھنے کے بعد برآمد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عین حالات جنگ میں بھی ان دوسری اہم مشکلوں اور مسائل کو بھی موخر یا ملتوی نہ فرمایا جن کا تعلق معاشرے کے عام ماحول سے ہوتا ہے۔ احکام حجاب، نکاح و طلاق، متبنّیٰ کا صحیح مقام، واقعہ افک...... غرض، ایسے بہت سے معاملات پر بھی آپ ﷺ کی توجہ پوری طرح رہی جو امن و فراغت ہی کی صورت میں بالعموم حل کیے جاتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو یکجا کر کے تحریر میں لانا بھی معاشرے، بلکہ پوری انسانیت کی ضرورت تھی جو مندرجہ بالا عنوان سے آنے والی کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں۔

مصنف کو اس مواد کے جمع کرنے کے لیے جتنی محنت کرنی پڑی ہوگی، قارئین اس کا اندازہ ان حوالوں سے بخوبی کر سکتے ہیں جو کتاب کے تقریباً ہر صفحے پر درج ہیں اور ان سے جہاں مصنف موصوف کی محنت و کاوش کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ چیز ان کے کثیر المطالعہ ہونے کا بھی ایک کھلا ثبوت

١٦٥٥٨٨

Marfat.com

ہے اور چونکہ مجھے بھی اس مسودے کو اول تا آخر پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع مصنف موصوف نے دیا، اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ سیرت نبوی ﷺ پر اس زاویے سے کام کرنے کی ضرورت کو انھوں نے بطرز احسن پورا کیا ہے۔ تسلسل بیان، اسلوب تحریر اور بعض اشکالات کو سہولت اور خوبی کے ساتھ حل کرتے ہوئے چلنا...... یہ تمام خوبیاں ایسی ہیں جنھوں نے کتاب کو عالمانہ کے ساتھ ساتھ ادیبانہ انداز دے دیا ہے۔

میری توقع ہے اور خواہش بھی کہ یہ کتاب نہ صرف ملک کے اندر مقبولیت عام حاصل کرے بلکہ بیرون ملک بھی اسے عام کرنے کے لیے اس کے تراجم دنیا کی دوسری دقیع زبانوں (اور خود عربی زبان) میں بھی شائع ہوں۔

مزید برآں، ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ فاضل مصنف اس کار خیر کو یہیں تک نہ چھوڑیں بلکہ اس موضوع پر آیندہ بھی قلم آزمائی کرتے ہوئے ہمیں استفادے کا موقع دیں۔

آسی ضیائی

Marfat.com

تقدیم

نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس، آپ ﷺ کی سیرت و کردار، اقوال و افعال اور احوال کا جاننا اور بیان کرنا کس قدر ضروری، اہم، مفید اور بابرکت ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک کے موضوعات میں سے ایک اہم موضوع آپ کی ذات و صفات ہیں۔

آپ ﷺ قرآن پاک میں کسی جگہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ (الفرقان ۲۵:۳۰)

رسول کہے گا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔

کہیں اپنے اصحاب میں سے کسی صحابی سے گفتگو فرما رہے ہیں تو اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ ۹:۴۰)

اگر تم نے نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا۔ جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا "غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے، اللہ زبردست اور دانا و بینا

Marfat.com

ہے۔

کہیں آپ کی نمازوں کا بیان ہے تو کہیں اسراء اور معراج کے جلوے پیش ہو رہے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ (المزمل ۷۳:۲۰)

اے نبی تمھارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو، اور تمھارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱ (بنی اسرائیل ۱۷:۱)

(پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے۔ تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا)۔

اور ان انوار و تجلیات کا ذکر ہے جو سدرہ یعنی بیری کے درخت کو گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کا نظارہ کرتے ہیں، آپ ﷺ کی نظریں خیرہ نہیں ہوتیں۔ آپ ﷺ پورے سکون و اطمینان سے نظریں باندھ کر دیکھنے کی چیز دیکھتے ہیں۔ اس سے نظریں ادھر ادھر نہیں کرتے۔

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸ (النجم ۵۳:۱۶-۱۸)

اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا نگاہ نہ چندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

کہیں آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں اَشِدَّآءُ عَلَى

Marfat.com

اَلْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی منظر کشی ہوتی ہے اور تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا کی جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔(الفتح ٢٩:٤٨)

کیوں؟اس لیے کہ آپ کا ہر قول وفعل اپنے اندر جاذبیت رکھتا ہے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور شانِ عبدیت کی شہادت دیتا ہے۔آپ ﷺ کے خلق عظیم اور چال ڈھال اور بول چال کی معمولی جھلک دیکھ کر ایک دیدۂ بینا رکھنے والا پکار اٹھتا ہے۔اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو فرمایا کہ آپ اپنی گزری ہوئی زندگی کی گھڑیوں کو اپنی نبوت ورسالت اور حق وصداقت کی دلیل کے طور پر پیش فرمائیں۔ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس ١٦:١٠)

کہو اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی تو میں یہ قرآن تمھیں کبھی نہ سناتا اور اللہ تمھیں اس کی خبر تک نہ دیتا۔آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمھارے درمیان گزار چکا ہوں۔کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

آپ ﷺ کی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب ٢١:٣٣) اور اپنے نبی ﷺ کے اتباع کو اللہ کی محبت کے دعویٰ میں سچائی کی نشانی اور ثبوت کہا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آل عمران ٣١:٣)

اے نبی لوگوں سے کہہ دو کہ ''اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔''

پس نبی ﷺ کا ہر کام اسوۂ حسنہ ہے اور آپ ﷺ کی ہر روش واجب کہ آپ ﷺ کی

Marfat.com

سیرت کی ہر کڑی، زندگی کا ہر گوشہ حسین و جمیل ہے۔ اور ''کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است'' کا مصداق ہے لیکن سب سے پرکشش حصہ اللہ کی راہ میں جان و مال کو فدا کرنے اور الحب فی اللہ و البغض فی اللہ کا مظاہرہ ہے۔ فرمایا:

ولوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احی ثم اقتل ثم احی ثم اقتل ثم احی ثم اقتل۔ (ابو داؤد، ج۱ص ۳۹۲عن ابی ہریرہ)

میری آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

راس الامر الاسلام وعمودہ الصلاۃ و ذروۃ سنامہ الجہاد۔ (مشکوٰۃ: کتاب الایمان)

اس دین کی بنیاد اسلام یعنی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ اس کا عمدہ ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کا بلند ترین حصہ جہاد ہے۔

آپ ﷺ کے مغازی کا تذکرہ دراصل اللہ کی راہ میں آپ ﷺ کی جان سپاری اور فدا کاری کی بلند شان کا تذکرہ ہے۔ آپ ﷺ کی رحلت طبعی بھی ہے اور شہادت بھی۔ خیبر میں آپ کو زہر دیا گیا۔ اس وقت اس کا اثر رک گیا لیکن جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو اس زہر نے بھی اثر دکھلانا شروع کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ مرض وفات میں فرماتے تھے:

میں محسوس کرتا ہوں کہ میری رگ اس زہر سے کٹ رہی ہے۔ (بخاری، باب مرض النبی ووفاتہ)۔ حافظ ابن حجر عسقلانی واقدی کے حوالے سے لکھتے ہیں: وتو فی شھیدا۔ یعنی آپ شہید ہو کر فوت ہوئے۔

قتال فی سبیل اللہ میں آپ ﷺ کی یہ شان غلبہ دین اور فتح مبین کا ذریعہ ہے اور غلبہ دین

Marfat.com

اور فتح مبین لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ کا ذریعہ ہیں۔اور لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ کی شان آخرت میں شفاعت کبریٰ اور مقام محمود پر فائز ہونے کا ذریعہ ہے۔تو اس طرح سے آپ کی یہ شان دوسری تمام شانوں سے اونچی اور سب پر سبقت حاصل کرنے والی اور تمام کا محور اور مرجع بن گئی۔(ماخوذ از فیض الباری علامہ انور شاہ کشمیری کتاب التفسیر)

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ۔

☆ غلبہ دین آپ ﷺ کا مشن اور نصب العین تھا اور قتال و جہاد فی سبیل اللہ اس کا وسیلہ ہے۔تو بالتبع یہ شان بھی آپ کی مقصودی شان بن گئی اور باقی شانیں اس کے لیے وسیلہ بن گئیں۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ (النصر ۱۱۰:۱-۳)

جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبی) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سورۃ میں آپ کی وفات کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ جب مشن مکمل ہو جائے اور جن کمالات مقدرہ پر آپ کو فائز ہونا تھا۔ان پر فائز ہو گئے تو پھر ظاہر بات ہے کہ واپسی کا وقت آگیا۔

قتال فی سبیل اللہ کی راہ تفقہ فی الدین کی راہ ہے۔ابن جریر طبری ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: قتال فی سبیل اللہ میں نکلنے والا اپنی آنکھوں سے اللہ کی نصرت کو نازل ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور اس طرح اسے یقین آجاتا ہے کہ اسلام تمام ادیان پر غالب ہونے والا ہے۔(تفسیر ابن جریر تفسیر آیت فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ۔ صفحہ ۵۲۵) انہی فوائد کی بنا پر قرآن پاک میں مغازی کو جس قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔اس قدر

Marfat.com

تفصیل سے آپ کی کسی شان کو نہیں بیان کیا گیا۔

غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ احزاب، غزوہ حدیبیہ، غزوہ الفتح، غزوہ خیبر، غزوہ تبوک اور بعض دوسرے چھوٹے بڑے غزوات کی منظر کشی جس انداز سے کی گئی ہے اس سے اس باب کی اہمیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

غزوات وسرایا کی تعداد

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

غزوات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بخاری میں حضرت زید بن ارقم سے ۱۹ غزوات کا ذکر ہے اور حضرت جابر سے روایت ہے کہ غزوات کی تعداد ۲۱ ہے۔ (مسند ابو یعلی) تطبیق اس طرح سے ہوسکتی ہے کہ کہا جائے کہ حضرت زید بن ارقم نے دو کو شمار نہیں کیا۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے کہ آٹھ غزوات میں آپ ﷺ نے خود جنگ میں حصہ لیا۔ بدر، احد، احزاب، بنی المصطلق، خیبر، مکہ، حنین، طائف (غزوہ بنی قریظہ غزوہ احزاب میں آگیا)۔ ابن سعد نے مغازی کی تعداد کو جن میں نبی ﷺ بنفس نفیس نکلے، ۲۷ قرار دیا اور عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے کہ مغازی کی تعداد ۲۴ ہے۔

دراصل ان روایات میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ جنھوں نے تھوڑی تعداد ذکر کی ہے۔ انھوں نے بعض جنگوں کو بعض کے تابع کر کے ان کو شمار نہیں کیا اور سرایا کی تعداد جو نبی ﷺ نے روانہ کیے لیکن خود ان میں شرکت نہ کی۔ ان کے بارے میں اسی طرح روایات کا اختلاف ہے۔ ۳۶ (ابن اسحاق) ۴۸ (واقدی) ۵۶ (ابن جوزی) ۶۰ (مسعودی) ۷۰ سے زائد (حافظ ابن حجر کے شیخ) ۱۰۰ سے زیادہ (الاکلیل حاکم)۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ شاید ان ۱۰۰ میں سرایا کے ساتھ مغازی بھی شامل کرلی گئی ہیں۔ (فتح الباری ص ۲۸۰-۲۸۱)

مدینہ کے دس برسوں میں نبی ﷺ کفر سے برسرِ پیکار رہے اور پھر دنیا سے اس حال میں

Marfat.com

رخصت ہوئے کہ سرزمین عرب کو اسلام کے لیے مسخر کر دیا، اسلام اس میں غالب ہو گیا۔ پھر باہر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یوں ایک صدی بھی پوری نہ ہوئی تھی کہ اسلام دنیا کی سپر طاقت بن کر سامنے آ گیا، اس کی فوجیں ایک طرف چین اور بخارا تک اور دوسری طرف افریقہ کے جنگلوں اور یورپ کے ساحلوں پر فتوحات کے جھنڈے لہرانے لگیں۔

رسول رحمت ﷺ تلواروں کے سائے میں محترم جناب حافظ ادریس صاحب حفظہ اللہ کی گراں قدر تصنیفات کے سلسلہ میں قیمتی اضافہ ہے۔ رسول رحمت ﷺ کی ذات اقدس کے اگر دنیوی رحمت ہونے کا نظارہ کرنا ہو تو فتح مکہ کا منظر آنکھوں کے سامنے لائیے۔ جب خود ابوسفیان کو امان دی جاتی ہے اور اس کے گھر کو دارالامان قرار دیا جاتا ہے۔ خود مکہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں مگر عاجزی سے سر مبارک اونٹنی کی پیٹھ کو چھونے لگتا ہے اور الیوم یوم المرحمہ کا اعلان عام ہوتا ہے، اور اخروی لحاظ سے دیکھنا ہو تو جنت میں داخل ہونے والوں کا نظارہ کرو۔ تلواروں کی چھاؤں میں رسول رحمت ﷺ کچھ لوگوں کو بیڑیاں پہناتے ہیں اور وہ گرفتار کر کے لائے جاتے ہیں، پھر وہ مسلمان ہوتے ہیں اور بیڑیوں سمیت جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ عجب اللہ لقوم یدخلون الجنۃ فی السلاسل (بخاری) یعنی اللہ ان لوگوں پر تعجب کرتا ہے جو جنت میں بیڑیاں پہنے داخل ہوتے ہیں۔

۱- نبی ﷺ کے مغازی اور سرایا کے بیان سے جو فوائد، حکمتیں اور برکتیں پیش نظر ہوتی ہیں جن کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ محترم حافظ محمد ادریس صاحب کی اس منفرد شان کی حامل کتاب سے بطریق احسن حاصل ہوں گے۔ (ان شاء اللہ)

۲- میرے نزدیک اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کتاب کا قاری ''بمصطفیٰ برسان خویش را کہ دین ہمہ اوست'' کے مطابق اپنے آپ کو غزوات کے مقام مشاہدہ پر کھڑا محسوس کرتا ہے۔ ایمان و یقین، عزم و ہمت، جرات و شجاعت اور جوش و جذبہ کو فروزاں کرنے کے لیے اس سے زیادہ موثر چیز کون سی ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بدر و احد، احزاب و حدیبیہ اور دیگر مہمات میں

Marfat.com

چلتا پھرتا محسوس کرے۔

۳- اہل علم جانتے ہیں کہ مغازی اور سیر، حدیث و تاریخ کے موضوعات مشکلہ میں شامل ہیں۔اس سلسلہ میں اردو، عربی، فارسی میں لٹریچر تو بہت پایا جاتا ہے لیکن اکثر تصانیف میں متفرق واقعات کو نقل کر دینے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ ایسی کتب بہت کم پائی جاتی ہیں جن میں واقعات کا استیعاب کیا گیا ہو اور پھر ترتیب کے ساتھ انھیں مرتب کیا گیا ہو۔

اس لحاظ سے ''رسول رحمت تلواروں کے سائے میں'' تاریخ وسیرت اور مغازی کے ابواب میں بہترین اضافہ ہے۔ اس میں ہر غزوے کے واقعات کو شروع سے آخر تک مکمل طور پر جمع کرنے اور پھر انھیں تاریخی ترتیب کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور میری نظر میں اس میں مصنف حفظہ اللہ کو پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس طرح سے یہ اپنے موضوع پر ایسی کتاب ہے جو قاری کو بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دینے والی ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ و اساتذہ، دینی مدارس کے متعلمین و معلمین، خطبا اور مقررین اور عوام الناس اس کتاب سے یکساں فیض یاب ہوں گے۔

۴- مغازی اور سیر کے ابواب میں عام طور پر مصنفین قرآن و حدیث کے بیانات کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو بہت بڑی خامی ہے۔ محترم حافظ محمد ادریس نے اس سلسلے میں قرآن و حدیث کے بیان کو اولیت دی ہے اور اس لحاظ سے کتاب کی افادیت اور قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن پاک اور احادیث میں واقعات کو جس انداز سے لیا جاتا ہے اس سے جو حکمتیں، عبرتیں اور موعظتیں مقصود ہیں وہ محض تاریخی بیان سے تو حاصل نہیں ہو جاتیں۔

۵- مصنفین عام طور پر واقعات کو نقل اور عقل کی کسوٹی پر پرکھے اور علمی اصولوں کی روشنی میں جانچے بغیر اپنی کتابوں میں درج کر دیتے ہیں۔ محترم حافظ صاحب نے اس سلسلے میں علمی تحقیق کا حق ادا کیا ہے اور واقعات کو پوری تحقیق کے بعد کتاب میں جگہ دی ہے۔

۶- اس طرح کی علمی تحقیق کے لیے وسعت مطالعہ، یکسوئی اور فرصت کی ضرورت ہوتی

Marfat.com

ہے۔محترم حافظ صاحب دعوتی وتنظیمی نوعیت کی گوناگوں مصروفیات کے ساتھ تصنیف وتالیف اور مطالعہ وتحقیق کے لیے بھی وقت نکال لیتے ہیں جس کے لیے بہت کم لوگ اپنے آپ کو تیار کرپاتے ہیں۔اس سعادت پر انھیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

۷-یہ جہادی تحریکوں کا دور ہے۔دنیا بھر میں ہرجگہ فی سبیل اللہ جان و مال کی قربانیاں پیش کی جارہی ہیں۔بوسنیا ہو یا کشمیر، فلسطین ہو یا اراکان، الجزائر ہو یا تاجکستان، ہر طرف سربکف مجاہدین میدان عمل میں کودے ہوئے ہیں اور جانوں کے نذرانے پیش کررہے ہیں۔رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں اس طرح کے قافلوں کے لیے حدی کا سامان ثابت ہوگی اور انقلاب کے لیے جذبوں میں جوش اور قدموں میں تیزی پیدا کرنے کے لیے مہمیز کا کام دے گی۔پاک فوج جو دشمن کی کھلی اور براہِ راست جارحیت اور اس کی خبیثانہ شرارتوں اور خفیہ سازشوں کے مدمقابل ڈٹی ہوئی ہے اور قربانیوں کی مثالیں رقم کررہی ہے، بھی اسی کتب سے روشنی، حوصلہ اور جذبہ حاصل کرسکتی ہے۔یوں یہ ایک ملی و دینی خدمت ہے جو مصنف موصوف نے لوجہ اللہ سرانجام دی ہے۔

۸-نبی ﷺ اور آپ کی سیرت کے اسی اثر کو اپنے تو اپنے غیر بھی مانتے ہیں۔چنانچہ ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں:

> اس پیغمبر اسلام نبی اُمّی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے جس کی آواز نے ایک ناہنجار قوم کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر حکومت کے زیرسایہ نہ آئی تھی، رام کرلیا اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیروزبر کرڈالا اور اس وقت بھی وہی نبی اُمی اپنی قبر میں لاکھوں بندگان خدا کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے۔(تمدن عرب)

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نبی اپنی سیرت و کردار، افعال واحوال، اقوال واوصاف کے لحاظ سے نظروں کے سامنے چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔اس کی برپا کی ہوئی تحریک اور تئیس سالہ زندگی کا

Marfat.com

ایک ایک لمحہ انسانوں کے سامنے کھلی کتاب کی مانند ہے۔ اس لیے وہ نہ صرف یہ کہ لاکھوں کروڑوں کو اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے بلکہ اس نے لاکھوں کو میدان جہاد میں کود پڑنے اور دنیائے کفر کے لیے چیلنج بن جانے کے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ رسول رحمت ﷺ اور بندگان خدا کے درمیان حائل پردوں کو دور کرنے کے سلسلہ کی ایک کڑی رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں بھی ہے۔ قافلے چلتے جائیں گے اور پھر مصطفیٰ ﷺ کی امت بھی تلواروں کے سائے میں امت رحمت بن کر آپ کی نیابت اور خلافت کا حق ادا کرے گی۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گی جس طرح آج وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہے۔ (ان شاء اللہ)

میری دعا ہے کہ رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں کے عنوان سے محترم حافظ محمد ادریس صاحب نے مغازی اور سیر کے جس سلسلے کا آغاز کیا ہے وہ قبولیت حاصل کرے اور پایہ تکمیل کو پہنچے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ظالم اور غاصب کافرانہ قوتوں کے مقابل برپا جہاد کی تحریک کو وسعت، ترقی اور کامیابی عطا فرمائے۔ آمین! امت مسلمہ کے پاس وہ نسخۂ شفا موجود ہے جو ہر بیماری کی شفا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے۔

عبدالمالک عفی عنہ

۲ رجون ۱۹۹۴ء

Marfat.com

پیش لفظ

حمد وتعریف اس اللہ کی جس نے حق کو غالب کرنے کے لیے اہل حق سے جانوں کا نذرانہ مانگا اور درود وسلام اس کے رسول رحمت ﷺ پر کہ جنھوں نے یہ نذرانے پیش کرنے والوں کی ایک جماعت خود اپنی ذاتی توجہ سے تیار کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس جیسی جماعت دھرتی کے سینے پر چشم فلک نے نہ کبھی پہلے دیکھی تھی نہ اس کے بعد! اس رسول رحمت ﷺ، قائد المجاہدین، خاتم النبیین ﷺ کا یہ فیض عام اور صدقہ جاریہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں اس کے نام لیوا پھر تاریخ کو دہرا دیتے ہیں۔ وہ جاں نثاری کے ایمان افروز واقعات میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں
سلام اس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالد و حیدر کے افسانے

حضور پاک ﷺ سراپا رحمت تھے۔ نابکار لوگ رحمت سے نہ صرف گریزاں رہتے ہیں بلکہ رحمت کے دشمن بن جاتے ہیں۔ حرا کی تنہائیوں میں بیٹھ کر انسانیت کے لیے اپنے آپ کو گھلانے والا جب پیغام رحمت اور نسخہ کیمیا اپنے ساتھ لایا تو اس سے محبت کرنے والے اس کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ اس ذات گرامی کو شعب ابی طالب میں محصور رہنے پر مجبور کیا گیا، انھیں ستایا اور ڈرایا گیا، ان کا مذاق اڑایا گیا، انھیں حرم کے اندر بھی ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ استقامت کا پہاڑ، انسانیت کا سچا غم خوار، طائف کے بازار میں پتھروں سے لہولہان کر دیا گیا۔ وہ انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا، ظالموں پر عذاب کا کوڑا برسنے کے لیے بے تاب تھا، اسی سے اذن

Marfat.com

مانگا جارہا تھا جسے دن بھر اوباش اپنے پتھروں کا ہدف بناتے رہے تھے۔ مگر وہ کہ اللہ کے بعد جس کی رحمت ساری کائنات سے زیادہ تھی، عذاب وعقاب اور بطش وعتاب سے انسانیت بلکہ انسانوں کے روپ میں درندہ صفت مخلوق کو بھی بچانے کے لیے دامن پھیلائے کہہ رہا تھا:

میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرا لعنت اور عذاب سے کیا تعلق؟...... یہ نہیں مانتے تو کیا ہوا، میری رحمت تو رحمت ابدی ہے، ان کی اولاد شاید اس میں سے اپنا حصہ پالے......

اتنی عظیم شخصیت! ہاں اس سے بڑی شخصیت خالق نے پیدا ہی نہیں کی۔ سراپا رحمت، سراپا حسن، سراپا خیر، مجسمہ جود وسخا، نمونہ عفو وعطا، سید دوسرا، انسانی تاریخ میں اس جیسا کوئی ہوا نہ ہوگا۔ مصحفی نے پتہ نہیں کس کیفیت میں کہا تھا مگر اس کے شعر کا مصداق کائنات میں ایک ہی ہے اور وہ یہی دریتیم ہے۔

تو اگر ناز کرے حسن پر اپنے ، ہے بجا
کہ بنا کر تجھے خالق نے بہت ناز کیا

خالق نے اسے "خلق عظیم" کی سند عطا کی، اسے رحمۃ للعالمین قرار دیا، خاتم الانبیا کا شرف بخشا، مقام محمود کی نوید سنائی، حوض کوثر کا قاسم بنایا۔ وہ گھر سے نکالا گیا، اسے پکڑنے کے لیے انعام کا لالچ دیا گیا، اسے ختم کرنے کے لیے سازشیں ہوئیں، ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا۔ شیطان اعظم اور اس کی تمام فوجیں میدان میں اتریں۔ ہر حربہ آزمایا گیا، اس پر تلواریں چلیں، نیزے برسے، تیر چلے...... زبانوں سے زہر اگلا گیا، دماغوں کی خباثت، شیطان کا مکر، منافقین کی ریشہ دوانیاں، غرض باطل کے پاس جو کچھ تھا، آزمایا گیا لیکن وہ ڈٹا رہا، نہ ڈرا نہ سہما، نہ مداہنت برتی نہ ہار مانی۔ فتح نے اسے کبھی انتقام پر نہ ابھارا۔ اسے معاف کر کے مسرت ہوتی تھی۔ اس کی عظمت کے سامنے کائنات سرنگوں اور اس کے نور کے سامنے آفتاب و ماہتاب کم روشن!

اس کا اللہ اس کے ساتھ تھا۔ غار ثور میں، میدان بدر میں، معرکہ احد میں، ہنگامہ احزاب میں، افک کے طوفان میں اور وہ جو رحمت ہی رحمت تھا، اول تا آخر رحمت، اس نے تلوار اٹھائی،

Marfat.com

تلواروں کی چھاؤں تلے جنت بتائی، گلے کاٹنے کا طریقہ سکھایا، گلے کٹوانے کا سلیقہ سمجھایا۔ دنیا کو یہ شعور بخشا کہ امن کے لیے فتنہ وفساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے۔ اللہ کا کلمہ سربلند ہوگا تو امن قائم ہوگا، انصاف ملے گا، ظلم مٹے گا، طاغوت کی خدائی کا خاتمہ ہوگا...... یہ کام تسبیح وتہلیل، نماز ودعا، آہ وبکا، شب بیداری اور تبتل سے کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ یہ سارے اعمال جادۂ منزل تو ہیں، منزل نہیں۔ حق کا غلبہ خون کا نذرانہ مانگتا ہے۔ اسے پیش کرنا ہوگا۔ حق ضرور غالب ہوگا کہ وہ تو غلبے ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اہل حق کی ضرورت ہے۔ سو اہل حق ''رسول رحمت'' کی قیادت میں اٹھے۔ ہر معرکے میں سربلند رہے، ہر میدان سے سرخرو نکلے۔

ہم نے ''رسول رحمت ﷺ'' کو تلواروں کی چھاؤں میں دیکھا ہے۔ بارہا آپ کی معیت میں روحانی سفر کیا، کبھی بدر میں، کبھی حنین میں، کبھی خیبر میں، کبھی حدیبیہ میں!

ہم نے یہ منظر مدت تک اپنے نہاں خانہ دل میں سجائے رکھا۔ چند سال قبل یہ منظر دل سے زبان پر آیا۔ بہت سے دلوں کو اس نے گرمایا۔ کئی ایک کے شب وروز بدل گئے۔ کئی دلوں سے جذبات زبانوں پر آئے۔ ان مناظر کو قرطاس پر منتقل کرنے کے مطالبات ہونے لگے۔ ہماری کمزوریاں ہم سے زیادہ کسی کو معلوم نہ تھیں۔ کام عظیم اور محنت طلب، ہم کمزور و ناتواں، نہ صلاحیت نہ سلیقہ۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر ایک سوچ جو بچپن سے ساتھ ساتھ رہی اس نے ڈھارس بندھائی۔ اس عظیم ہستی کے بارے میں جتنا کچھ بھی لکھا جائے وقت کا کوئی لمحہ کبھی یہ نہ کہہ سکے گا کہ بس اب بہت ہو چکا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم سے حق ادا نہ ہو سکے گا مگر یہ بھی ٹھیک ہے کہ جو بڑھیا سُوت کی انٹی لے کر مصر کے بازار میں یوسف صدیق کو خریدنے چلی تھی، اس کا نام یوسف کے خریداروں میں آج بھی شمار ہوتا ہے۔ اس میدان میں نکلنے والے عشق نبی کے پروانوں میں ہمارا کوئی مقام نہیں۔ اس کے باوجود جب پروانوں کی فہرست بنے گی تو بے شک سب کے آخر میں سہی، اس احقر کا نام بھی شمار تو کیا جائے گا۔

میں نے لکھنا شروع کیا۔ لکھتا رہا...... احباب ڈھارس بندھاتے رہے۔ آہستہ آہستہ پہلی جلد مکمل ہوئی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ وہ چھپی اور ''رسول رحمت ﷺ'' کے پروانوں کو پسند آئی۔

Marfat.com

سال بعد دوسرا ایڈیشن چھپا۔ ناشر شفیق الاسلام فاروقی صاحب درویش خدا مست ہیں اور ناشر سے زیادہ کارکن ہیں۔ اب تو کارکن کی یادداشتوں کے حوالے سے سکہ بند اور عالمی کارکن بن چکے ہیں۔ اس کے باوجود کتاب بہت زیادہ مقبول ہوئی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْد۔

جہاد میں اس امت کی عظمت اور بقا کا راز ہے۔ آنحضور ﷺ نے مجاہدین کی وہ جماعت تیار کی جس نے ظلم وستم کا جما جمایا نظام تہہ و بالا کر دیا۔ وہ زندگی سے زیادہ موت سے محبت کرتے تھے۔ انھیں جنت اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آتی تھی۔ وہ جنت کی خوشبو سونگھ لیتے تھے۔ حضور پاک ﷺ نے عروج وعظمت کے اس دور میں آنے والے واقعات کی تصویر امت کے سامنے پیش کر دی تھی۔ اس وقت اس صورت حال کا تذکرہ صحابہ کو کچھ عجیب سا لگا مگر چشم فلک نے اس سچے انسان کے ہر لفظ اور ہر حرف کو حقیقت کا روپ دھارتے دیکھا۔ آپؐ کا قول حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی زبانی امام ابوداؤد یوں نقل فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا:

> میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری امتیں اس پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی کہ جس طرح کھانے والے لوگ دستر خوان پر ٹوٹتے ہیں۔

کسی کہنے والے نے کہا کہ جس زمانے کا آپ حال بیان فرما رہے ہیں۔ اس زمانے میں کیا ہم مسلمان اتنی کم تعداد میں ہوں گے کہ ہم کو نگل لینے کے لیے قومیں متحد ہو کر ٹوٹ پڑیں گی؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس زمانے میں تمھاری تعداد کم نہ ہوگی بلکہ تم بہت بڑی تعداد میں ہو گے، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ہو جاؤ گے اور تمھارے دشمنوں کے سینے (دل) سے تمھاری ہیبت نکل جائے گی اور تمھارے دلوں میں پست ہمتی گھر کر لے گی۔

ایک آدمی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ پست ہمتی کس وجہ سے آجائے گی؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس وجہ سے ہوگی کہ تم (آخرت سے محبت کرنے کے بجائے) دنیا سے محبت کرنے لگو گے اور (خدا کی راہ میں جان دینے کی آرزو کے بجائے) موت سے بھاگنے اور نفرت کرنے لگو گے۔ (بحوالہ راہ عمل صفحہ ۳۱۵)

Marfat.com

حدیث میں اس مرض کو جس کا ترجمہ مولانا جلیل احسن ندوی مرحوم نے ''پست ہمتی'' کیا ہے۔ ''وھن'' کہا گیا ہے۔ امت پر ''وھن'' کا طویل دور آیا، جہاد سے روگردانی، دنیا کی محبت اور خدا اور رسولؐ کی تعلیمات سے غفلت نے دنیا کی قوموں کے لیے ہمیں تر نوالہ بنا دیا۔ الحمدللہ اب اس بیماری سے امت نکل آئی ہے۔ افغانستان، کشمیر، فلسطین، اراکان، تاجکستان اور بوسنیا میں جہاد کا اعلان ہوا۔ شمع رسالت کے پروانے سربکف میدان میں نکلے، دنیا حیران رہ گئی۔ جہاد کے نتیجے میں بعض نام نہاد سپر طاقتوں کا خاتمہ ہوا۔ باقی ماندہ لرزہ براندام ہیں اور اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف۔

ہمیں اس بات پر خوشی بھی ہے اور ہم اللہ کا لاکھ لاکھ شکر بھی ادا کرتے ہیں کہ ہمارا یہ سلسلہ مضامین مجاہدین میں بہت زیادہ مقبول ہے۔ پاک فوج کے بہت سے لوگوں نے بھی اسے بہت محبت سے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ ''رسول رحمت ﷺ'' کی سیرت کا فیضان ہے کہ یہ ادھوری اور ناقص کاوش لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کر رہی ہے۔ اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں، یہ منبع رحمت کا صدقہ جاریہ اور فیضان عام ہے۔

پہلی جلد کے چھپنے پر میں نے اعلان کیا تھا کہ دوسری جلد اور باقی کی جلدیں بھی ان شاء اللہ ہدیہ قارئین کی جائیں گی۔ اس سارے عرصے میں حالات عجیب وغریب رہے۔ عرفت ربی بفسخ العزائم کی صحیح حقیقت سمجھ میں آگئی۔ بارہا مختلف امراض نے حملے کیے، طبیعت خاصی مضمحل رہی۔ کام رک جانے پر دل پریشان اور روح مضطرب تھی۔ دل کی تمنائیں زبان پر آتی کہ یہ شعر ورد کی صورت اختیار کر لیتا:

اے تری یاد سقمِ جاں کا علاج
اے ترا ذکر دردِ دل کی دوا

قلم رکا رہا، دل میں شرارے سلگتے رہے، حالات اپنے قابو میں نہ تھے۔ محبت کرنے والے احباب بھی بہت سے معاملات سے بے خبر تھے۔ مطالبے، فرمائشیں، اصرار، شکوے، طعنے غرض جو لوگ منتظر تھے وہ اپنے تعلق کے حوالے سے ہر انداز میں یاد دہانی کراتے رہے۔ بہر حال یہ دور عجیب انداز میں گزرا۔ اب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو یہ شعر اپنے مناسب حال معلوم ہوتا ہے:

Marfat.com

منزلِ مقصود تک پہنچے بڑی مشکل سے ہم
ضعف نے اکثر بٹھایا، شوق اکثر لے چلا

بعض اوقات بعض احباب محبت میں غلو کرتے ہوئے کتاب کے بارے میں ایسے تبصرے کرتے کہ میں تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے نفس امارہ کے حملوں اور شیطان کی چالوں کے مقابلے پر پناہ اور مدد مانگتا۔ بعض اوقات ایسے واقعات بھی ہوئے کہ میں ان کو اللہ کا خاص فضل اور ''رسول رحمت ﷺ'' کی برکات میں شمار کرتا ہوں مگر ان کو بیان کرنا بالکل مناسب نہیں سمجھتا کہ کہیں یہ کسی قاری کے لیے بلکہ خود مجھ گنہگار کے لیے کسی فتنے کا باعث نہ بن جائیں۔ اللہ کی رحمت کو اپنی آنکھوں سے مجسم صورت میں بارہا دیکھا ہے۔

قلم رکنے اور چلنے کا عمل آہستہ آہستہ جاری رہا۔ کئی مرتبہ بڑی محنت سے لکھے ہوئے اوراق گم بھی ہوئے مگر دوبارہ لکھنا سخت مشکل ہونے کے باوجود خدا کی خصوصی رحمت سے ممکن ہوگیا۔ ایک بار ادارہ معارف اسلامی کی لائبریری میں کئی روز کی عرق ریزی کے بعد کچھ حوالے تلاش کیے، ڈائری میں لکھے، تعطل کے فترہ کے بعد ڈائری تلاش کرتے رہے، آج تک نہ مل سکی۔ دوبارہ اس عمل سے گزرنا پڑا مگر الحمدللہ اس کی توفیق ملی۔

میں راتوں کو لمبی تان کر سونے والا اور صبح کی اذان پر آنکھیں کھولنے والا کاہل و نااہل کوئی اور راستہ نہ پا کر راتوں کا بیشتر حصہ لوڈشیڈنگ کے مستقل اور مسلسل عذاب کے باوجود جاگ کر گزارنے لگا۔ پتہ نہیں کیا غیر مرئی قوت تھی جو مجھے جگائے رکھتی رہی۔ دن کو بھاگ دوڑ میں مصروف رہنے کے باوجود رات کو بے تکان بیٹھنے کی سکت اللہ رب العزت کا خاص عطیہ تھا۔ بعض اوقات رات یوں گزر جاتی کہ میں گنگنانے لگتا:

شب وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا

ایشیا میں دوسری جلد کی چند اقساط کے چھپنے کے بعد جو سلسلہ منقطع ہوگیا تھا، وہ پھر شروع ہوا۔ احباب نے حسب معمول ہمت بندھائی۔ ان کی پسندیدگی کو میں نے اپنی محنت کا جزوی پھل

Marfat.com

سمجھا۔ پہلے ایشیا اپنی گیند میرے کورٹ میں پھینکتا تھا، اب میں گینداس کے کورٹ میں پھینکنے لگا۔

آج صورت حال یہ ہے کہ ایشیا میں چند قسطیں چھپی ہیں، باقی ماندہ کتابی صورت میں آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔ پہلی کتاب میں غزوۂ بدر اور غزوۂ احد دو مرکزی مضامین تھے جبکہ ان کے ساتھ بعض دیگر موضوعات بھی شامل کر لیے گئے تھے۔ اس کتاب میں کل ۵ ابواب ہیں۔ اہم موضوعات میں واقعہ بئر معونہ، واقعہ رجیع، غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ دومتہ الجندل، غزوۂ بدر ثانیہ، غزوۂ خندق، غزوۂ بنو المصطلق، واقعہ افک، معجزات نبوی ﷺ وغیرہ شامل ہیں۔

یہ کتاب مکتبہ احیائے دین کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے۔ اس کتاب کا تعارف معروف ادیب اور مؤرخ جناب پروفیسر آسی ضیائی صاحب نے تحریر کیا ہے، جبکہ مقدمہ حضرت مولانا عبدالمالک شیخ الحدیث مرکز علوم اسلامیہ منصورہ نے تحریر فرمایا ہے۔ ہم اپنے ان دونوں بزرگوں کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین اجر سے نوازے۔

تیسری جلد پر کچھ فراغت ملنے کے بعد ان شاء اللہ کام شروع کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرصت اور زندگی دی تو یہ سلسلہ غالباً پانچ جلدوں میں مکمل ہو جائے گا۔ ہمارے پیش نظر یہی ایک آرزو ہے کہ ہماری نئی نسل اپنی قوت کا ادراک حاصل کرے، اپنی میراث کو پہچانے، اپنے اللہ سے جڑ جائے، روح جہاد سے سرشار ہو جائے اور غیر اللہ کا ڈر اس کے دل سے نکل جائے۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

خاکپائے غلامان محمد ﷺ

حافظ محمد ادریس

منصورہ ۱۷ ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ

بمطابق: ۲۹ مئی ۱۹۹۴ء

Marfat.com

باب اوّل

مختلف غزوات وسرایا

Marfat.com

غزوۂ اُحد کے بعد

جنگ احد کے بعد بڑی اور فیصلہ کن جنگ تو غزوۂ احزاب تھی جو ذوالقعدہ ۵ ھ میں لڑی گئی۔ تاہم اسلامی ریاست کو اس کے دشمنوں نے کبھی ایک دن کے لیے بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا۔ تمام عرصہ نبی رحمتؐ اور آپؐ کے پروانے ان ہنگامی حالات سے نبرد آزما رہے۔ کسی بڑے حادثے نے ان کو پست کیا، نہ ایک لمحے کے لیے منزل ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوئی۔ وہ جنت کے خریدار تھے اور اس کے بدلے میں انھوں نے اپنی جانیں اور مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیے تھے۔ سبحان اللہ! کتنا نفع بخش سودا ہے۔

احد اور احزاب کے درمیان بہت سے اہم واقعات رونما ہوئے۔ اہل اسلام کو کئی سرایا، غزوات اور مہمات میں سے گزرنا پڑا۔ ان میں سے بعض کا تعلق یہودیوں سے تھا اور دیگر کا عرب کے مشرکین قبائل سے۔ یہودیوں سے متعلقہ مہمات ایک الگ اور مستقل بالذات موضوع ہے، جس پر ہم نے پوری ایک کتاب لکھی ہے۔ ''رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں'' جلد سوم۔ اگرچہ زمانی لحاظ سے معروف مؤرخین نے اور سیرت نگاروں اہلِ کتاب کے خلاف لڑی گئی جنگوں کو دیگر جنگوں کے ساتھ تقدیمی ترتیب کے مطابق شامل کیا ہے۔ یوں غزوۂ بنونضیر، غزوۂ بنوقینقاع، غزوۂ بنوقریظہ اور غزواتِ خیبر سیرت اور تاریخ کے مختلف مقامات پر بیان ہوئی ہیں۔ یہودیوں کے خلاف ان سب غزوات کا تذکرہ یکجا اس لحاظ سے مفید ہے کہ ان کمینہ صفت دشمنوں کا سارا ریکارڈ ایک جگہ مل جاتا ہے۔

غزوۂ حمرأالاسد ہمارے نزدیک غزوہ احد کا تتمہ تھی اور اس کے فوراً بعد رونما ہوئی تھی۔ غزوۂ احد کے بعد اسلامی ریاست کو ایسے خطرناک چیلنج درپیش تھے کہ ان کا تذکرہ رونگٹے کھڑے کر دیتا

Marfat.com

ہے۔ احد کے زخم اتنے کاری تھے کہ اگر اسلام کی قوت اور آنحضورؐ کی شخصیت کے معجزات مدنہ ہوتے تو شاید نوزائیدہ ریاست کی ہوا اکھڑ جاتی۔ منافقین اور یہودی جری ہو گئے تھے اور جزیرہ نمائے عرب میں دور و نزدیک پھیلے ہوئے مشرک قبائل اسلام کے مقابلے کے لیے پر تولنے لگے تھے۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ مدینہ کا قائدؐ دشمنوں کے مقابلے پر اپنی قوت کا بھرپور مظاہرہ کرتا۔ چنانچہ آنحضورؐ نے ایک جامع منصوبہ تیار کیا جس کے نتیجے میں مختلف مہمات منظّم کی گئیں۔ آپؐ نے اس نازک دور میں دشمنوں کی حرکات وسکنات سے باخبر رہنے کے لیے اپنے صحابہ کو گردونواح کے علاقوں میں پھیلا دیا تھا۔ یہ صحابہ آپ کو بروقت اور درست اطلاعات فراہم کرتے رہتے تھے۔ ان اطلاعات سے آپ کو پتہ چلا کہ بعض عرب قبائل غزوۂ احد میں پہنچنے والے ضعف کی وجہ سے مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے پیش نظر کوئی نظریاتی اور فکری جنگ نہیں تھی بلکہ وہ محض مال و دولت اور جنگی قیدیوں کے لالچ میں مبتلا تھے۔

سریہ بنو اسد

نجد کے علاقے میں قبیلہ بنو اسد ایک مضبوط جنگجو قبیلہ تھا۔ صحرائے عرب میں مختلف دیگر قبائل کے مقابلے پر یہ کافی جنگیں لڑ چکے تھے۔ مالِ غنیمت کا لالچ قبیلے کے ہر فرد کے دل میں رچا بسا تھا۔ دو مہم جو اور بہادر شہسوار قبیلے کی قیادت پر فائز تھے۔ طلیحہ بن خویلد اسدی اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد اسدی شجاعت میں بھی بے مثال سمجھے جاتے تھے اور فصاحت میں بھی انھیں یدطولیٰ حاصل تھا۔ طلیحہ تو ریگستانِ عرب میں اشجع العرب کے لقب سے مشہور تھا اور اس کے اپنے قبیلے کے علاوہ دیگر قبائل کا بھی یہ خیال تھا کہ وہ تنہا ہزار شاہ سواروں کے برابر ہے۔ اس شخص پر بھی کئی دور اور نشیب و فراز آئے۔ اسلام دشمنی کے بعد مسلمان ہوا، پھر مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا مگر بالآخر حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں ارتداد اور دعوائے نبوت سے تائب ہو کر پھر داخل اسلام ہوا اور اسلام ہی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ ایک روایت کے مطابق سرزمین فارس میں نہاوند کے مقام پر انھیں شہادت نصیب ہوئی۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کا واقعہ ہے۔

Marfat.com

ان لوگوں کے مقابلے کے لیے آنحضور نے اپنے جاں نثار صحابی ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دستہ روانہ فرمایا جس میں ۱۵۰ منتخب شہسوار شامل تھے۔ ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر انصار و مہاجرین نے اس مہم میں شرکت فرمائی۔

اللہ نے ان نفوس قدسیہ کو دشمنوں پر شاندار فتح عطا فرمائی۔ ابھی جنگ احد کو بمشکل ایک مہینہ ہی گزرا تھا اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے دشمن اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ اب وہ کسی مہم جوئی کے قابل نہیں ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرتے ہوئے حکم دیا تھا کہ دو چیزوں کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ ایک تو یہ کہ رفتار میں جتنی سرعت ہو سکے اس کا اہتمام کیا جائے اور دوسرے یہ کہ سفر مکمل طور پر لوگوں کی نظروں سے چھپ کر کیا جائے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے دونوں باتوں کا خوب اہتمام کیا۔ وہ رات کو اندھیرا چھا جانے کے بعد روانہ ہوتے تھے اور خوب تیز رفتاری سے چلتے تھے۔ انھوں نے عام راستے سے ہٹ کر غیر معروف راستہ اختیار کیا۔ وہ دن کے وقت پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ کر آرام کرتے تھے۔

بروقت فیصلہ

بنو اسد علاقہ نجد میں قطن پہاڑ کی وادیوں میں رہتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ بنو اسد مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر ابھی وہ اس کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے ان کے مکمل اکٹھ اور ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی انھیں دبوچنے کا فیصلہ فرما لیا اور یہ فیصلہ ہی حقیقت میں کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ چند راتوں کے سفر کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے عین مطابق ابوسلمہ بنو اسد کے علاقے میں جا پہنچے اور پو پھٹنے سے پہلے ان پر حملہ آور ہو گئے۔ قبیلے کے تمام لوگ اپنے گھروں سے بھاگ نکلے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ان کے اونٹ اور بھیڑ بکریوں کو قبضے میں کیا۔ تین غلام بھی جو اونٹوں کے چرواہے تھے، ہاتھ آ گئے۔ چونکہ یہ پہاڑی علاقہ تھا اس لیے بنو اسد کے لوگ مختلف راستوں سے بھاگ کر وادیوں اور

Marfat.com

پہاڑیوں میں چھپ گئے۔حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مال غنیمت کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اپنے پیچھے ایسی ہیبت چھوڑ گئے کہ علاقے کے تمام اسلام دشمن قبائل خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے۔ بنو اسد ان تمام قبائل میں سب سے زیادہ بہادر اور جنگجو سمجھے جاتے تھے۔ان کی جو درگت بنی اسے دیکھ کر باقی قبائل نے بھی عبرت حاصل کی۔اس سریہ کو بنو اسد کے علاوہ سریہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بھی کہا جاتا ہے۔

سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ

جونہی حضرت ابوسلمہؓ کامیابی کے ساتھ واپس لوٹے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور دشمن قبیلے کی تیاریوں کی اطلاع ملی۔قبیلہ ھذیل کے سردار خالد بن سفیان نے بنولحیان اور بعض دوسرے قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر اور مال غنیمت کا لالچ دے کر مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔خالد بن سفیان مہم جو اور بہادر بھی تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنی شرارت اور خباثت کے لیے بھی بدنام تھا۔ بنوھذیل حجازی قبائل میں سے تھے۔قریش کے قرب و جوار میں رہتے تھے اور ان سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔یہ مہم اس لحاظ سے خاصی خطرناک تھی کہ میدان جنگ قریش سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔اس بات کا پورا امکان تھا کہ اپنی اسلام دشمنی کی بنیاد پر قریشی جنگجو بھی ان اسلام دشمنوں کے ساتھ آملیں اور صحابہؓ کے لیے بڑا چیلنج بن جائے۔(طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۵۰)

بے مثال حکمت عملی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگی حکمت عملی کے بے مثال ماہر تھے۔آپ نے اس مہم کے لیے سبک رفتار، جاں نثار اور جی دار صحابی حضرت عبداللہ بن انیس جُہنی رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔عبداللہ بن انیس سابقون الاولون میں سے تھے۔ان کا قبیلہ جہینہ بھی اس علاقے میں رہتا تھا جہاں شرپسند ھذلی سردار کا قبیلہ رہتا تھا۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ تن تنہا اس مہم پر جائیں اور دشمن فوج کے سرغنہ کو قتل کر دیں۔روانگی سے قبل حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ میں تو خالد کو جانتا نہیں ہوں، ذرا اس کا کوئی وصف تو بیان فرما دیں۔آپؐ نے فرمایا کہ جب تم اسے دیکھو گے تو پہلی ہی نظر

Marfat.com

ئیں تمہارے اوپر اس کی ہیبت طاری ہو جائے گی اور تم دل میں خوف محسوس کرو گے اور اسی لمحے تمہارے ذہن میں شیطان کا خیال آئے گا۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں کبھی کسی آدمی سے خوف نہیں کھایا کرتا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو علامت بتائی بظاہر مجھے عجیب لگی، مگر مجھے یقین تھا کہ میرے ساتھ یہ صورت حال پیش آئے گی اور میں بغیر کسی قسم کے شک کے اللہ اور رسول کے دشمن کو پہچان لوں گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سننے کے بعد حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔ جانے سے پہلے انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مہم کی کامیابی کے لیے اگر دشمن کو دھوکہ دینا پڑے تو کیا اس کی اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں جنگ میں تو دشمن کو دھوکے ہی میں رکھا جاتا ہے۔'' [الحرب خدعة، عن جابر بن عبداللہؓ، بخاری: ۲۸۶۶، مسلم: ۴۳۷ے۶]

مشرک سردار کا قتل

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ قبیلہ ھذیل کے علاقے عرنہ میں پہنچے تو پتہ چلا کہ فوجیں تو جمع ہو چکی ہیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو قبیلہ خزاعہ کا فرد ظاہر کیا اور کسی حیلے سے فوجوں کے قائد خالد بن سفیان سے ملنے میں کامیاب ہو گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس سے ملاقات کے وقت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ پر ہیبت اور خوف طاری ہوا اور ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ خالد نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ تو جواب دیا قبیلہ خزاعہ کا فرد ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم محمدؐ کے مقابلے کے لیے فوج جمع کر رہے ہو، یہ خوشخبری سن کر میں تمہاری خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ مجھے بھی اس جنگ میں شرکت کا شرف حاصل ہو جائے۔ یہ سن کر خالد بہت خوش ہوا اور انھیں خوش آمدید کہا۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے خالد کے ساتھ بے تکلفی اور دوستانہ مراسم قائم کر لیے۔ وہ اسے رات کو دلچسپ کہانیاں سناتے جن سے وہ بہت محظوظ ہوتا تھا۔ شام کو چہل قدمی کے لیے نکلتے تو خالد کے محافظ اس کے ساتھ ہوتے۔ ایک شام باتوں ہی باتوں میں حضرت عبداللہ خالد کو اس کے ساتھیوں سے

Marfat.com

دور پہاڑی کی جانب لے گئے۔ جب عام لوگوں سے کافی فاصلے پر پہنچے تو اپنی روایتی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس شیطان کا سر اڑا دیا۔ مقتول کا سر اٹھا کر ایک پہاڑی غار میں جا چھپے۔ جب خالد کے ساتھی اور محافظ وہاں پہنچے اور اپنے سردار کا بے سر دھڑ دیکھا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ حضرت عبداللہ کو کافی تلاش کیا مگر ان کا کہیں نام ونشان نہ ملا۔

کامیاب واپسی

اس مشکل مہم کو اس کامیابی کے ساتھ سر کرنے کے بعد آپؓ نے فوراً واپسی کا ارادہ کیا اور وہاں سے راتوں رات چل پڑے۔ پہاڑوں کے درمیان حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رات کو سفر کرتے اور دن کو گھنے درختوں کے جھنڈ میں چھپ جاتے۔ اس سارے عرصے میں بنو ھذیل ان کا کھوج لگاتے رہے۔ اٹھارہ راتوں کی مہم کے بعد حضرت عبداللہ دشمن کا سر کاٹنے کی خوش خبری لیے مدینہ وارد ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اپنے جاں نثار کو دیکھتے ہی پکار اٹھے ''تو سرخرو ہو گیا ہے۔'' جواب میں انھوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ یہ سرخروئی تو آپ ہی کے لیے ہے۔'' پھر انھوں نے دشمن کا سر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ دیا۔ یہ خبر گردونواح کے قبائل میں پھیل گئی کہ قبیلہ ھذیل کا سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فدائی کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے۔ اس واقعہ سے اسلام دشمن قوتوں پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اپنے بہادر سردار اور سپہ سالار کے قتل کے بعد دونوں قبائل میں خوف وہراس اور سراسیمگی پھیل گئی۔ چنانچہ ھذیل اور لحیان کے قبائل کا اکٹھ منتشر ہو گیا اور مدینہ پر ان کے حملوں کے ارادے خاک میں مل گئے۔

مؤرخ ابن سعد طبقات الکبریٰ میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی کامیاب واپسی پر آنحضورؐ اتنے خوش ہوئے کہ آپ نے انھیں ایک عصا عطا فرمایا اور کہا ''لو اس کے ساتھ جنت میں شاہانہ انداز میں داخل ہو جانا۔'' یہ عصا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ انھوں نے اپنے اہل وعیال کو وصیت کی کہ موت کے بعد یہ عصا ان کے کفن کے اندر رکھا جائے اور ان کے ساتھ دفن کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ مؤرخین نے حضرت عبداللہ

Marfat.com

بن انیس رضی اللہ عنہ کا سال وفات ۵۴ھ لکھا ہے۔ ان کی وفات حضرت معاویہ بن ابوسفیان کے دور حکومت میں شام میں ہوئی تھی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے طبقات الکبریٰ جلد دوم ص ۵۱، سیرۃ ابن ھشام، القسم الثانی، ص ۶۱۹-۶۲۱)

مؤرخین نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا سال وفات ۵۴ھ لکھا ہے۔ ان کی وفات شام میں ہوئی تھی۔

دو دل فگار حادثے

رسول رحمتؐ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کے علم میں آتا ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کا بہت بڑا مقام تھا اور اسی مقام عالی کی مناسبت سے ابتلا و آزمایش کے مرحلے بھی شدید تر تھے۔ ماہ صفر ۴ھ میں یکے بعد دیگرے دو مختلف علاقوں میں اہل ایمان کو دو حادثے پیش آئے۔ ان کی تفصیلات پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جاں نثاران رسول کے سروں سے قیامت گزر گئی۔ ان میں سے ایک واقعہ نجد کے علاقے میں پیش آیا اور دوسرا سرزمین حجاز میں۔ ان دونوں واقعات کو مؤرخین اور محدثین نے سرایا کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ دونوں مہمیں دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں کے زمرے میں آتی ہیں۔

ایک واقعہ بئر معونہ (نجد) میں پیش آیا جس میں مستند روایات کے مطابق ستر صحابہ نے شہادت پائی۔ دوسرا واقعہ رجیع (حجاز) میں پیش آیا جس میں چھ صحابہ اور بروایات بعض سات یا دس صحابہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ آگے دو ابواب میں ان دونوں واقعات کا مختصر تذکرہ نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

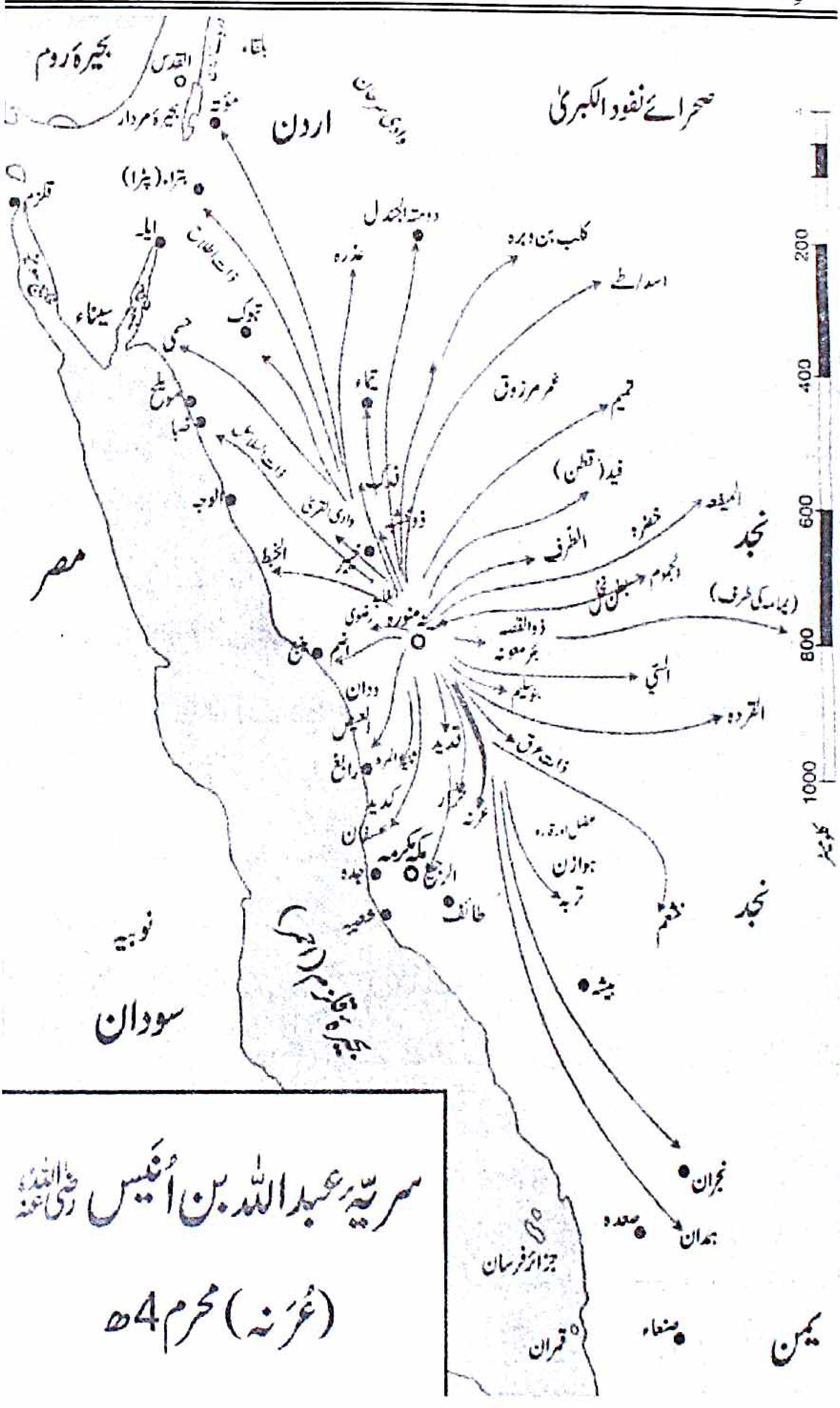

سریہ عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ

(عُرَنہ) محرم 4ھ

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۲۵۷)

Marfat.com

واقعہ بئر معونہ

صفر ۴ھ میں نجد کے سرداروں میں سے ایک سردار ابو براء عامر بن مالک بن جعفر آنحضور کے پاس آیا۔ یہ شخص بنو عامر کے معزز لوگوں میں سے تھا۔ مگر قبیلے کی حقیقی قیادت اس کے بھتیجے عامر بن طفیل بن مالک کے ہاتھ میں تھی۔ آنحضور ﷺ سے ملاقات کے وقت ابو براء جو ملاعب الاسنہ (نیزے چمکانے والا یعنی بڑا جنگجو) کے نام سے معروف تھا آپ ﷺ سے بڑے ادب و احترام سے پیش آیا۔ آنحضور ﷺ نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو اس نے اسلام قبول کرنے کی بجائے کہا آپ اپنے منتخب ساتھیوں کا ایک وفد میرے ساتھ بھیج دیں تاکہ یہ اہل نجد کو اسلام کی دعوت پیش کریں اور لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا میں اہل نجد کے بارے میں مطمئن نہیں ہوں۔ میرے ساتھیوں کو وہاں خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ اس پر ابو براء نے کہا آپ اس کی فکر نہ کریں یہ تمام لوگ میری امان میں ہوں گے۔ اس گفتگو کے بعد آنحضور ﷺ نے اپنے چیدہ چیدہ ساتھیوں کا ایک وفد ترتیب دیا جو سب صاحب علم اور نوجوان تھے۔ آپؐ کے دامن میں سبھی قیمتی ہیرے تھے اور یہ انھی میں سے بڑی شان کے مالک نفوسِ قدسیہ ہیں۔

قضا وقدر کے اٹل فیصلے

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اللہ کے نبی کو یہ خدشہ تھا کہ ان کے ساتھیوں کے ساتھ کوئی حادثہ نہ ہو جائے مگر بعد میں انھوں نے ابو براء کی یقین دہانی پر یہ وفد بھیج دیا۔ موت ان لوگوں کے انتظار میں تھی۔ رسول رحمت خود ان کو رخصت فرما رہے تھے۔ اس واقعہ کو جب بھی پڑھا جائے یہ حقیقت ذہن میں راسخ ہوتی چلی جاتی ہے کہ کلی علم غیب اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ نیز قضا وقدر

Marfat.com

کے اٹل فیصلے نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ ان سے کوئی مفر نہیں، اس لیے بندہ مومن کا قضا و قدر کے بارے میں ایمان اسے ہر مصیبت اور حادثے پر صبر و تسکین کی دولت عطا کرتا ہے۔

قرآن کے حفاظ میدان کے شہداء

مدینہ سے اپنے پیارے ساتھیوں کو رخصت کرتے ہوئے آنحضور ﷺ نے سیدنا منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ وفد کے تمام لوگ قرآن کے حافظ اور عالم تھے۔ مؤرخ ابن سعد کے الفاظ میں یہ لوگ قراء کہلاتے تھے۔ جب یہ لوگ بنو سلیم اور بنو عامر قبائل کے درمیان واقع بئر معونہ کے چشمے پر پہنچے تو وہاں انھوں نے قیام کیا۔ یہاں سے مشہور صحابی حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل کے پاس آنحضور ﷺ کے خط کے ساتھ بھیجا گیا۔ اس بد بخت نے خط پڑھے بغیر ان کو دیکھتے ہی حملہ کر کے شہید کر دیا۔ پھر اس نے اپنے قبیلے بنو عامر میں منادی کرائی کہ بئر معونہ پر مقیم ایک کارواں کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔ بنو عامر نے یہ سننے کے بعد کہ یہ لوگ ابو براء کی امان میں ہیں، حملہ کرنے سے انکار کر دیا۔ بنو سلیم کے قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان کے لوگوں نے عامر بن طفیل کا ساتھ دیا اور ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بئر معونہ کی طرف بڑھے۔

صحابہ کرام اپنے ساتھی حضرت حرام بن ملحان کے انتظار میں تھے کہ وہ کیا جواب لے کر آتے ہیں کہ اچانک انھوں نے اپنے آپ کو دشمنوں کے گھیرے میں پایا۔ اس صورت حال میں بھی انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔ دھوکہ اور غدر کرنے والوں کو اسلام کا پیغام تلواروں کی چھاؤں میں پہنچایا۔ ابو براء نے ان کو بچانے کی کوشش کی مگر اس کی کوئی نہ سنی گئی۔ صحابہ کرام ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ حضرت عمرو بن امیہ کو جو زخمی ہو چکے تھے، عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ زخمیوں کے درمیان حضرت کعب بن زید بچ رہے اور دشمنوں کے چلے جانے کے بعد وہ بھی زندہ سلامت مدینہ واپس پہنچ گئے۔

چیتے کا جگر

روایات میں آتا ہے کہ حضرت منذر بن عمرو اپنے ساتھیوں کے شہید ہو جانے کے بعد بھی

Marfat.com

زندہ تھے۔ انھیں عامر بن طفیل نے پیشکش کی اگر وہ چاہیں تو انھیں امان دے دی جائے۔ انھوں نے فرمایا جہاں میرے ساتھی جانوں کے نذرانے پیش کر چکے ہیں۔ وہیں میں بھی اپنی جان قربان کر دوں گا جس جگہ حضرت حرام بن ملحان کو شہید کیا گیا تھا۔ منذر بن عمرو بھی دشمن سے لڑتے بھڑتے اسی مقام پر شہید ہوئے۔ جب آنحضور ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ منذر نے موت کے سامنے بزدلی نہیں دکھائی۔ موت آنکھوں کے سامنے تھی مگر وہ جوانمرد اپنی بات پر ڈٹا رہا۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت

مؤرخین نے اس واقعہ کی تفصیلات لکھتے ہوئے حضرت عامر بن فہیرہ کی شہادت کا واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ انھیں بنی کلاب کے ایک شخص جبار بن سلمٰی نے شہید کیا۔ جب نیزہ ان کے جسم کے پار ہوا تو انھوں نے جوش ایمانی سے نعرہ لگایا۔ ''خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔'' شہید وفا کے انھی الفاظ نے ان کے قاتل کو ہلا کر رکھ دیا۔ مؤرخ ابن سعد کے مطابق عامر بن فہیرہ کی شہادت کے بعد اللہ کے فرشتوں نے ان کا جسم آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ وہ طبقات میں آنحضور سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ فرشتوں نے عامر بن فہیرہ کے جسم کو اٹھا لیا اور علیین میں لے گئے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات الکبریٰ ابن سعد جلد دوم ص ۵۲-۵۳)

عامر بن فہیرہ کے قاتل جبار بن سلمٰی نے ان کے آخری الفاظ کو سن کر اسلام قبول کر لیا۔ سچ ہے کہ مبلغ تبلیغ کرنے کے لیے گیا تھا اور اس نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ تاریخی روایات کے مطابق آنحضور کو اس واقعہ کی اطلاع اللہ کے حکم سے جبریل نے پہنچا دی تھی۔ آنحضور ﷺ کے دل پر اس واقعہ کا اتنا شدید اثر ہوا کہ آپ نے پورا ایک مہینہ قاتلوں کے خلاف صبح کی نماز میں مسلسل قنوت نازلہ پڑھی۔ اس کا تذکرہ صحیحین میں بھی ملتا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ بئر معونہ کے واقعہ سے آنحضور جس قدر غمزدہ ہوئے اس کی کوئی دوسری مثال آپ کی پوری زندگی

Marfat.com

میں نہیں ملتی۔

تلواروں کے سائے میں مشاورت

بئر معونہ کے مقام پر امت مسلمہ کے بہت سے روشن ستارے فلک دنیا سے محو ہو کر افق جنت پر طلوع ہو گئے۔ انھی میں حارث بن صمہ جیسا جری مجاہد تھا۔ جس کی بہادری کے واقعات کا تذکرہ غزوہ احد کے باب میں تمام سیرت نگاروں نے کیا ہے۔ محمد احمد باشمیل نے غزوۃ الاحزاب میں ابن اسحاق کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ ایک اور انصاری صحابی بھی بچ گئے تھے کیونکہ حملے کے وقت یہ موقع پر موجود نہیں تھے۔ جب انھوں نے اپنے ساتھیوں کو خون میں لت پت دیکھا تو دونوں صحابہ نے آپس میں مشورہ کیا۔

حضرت عمرو بن امیہ نے کہا، ہمیں مدینہ کی طرف چلے جانا چاہیے تاکہ آنحضور ﷺ کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دے دیں۔ یہ سن کر انصاری صحابی نے کہا جس مقام پر منذر بن عمرو جیسے چاند ڈوب گئے ہیں وہاں سے واپس جانے کو میرا جی نہیں چاہتا۔ چنانچہ وہ انصاری دشمن سے لڑے اور شہید ہو گئے۔ (بعض مؤرخین کے نزدیک یہ حارث بن صمہ ہی تھے جبکہ شوقی ابوخلیل نے الخندق میں لکھا ہے کہ یہ منذر بن محمد بن عقبہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (دیکھیے محولہ بالا کتاب کا صفحہ ۳۰ - واللہ اعلم)

مدینہ منورہ میں اس حادثے کے بعد غم کے بادل چھا گئے۔ آنحضور اور تمام صحابہ سخت دل گیر تھے۔ احد کے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے کہ یہ نئے زخم لگ گئے۔ ستر صحابہ احد میں شہید ہوئے تھے اور ستر کے قریب ہی یہاں قربان ہو گئے۔ یہ اتنی بڑی آزمائش تھی کہ اس کے سامنے استقامت کا مظاہرہ وہی لوگ کر سکے جو اللہ کے ہاتھ اپنا سب کچھ فروخت کر چکے تھے۔ اس واقعہ کی اطلاعات دور و نزدیک پھیلیں اور اسلام دشمنوں نے خوب بغلیں بجائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اسلام کا چراغ گل ہو جائے گا مگر ان کے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے۔ سرور عالم ﷺ کا حوصلہ اس صدمے کے باوجود پست نہیں ہوا اور آپ نے مسلسل اسلام کا پرچم بلند کرنے کے لیے

Marfat.com

اس کے متصلاً بعد کئی جرأت مندانہ اقدام کیے۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی مدینہ واپسی

حضرت عمرو بن امیہ ضمری واقعہ بئر معونہ کے بعد واپس مدینہ آرہے تھے۔ مدینہ سے کچھ فاصلے پر انھیں دو آدمی ملے جو عامر بن طفیل کے قبیلے بنو کلاب میں سے تھے۔ حضرت عمرو بن امیہ، عامر اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر نازل ہونے والی ناگہانی مصیبت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور انتقامی جذبات سے مغلوب تھے۔ موقع پا کر انھوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔

مدینہ پہنچ کر انھوں نے جہاں بئر معونہ کا واقعہ بیان کیا وہیں اپنے ہاتھوں قتل ہونے والے بنو کلاب کے دو افراد کا بھی تذکرہ کیا۔ آنحضور ﷺ نے بئر معونہ کے شہدا کی خبر جبریل کی زبانی پہلے بھی سن لی تھی۔ اب مزید حالات معلوم ہوئے تو آپ کو بہت صدمہ پہنچا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے حضرت عمرو بن امیہ سے کہا کہ تم نے بہت برا کیا کہ ان دو آدمیوں کو قتل کر دیا حالانکہ میں انھیں امان دے چکا تھا۔

آنحضور ﷺ نے دونوں مقتولین کا خون بہا اسلامی حکومت کی طرف سے ادا فرمایا اور یہ رقم ان کے ورثاء کو بھجوا دی۔ اس اسوۂ نبوی سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ کسی سے دوستی ہو یا دشمنی، اپنے وعدہ کا پاس اور اپنے اصولوں کی پابندی بندۂ مومن کی بنیادی صفت ہے۔ سخت ترین غم اور غصے کی حالت میں بھی عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا اسلام ہی کی امتیازی شان ہے۔

عرب سردار کی پشیمانی

عامر بن طفیل نے جو مذموم حرکت کی تھی اس کا ابو براء کو بھی بڑا افسوس تھا اور سیرت الحلبیہ کے مصنف نور الدین علی بن ابراہیم کے بقول وہ اس واقعہ کے بعد شرم اور ندامت کے مارے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد مر گیا۔ ابو براء کے بیٹے ربیعہ بن عامر بن مالک نے اپنے چچا زاد عامر بن طفیل کے ظلم کے خلاف احتجاج کیا اور قبیلے کی مجلس میں اس پر

Marfat.com

نیزے سے حملہ آور ہوا۔ اگر چہ یہ حملہ ناکام رہا کیونکہ لوگوں کی مداخلت کی وجہ سے نیزے کا وار ٹھیک ہدف پر لگنے کی بجائے عامر بن طفیل کی ران میں لگا۔ عامر بن طفیل کو بھی اپنی حرکت شنیعہ کا احساس ہو گیا تھا۔ جب قبیلے کے لوگوں نے ربیعہ کو پکڑ کر اس کے سامنے پیش کیا تو اس نے کہا کہ اگر میں مر بھی گیا تو اس سے میرا قصاص نہ لینا۔ میرا خون میرے چچازاد کی نذر سمجھنا۔ ربیعہ بن مالک کے بارے میں تقریباً تمام مؤرخین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے تھے اور اس دردناک واقعہ پر آنحضور سے تعزیت بھی کی تھی اور اپنی اور اپنے والد کی طرف سے معذرت بھی پیش کی۔

ابو براء اور ان کے بیٹے ربیعہ کے بارے میں امام دار قطنی نے لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے اور صحابہ کی جماعت میں شامل تھے۔ یہی بات امام بغوی اور دوسرے مؤرخین نے لکھی ہے جبکہ بعض مؤرخین نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے۔ ہماری رائے میں یہی قول درست ہے کہ یہ دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔

عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر کلابی عامری حالت کفر میں مرا مگر بعض لوگ حضرت عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ صحابی کے نام سے مشابہت کی وجہ سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ صحابی قبیلہ اسلم میں سے تھے اس لیے ان کے نام کے ساتھ اسلمی اکثر مؤرخین نے لکھا ہے۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الثانی، ص ۱۸۳-۱۸۷، البدایۃ والنھایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۰۹-۷۱۱)

......❀......❀......❀......

Marfat.com

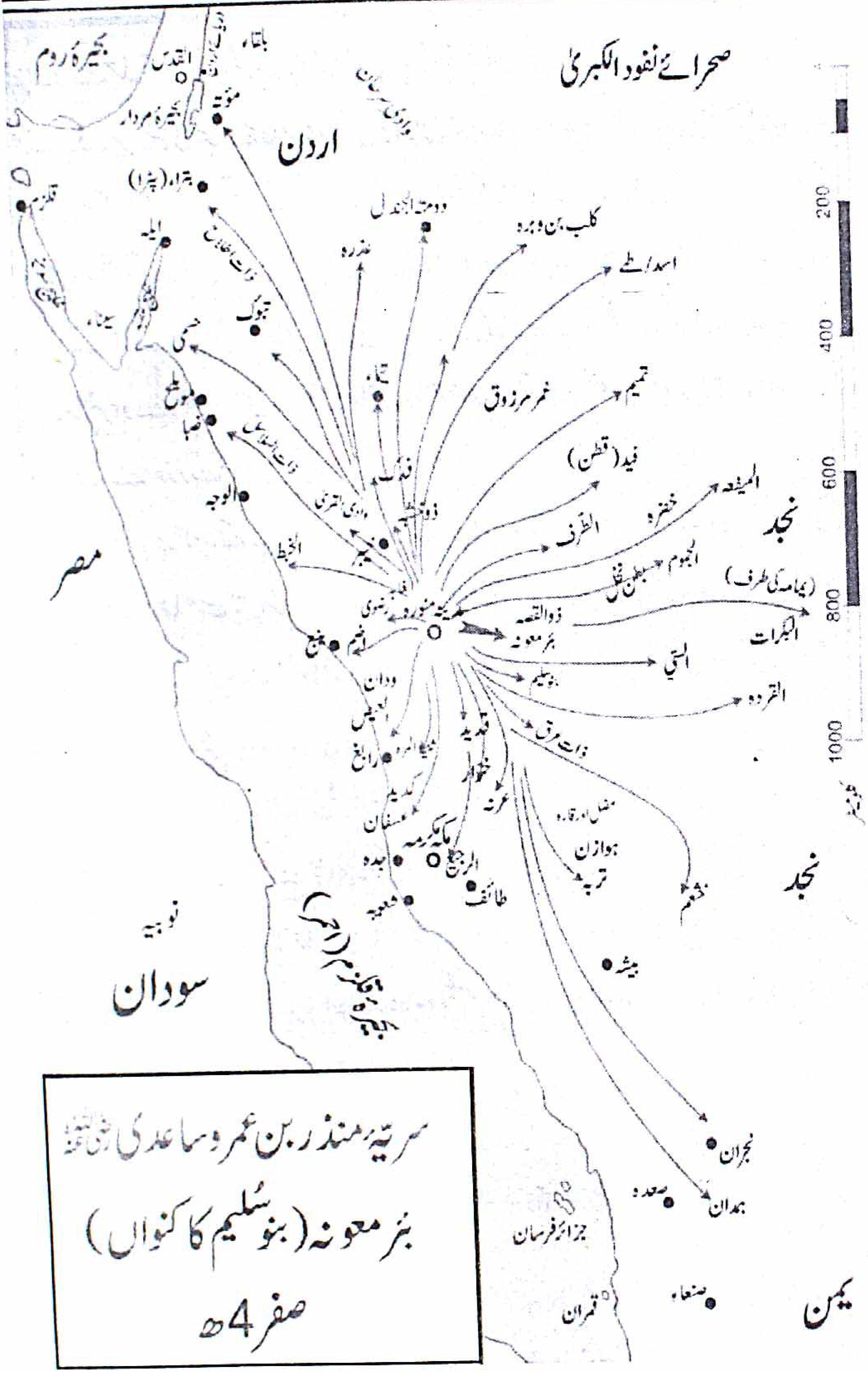

سریہ منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ
بئر معونہ (بنو سُلیم کا کنواں)
صفر 4ھ

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۲۶۰)

Marfat.com

واقعہ رجیع

(صفر ۴ ہجری)

جس وقت بئر معونہ کی طرف ستر صحابہ گامزن تھے اسی وقت چھ دیگر صحابہ عضل اور قارہ (ھون بن خزیمہ کی دو شاخیں) کے وفد کی درخواست پر رجیع کی طرف رخت سفر باندھ چکے تھے۔ مؤرخین کے مطابق عضل اور قارہ کے وفد نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا تھا کہ ہمارا قبیلہ مسلمان ہو چکا ہے مگر اسلامی تعلیمات کا فقدان ہے۔ آپ ہمارے ساتھ کچھ ایسے صحابہ بھیج دیں جو ہمیں قرآن کی تعلیم دیں اور اسلامی اصول ومبادی سے واقفیت بہم پہنچائیں۔

ایک اور تبلیغی وفد

آنحضور ﷺ نے ان کی درخواست پر ایک وفد تشکیل دیا۔ ارکان وفد کی تعداد اور امیر وفد کے بارے میں تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ وفد چھ صحابہ پر مشتمل تھا۔ (یہ تعداد آٹھ اور دس بھی بیان کی گئی ہے) وفد کے امیر حضرت عاصم بن ثابت تھے۔ (حضرت مرثد بن ابی مرثدؓ کا نام بھی بعض حوالوں میں بطور امیر لکھا گیا ہے)

وفد کے تمام ارکان صاحب علم وعرفان اور صاحب شمشیر وسنان تھے۔ جب یہ لوگ قبیلہ ہذیل کے چشمے ذات الرجیع پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے تو ان کے ساتھ غدر کیا گیا۔ جو انسانی تاریخ کا بدترین اور مذموم ترین غدر تھا۔ انھیں اپنے ساتھ لانے والے سازش تیار کر کے گئے تھے جسے رجیع کے مقام پر عملی جامہ پہنایا گیا۔ صحابہ کرام نے چشمے کے قریب اطمینان سے قیام کیا مگر اچانک ہر جانب سے اپنے آپ کو حملہ آوروں کے نرغے میں پایا۔ حملہ آور انھیں زندہ گرفتار

Marfat.com

کرنا چاہتے تھے۔ان حالات سے بے خبر صحابہ کرام جب اس ناگہانی مصیبت میں گھر گئے تو ان کے امیر عاصم بن ثابت نے ان کا حوصلہ بڑھایا اور فرمایا کہ اگر چہ ہم جنگ لڑنے کے لیے نہیں آئے تھے مگر جنگ ہمارے اوپر مسلط کر دی گئی ہے۔ اپنی تلواریں نکال لو اور پامردی سے دشمن کا مقابلہ کرو۔صحابہ کرام ایک ٹیلے پر چڑھ گئے تھے۔ جب حملہ آوروں نے دیکھا کہ کوئی پیش نہیں جارہی تو انھوں نے کہا کہ ہم تم لوگوں کو امان دیتے ہیں اور اللہ کی قسم کھا کر عہد کرتے ہیں کہ تمھیں قتل نہیں کریں گے۔حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کسی مشرک کی امان قبول نہیں کرتے اور نہ تمھارے عہد کا ہمیں کوئی اعتبار ہے۔اس کے بعد ان چھ جانثاران نبوی پر مشرکوں نے ہر جانب سے حملہ کر دیا۔

شہادت اور اسیری

حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ، خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ، عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے جبکہ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ، خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ قید کر لیے گئے۔ان میں سے بھی حضرت عبداللہ بن طارق راستے میں اپنے ہاتھوں کو زنجیروں سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئے اور ایک دشمن سے تلوار چھین کر حملہ کر دیا۔ باقی دونوں قیدیوں کو مضبوطی سے باندھا ہوا تھا۔ وہ اپنے آپ کو زنجیروں کی قید سے آزاد نہ کر سکے۔مشرکین نے حضرت عبداللہ کے ساتھ رو در رو تلوار سے لڑائی لڑنے کے بجائے ان سے دور بھاگ کر انھیں پتھر مار مار کر شہید کر دیا۔ یوں یہ صحابی مکہ پہنچنے سے پہلے شہید ہو گئے۔ان کی شہادت مرالظہر ان کے مقام پر ہوئی۔وہیں ان کی لحد مبارک ہے۔

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ بڑے مشہور جنگجو تھے۔بدر اور احد میں ان کی شمشیر خاراشگاف نے دشمنان خدا کے گلے خوب کاٹے تھے۔وہ ماہر تیر انداز بھی تھے،انھوں نے احد کی جنگ میں قریش کے دو علمبرداروں کو یکے بعد دیگرے قتل کیا تھا،جس کی تفصیل جلد اول میں گزر چکی ہے۔ مقتولین کی ماں نے قسم کھائی تھی کہ وہ عاصم کے سر کی کھوپڑی میں شراب پی کر اپنے مقتول بیٹوں کا

Marfat.com

انتقام لے گی۔ اس خاتون سلافہ بنت سعد نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے سر کی بھاری قیمت مقرر کی ہوئی تھی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بھی اس بات سے بے خبر نہیں تھے۔ شہادت سے پہلے انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یا اللہ یہ سر تیری ہی امانت ہے، تیری راہ میں یہ حاضر ہے مگر میری ایک آرزو ہے کہ شہادت کے بعد کوئی مشرک میرے جسم کو ہاتھ نہ لگا سکے۔ شہادت، کے بعد مشرکین ان کا سر کاٹنا چاہتے تھے مگر عین اسی لمحے شہد کی مکھیوں کا بہت بڑا غول پہاڑی درختوں سے اڑا اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسد اطہر پر منڈلانے لگا۔ مشرکین کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ انھوں نے سوچا کہ شام کو مکھیاں اپنے چھتے میں چلی جائیں گی تو سر کاٹ لیں گے۔ صاف شفاف آسمان پر اچانک ایک کالی گھٹا نمودار ہوئی جس کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، وادی پانی سے بھر گئی اور تیز رفتار پانی اللہ کے بندے کی آرزو پوری کرتا ہوا اسے بہا کر نامعلوم مقام کی طرف لے گیا۔ دشمن منہ دیکھتے رہ گئے۔

اللہ کے لشکر

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اپنے جنود (لشکروں) کا ذکر کیا ہے۔ یہ لشکر زمین و آسمان میں ہر جانب پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ بعض اوقات لوگوں کو نظر آتے ہیں اور بعض اوقات نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اپنا کام کرتے ہیں۔ ان کی اثر آفرینی بے پناہ اور ان کی قوت کار بے مثال ہوتی ہے۔ اللہ کا بندہ اگر یقین کامل کے ساتھ اللہ کی راہ میں چل نکلے تو قدم قدم پر یہ لشکر اس کی مدد کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ (المدثر ۷۴: ۳۱)۔ اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا مقام اسلامی تاریخ میں بڑا بلند ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خسر تھے۔ آنجناب کے بیٹے عاصم بن عمر بن خطاب حضرت عاصم بن ثابت کے نواسے تھے۔ یہی عاصم بن عمر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نانا تھے۔

Marfat.com

شیر پنجرے میں

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو بنو ہذیل نے مکہ جا کر فروخت کر دیا۔ صفوان بن امیہ نے حضرت زید کو خرید لیا تا کہ اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے میں انتقاماً قتل کر سکے۔ حجیر بن ابی وہاب نے حضرت خبیب بن عدی کو خرید کر اپنے بھانجے عقبہ بن حارث بن عامر کے حوالے کر دیا تا کہ وہ انھیں اپنے باپ کے بدلے میں قتل کر کے آتش انتقام ٹھنڈی کر سکے۔ قریش کے لوگوں نے ان دونوں اسیروں کو اس انتظار میں قید کر دیا کہ حرام مہینے گزر جائیں تو انھیں قتل کیا جائے۔ قید کا یہ زمانہ بھی بڑا یادگار تھا اور جاں نثاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کے واقعات بھی عظمت کا نمونہ اور روشنی کے مینار تھے۔

جاں نثاری کا اعلیٰ نمونہ

زید بن دثنہ کو حدود حرم سے باہر لے جا کر ایک مجمع عام کے سامنے شہید کیا گیا۔ صفوان بن امیہ نے اپنے غلام نسطاس کو حکم دیا جس نے ان کا سر قلم کر دیا۔ زید بن دثنہ کی شہادت سے پہلے قریشی سرداروں نے ان سے کہا: اے زید! ہم تم سے خدا کے نام پر پوچھتے ہیں، سچ بتاؤ اب تو تم چاہتے ہو گے کہ تمھاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پکڑا جائے، اس کی گردن اڑا دی جائے اور تم اس کے بدلے میں چھوڑ دیے جاؤ۔ حضرت زید کا جواب تھا: ''خدا کی قسم میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھے اور اس کے بدلے میں میری جان بچ جائے۔'' سیرت ابن ھشام میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ابوسفیان کا قول یوں نقل کیا گیا ہے: ''خدا کی قسم میں نے دنیا میں کہیں ایسے لوگ نہیں دیکھے جو کسی شخص سے اتنی محبت رکھتے ہوں جتنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کے ساتھی رکھتے ہیں۔''

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کا ابتلا زیادہ تفصیل کے ساتھ مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ مکہ میں قید کے دوران میں انھوں نے اپنے اخلاق و کردار سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت بڑھا دی اور اپنی ثابت قدمی اور استقامت سے دشمنوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے

Marfat.com

فرشتوں کے ذریعے سے رزق بھی پہنچایا اور ان کے دل کو مضبوطی بھی عطا کی۔

اللہ کا رزق

جس گھر میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قید کر دیا گیا اس گھر کی ایک کنیز ماویہ جو مسلمان ہو چکی تھیں مگر اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں، بیان کرتی ہیں: ''میں نے ایک دن کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تو خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں انگور کا ایک گچھا تھا۔ اتنے موٹے اور خوبصورت انگور میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے اور یہ انگوروں کا موسم بھی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر میرا دل پکار اٹھا۔ خدا کی قسم یہ خبیب رضی اللہ عنہ کی کرامت و عظمت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے رزق بہم پہنچایا گیا ہے۔''
(تفصیلات کے لیے دیکھیے :طبری، جلد دوم ص ۵۴۱،البدایة و النهایة جلد اول،ص ۷۰۴)

قید ہی کے دوران صاحب مکان کا بچہ کھیلتا ہوا اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں خبیب کو نظر بند کیا گیا تھا۔ اس وقت حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس استرا تھا۔ بچے کی ماں کو اپنے بچے کا خیال آیا تو وہ گھبرا گئی مگر بچہ بڑے اطمینان سے خبیب رضی اللہ عنہ کی گود میں کھیل رہا تھا۔ خبیب رضی اللہ عنہ اس سے کیوں پیار نہ کرتا آخر وہ بچہ مستقبل کا مجاہد اور اسلام کا سپاہی بننے والا تھا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے ماں کی پریشانی دیکھی تو فرمایا: ''تمھیں اپنے بچے کی فکر لاحق ہو گئی ہے، میں اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا کیونکہ میں مسلمان ہوں۔'' گھر کی مالکہ یہ سن کر حیران رہ گئی اور بندہ مومن کے یہ الفاظ اسے زندگی بھر یاد رہے۔ اس مصیبت کی گھڑی میں بھی خبیب رضی اللہ عنہ مکمل طور پر پرسکون اور مطمئن تھے نہ جھنجھلاہٹ نہ مایوسی۔

آخری خواہش

تنعیم کے مقام پر دونوں صحابہ کو شہید کیا گیا تھا۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی کے لیے لایا گیا۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب یہ منظر دیکھنے کے لیے موجود تھے۔ جب ان سے ان کی آخری خواہش پوچھی گئی تو فرمایا مجھے تھوڑی سی مہلت دو کہ میں دو رکعت نفل ادا کرلوں۔ دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد انھوں نے فرمایا: ''میرا خدا جانتا ہے کہ میں لمبی نمازیں پڑھا کرتا ہوں اور آج بھی میرے دل میں خواہش تھی کہ آخری نماز لمبے رکوع و سجود اور لمبے قیام و قعدہ کے ساتھ ادا کرتا مگر میں نے

Marfat.com

جلدی نماز مکمل کر لی کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں۔''

سلامِ ما بر سانید

جاں نثار رسول نماز سے فارغ ہوا تو تختہ دار تیار تھا۔ پھانسی کے پھندے کو چومنے کے لیے خبیب رضی اللہ عنہ تختہ دار کی جانب بڑھے۔ جب تختہ دار پر کھڑے کر دیے گئے تو مجمع عام پر ایک نظر ڈالی۔ کسی شخص کے چہرے پر رحم دلی کے آثار نہیں تھے۔ یہ دیکھ کر خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ یہاں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو تیرے رسول تک میرا سلام پہنچا دے۔ پس تو خود ہی میرے آقا کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دے۔ اور جو کچھ ہم پہ گزری اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس لمحے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے، آپ کے لب ہلے اور آپ نے فرمایا ''وعلیک السلام'' (ایک روایت میں وعلیکم السلام کے الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں جس کا معنی ہے کہ آنحضور نے حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ اور حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ دونوں کے سلام کا جواب دیا) یہ سلام رب کائنات نے جبریلؑ کے ذریعے اپنے نبی تک پہنچایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار پر آپ نے اپنے جانثاروں پر گزرنے والی قیامت کی تفصیل بتائی اور فرمایا: ''خبیبؓ نے مجھے تختہ دار سے سلام بھیجا ہے۔''

تاریخ اسلام کے پہلے مصلوب

تاریخ اسلام میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پہلے شہید ہیں جنھیں پھانسی دی گئی۔ خبیب ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے موت سے پہلے دو رکعت نفل ادا کرنے کی سنت ڈالی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنت کو اپنی سنت قرار دیا اور اپنی امت کو تلقین کی کہ جب بھی کسی شخص کو ایسی صورت حال پیش آ جائے تو وہ خبیب کی طرح موت سے پہلے اللہ کے حضور دو رکعت نفل ادا کرے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی لگانے سے پہلے تختہ دار پہ کھڑا کر کے چالیس نوجوانوں کو جن کے باپ بدر کے میدان میں قتل ہوئے تھے، نیزے اور تلواریں دی گئیں اور کہا گیا یہ شخص ہے جس نے تمھارے باپوں کو قتل کیا تھا۔ ذرا اسے مزہ چکھاؤ۔ جب ہر جانب سے حضرت خبیب پر حملہ ہوا تو

Marfat.com

وہ اپنی جگہ ثابت قدمی سے کھڑے رہے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

اللّٰھم احصِھم عددًا وَاقْتُلْھم بددا ولا تُغَادِرْ منھم احدا ۔ اے اللہ! ان سب کو خوب گن لے اور انھیں پراگندہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دے اور ان میں سے کوئی بھی تیری پکڑ سے نہ بچ سکے۔

ان کے ان الفاظ کو سن کر کافروں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ ان میں سے بہت سے میدان سے بھاگ نکلے۔ مؤرخ ابن اسحاق امیر معاویہ بن ابوسفیان کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ ابوسفیان کے ساتھ خبیب کے مقتل میں موجود تھے۔ خبیب کی دعا سن کر جب لوگ بھاگے تو ابوسفیان نے انھیں (امیر معاویہ کو) زمین پر لٹا دیا۔ (مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ کسی کی بددعا سے بچنے کے لیے زمین پر لیٹ کر اپنے جسم کو خاک آلود کر لیا جائے تو بددعا کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ ابوسفیان کو اپنے بیٹے کے بارے میں سخت فکر لاحق ہوئی کہ کہیں اس پر کوئی وبال نہ آپڑے)

لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

حضرت خبیب نے اپنے قاتلوں سے تختہ دار پر کھڑے ہو کر یہ مطالبہ کیا کہ انھیں قبلہ رخ کر دیا جائے۔ مگر مشرکین نے ان کا یہ مطالبہ رد کر دیا جس پر آنجناب نے فی البدیہہ نظم کہی جس کے اشعار تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔ اس موقع کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیے:

فلست ابالی حین اُقْتَلُ مسلمًا
علی اَیِّ جَنْبٍ کان فی اللہ مصرعی
و ذلک فی ذات الا لہ و ان یشاء
یُبَارِکْ علی او صالِ شلوِ مُمَزَّعٖ

جب میں اللہ کی راہ میں اس کے مطیع فرمان (بندے) کی حیثیت سے قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس بات کی کیا پروا ہے کہ میرا جسم موت کے گھاٹ اترنے کے بعد کس پہلو زمین پر گرے گا۔ یہ ساری قربانی اللہ کی راہ میں ہے اور اگر وہ ذات بابرکات

Marfat.com

چاہے تو کٹے ہوئے اعضاء کو بھی بابرکت بنادے۔''

پوری نظم کا ایک ایک شعر حب الٰہی، عشق رسول اور طلب آخرت کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔اس کے ساتھ شعری اور ادبی لحاظ سے یہ نظم عربی زبان میں نہایت بلند مقام رکھتی ہے۔

تفصیلات کے لیے دیکھیے ابن ھشام ج ۲،ص ۱۶۹-۱۷۴، سیرت نبوی ابن کثیر جلد سوم ص ۱۳۲-۱۳۳، البدایة والنھایة، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۷۰۳-۷۰۶، ہماری کتاب روشنی کے مینار'' میں بھی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔واقعہ رجیع کو ابن سعد اور بعض دوسرے مؤرخین نے ''سریہ مرثد بن ابی مرثد'' کا عنوان بھی دیا ہے۔(طبقات ابن سعد، ج ۲،ص ۵۵-۵۶)

Marfat.com

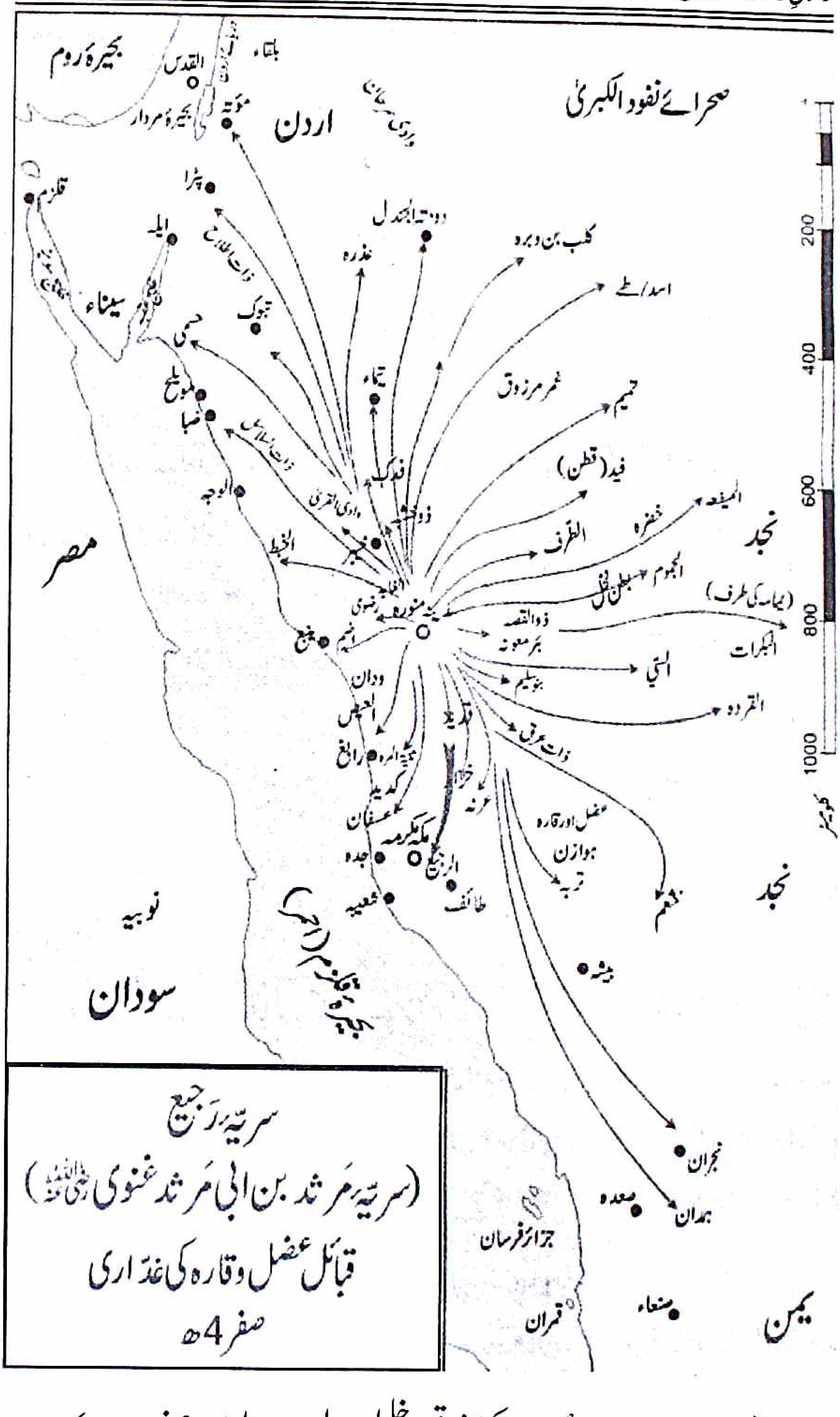

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۲۶۳)

Marfat.com

غزوۂ ذات الرِّقاع

(۴ ہجری)

جنگ احد کے بعد ماہ جمادی الاولیٰ ۴ ہجری میں حضور اکرم ﷺ کی اپنی قیادت میں چار سو مجاہدین کی ایک فوج علاقہ نجد کے قبیلہ بنو غطفان کی سرکوبی کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئی۔ یہ قبیلہ نجد کے سرسبز علاقے سعد اور ثقرہ کے درمیان مقیم تھا اور اس کی اسلام دشمنی معروف تھی۔ قبیلہ غطفان کی دو شاخیں بنو محارب اور بنو ثعلبہ نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے باقاعدہ تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ احد کے میدان میں مسلمانوں کو جو زخم لگا تھا اس پر ان قبیلوں کے طالع آزما سردار بہت خوش تھے اور انھیں یہ زعم باطل تھا کہ اگر اس لمحے مدینہ پر چڑھائی کر دی جائے تو مسلمان مزاحمت کی سکت اپنے اندر نہیں پائیں گے۔

دلیرانہ اقدام

آنحضور ﷺ کو ان قبائل کے برے عزائم کی خبر ملی تو آپ نے بلا تاخیر ان کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا۔ نجد کے علاقے میں قبیلہ بنو غطفان کی بڑی تعداد تھی۔ یہ ہزاروں جنگجو میدان میں نکال سکتے تھے۔ حضور ﷺ کا یہ اقدام جرأت مندی کی ایک نادر مثال ہے۔ احد کے زخم کے بعد اتنے بڑے قبیلے کے مقابلے کے لیے خود اس قبیلے کے علاقے میں پیش قدمی بڑا جان جوکھوں کا کام تھا مگر وقت کا تقاضا تھا کہ یہ دلیرانہ فیصلہ کر کے اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔

مدینہ منورہ سے روانگی سے قبل آنحضور نے حضرت عثمان بن عفان کو قائم مقام امیر مقرر فرمایا۔ آپ نے نجد کی جانب یہ سفر بہت سرعت کے ساتھ کیا۔ مدینہ سے دو منازل کے فاصلے پر

Marfat.com

ایک مقام نخل کے نام سے معروف ہے۔اس مقام تک بنو غطفان کی فوجیں آ پہنچی تھیں۔ادھر سے اسلامی دستہ آیا تو بنو غطفان حیران رہ گئے۔ متحارب فوجوں نے ایک دوسرے کے سامنے ڈیرے ڈال لیے۔ ہر جانب سے حملہ کا خطرہ اور امکان تھا۔فریقین دن رات چوکنے رہتے تھے مگر حملے میں پہل کوئی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد بنو غطفان اپنی روایتی بہادری کے باوجود حوصلے ہار بیٹھے اور ان کے سرداروں کی آراء میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

کامیابی

ایک دن بنو غطفان پہاڑوں کی وادیوں اور گھاٹیوں میں منتشر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے اسے کامیابی سے تعبیر کیا اور حقیقت میں یہ تھی بھی بہت بڑی کامیابی۔ بنو غطفان کا لشکر جرار چار سو مجاہدین کے سامنے بے بس ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھ کوئی بہت بڑا مال غنیمت تو نہ آیا مگر بنو غطفان کی چند عورتیں جنگی قیدی بنالی گئیں۔

تقریباً پندرہ دن رات کے بعد آنحضور ﷺ مدینہ منورہ واپس لوٹے اور اہل مدینہ نے آپ کا استقبال کیا اور اس کامیابی پر آپ کو مبارکباد پیش کی۔ اپنی آمد سے قبل آپ نے ایک صحابی حضرت جمال بن سراقہ کو خوشخبری کے ساتھ مدینہ بھیج دیا تھا۔ انھوں نے سارے واقعات اہل مدینہ کو بتا دیے تھے۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے پیش قدمی کرنے والی فوج کا راہ فرار اختیار کرنا اہل اسلام کے لیے حوصلہ افزا تھا جبکہ دشمنان اسلام کی ہمتیں اس واقعہ سے پست ہو گئی تھیں۔

جنگ کی وجہ تسمیہ

رقاع رقعہ کی جمع ہے۔ رقعہ کا معنی ہے پیوند، زمین کا ٹکڑا، کاغذ کا پرزہ، چیتھڑا وغیرہ۔ اس جنگ کو ''ذات الرقاع'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جس کی وجہ تسمیہ مؤرخین اور محققین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق بیان کی ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں مختلف وجوہات کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

Marfat.com

۱- اس جنگ کو ذات الرقاع کہا جاتا ہے کیونکہ مسلمانوں نے اس میں اپنے پرچم پھاڑ کر ایک ایک پرچم سے کئی کئی علم بنا لیے تھے۔

۲- اس علاقے میں ایک خاص قسم کا درخت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس درخت کا مقامی نام ذات الرقاع ہے۔

۳- مسلمانوں کے گھوڑوں میں سفید اور سیاہ رنگ کے گھوڑے تھے۔ اس لیے اس جنگ کو ذات الرقاع کہا گیا۔

۴- اس علاقے کے پہاڑ سفید اور سیاہ رنگ کی پٹیوں پر مشتمل ہیں جن کو دیکھ کر ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے دو رنگ کے کپڑوں کی پیوند کاری کی گئی ہو۔ ان پہاڑوں کی وجہ سے جنگ کا یہ نام پڑ گیا۔

۵- اس جنگ کے دوران میں صلوٰۃ خوف کا حکم اور طریقہ بتایا گیا۔ نماز دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ اس لیے جنگ کو ذات الرقاع کہا گیا۔

یہ مختلف وجوہات تاریخ کی امہات کتب میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً الکامل فی التاریخ جلد دوم ص ۱۱۹، البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۱۶-۷۱۷، ابن خلدون جلد دوم ص ۲۸، سیرت ابن ہشام جلد سوم ص ۱۱۹، السیرۃ الحلبیہ جلد دوم ص ۳۶۶-۳۷۰ ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ اس جنگ کی وجہ تسمیہ جو امام بخاریؒ نے بیان کی ہے وہ درج ذیل ہے۔

۶- ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (بنوغطفان سے) جنگ کے لیے نکلے۔ ہمارے پاس سواری کے جانور کم تھے۔ ایک ایک اونٹ پر چھ آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ لمبے سفر اور مشکل راستوں کی وجہ سے ہمارے پاؤں زخمی ہو گئے اور ناخن اتر گئے تھے۔ ہم اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

امام بخاری ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ حضرت ابوموسیٰ کی اس روایت کو قرار دیتے ہیں۔ اسی روایت میں وہ حضرت ابوموسیٰ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ انھیں یہ روایت بیان کرنے کے بعد

Marfat.com

بہت افسوس ہوا کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں اٹھائی گئی مشقت کا تذکرہ لوگوں کے سامنے کیوں کیا (تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح بخاری، جلد پنجم ص ۱۴۴-۱۴۵ باب غزوۃ ذات الرقاع)۔

اس جنگ کو دشمن قبائل کے ناموں کی مناسبت سے غزوہ محارب، غزوہ بنی ثعلبہ اور غزوہ بنی انمار بھی کہا گیا ہے اور ایک نام غزوۃ الاعاجیب بھی نقل ہوا ہے کیونکہ اس جنگ میں بہت سے عجیب وغریب واقعات رونما ہوئے۔ ان واقعات کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ ان ناموں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: عیون الاثر جلد دوم ص ۵۲ روض الانف جلد سوم ص ۲۵۳)

صلوٰۃ الخوف

قرآن مجید میں نماز کی بے شمار مقامات پر تلقین فرمائی گئی ہے مگر ایک مقام ایسا ہے جہاں نماز خوف اور نماز قصر کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ سورۃ النساء آیات ۱۰۱ تا ۱۰۳ کا مضمون صلوٰۃ الخوف ہے۔ ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ
یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝۱۰۱ وَاِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ
فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا
فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْیَاْخُذُوْا
حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ
فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ
كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا
مُّهِیْنًا ۝۱۰۲ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ
فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝۱۰۳ (النساء
۴:۱۰۱-۱۰۳)

اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر نماز میں اختصار کردو (خصوصاً)

Marfat.com

جبکہ تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں ستائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلا تمھاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اے نبی جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالت جنگ میں) انھیں نماز پڑھانے کھڑے ہو تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ تمھارے ساتھ کھڑا ہو اور اپنا اسلحہ لیے رہے، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آ کر تمھارے ساتھ پڑھے۔ اور وہ بھی چوکنا رہے اور اپنا اسلحہ لیے رہے، کیونکہ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں مضائقہ نہیں، مگر پھر بھی چوکنے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔ نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔

نماز باجماعت کی اہمیت

جمہور مفسرین اور تمام ائمہ حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیات غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر نازل ہوئی تھیں اور اسی موقع پر آنحضور ﷺ نے پہلی مرتبہ نماز خوف ادا کی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نماز کی اہمیت کس قدر زیادہ ہے۔ دشمن سے برسرِ پیکار ہونے اور جان کا خطرہ لاحق ہونے کے باوجود نماز قضا نہیں کی جاسکتی۔

ان آیات کی تفسیر میں مفسر قرآن سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے جو حاشیے تحریر فرمائے ہیں وہ نہایت مفید اور معلومات افزا ہیں۔ ہم یہاں سید مرحوم کے رشحات قلم نذر قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

زمانہ امن میں نماز قصر

زمانہ امن کے سفر میں قصر یہ ہے کہ جن اوقات کی نماز میں چار رکعتیں فرض ہیں ان میں دو

Marfat.com

رکعتیں پڑھی جائیں اور حالت جنگ میں قصر کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جنگی حالات جس طرح بھی اجازت دیں، نماز پڑھی جائے۔ جماعت کا موقع ہو تو جماعت سے پڑھو ورنہ فرداً فرداً ہی سہی۔ قبلہ رخ نہ ہو سکتے ہو تو جدھر بھی رخ ہو، سواری پر بیٹھے ہوئے اور چلتے ہوئے بھی پڑھ سکتے ہو۔ رکوع، سجدہ ممکن نہ ہو تو اشارہ ہی سے سہی۔ ضرورت پڑے تو نماز ہی کی حالت میں چل بھی سکتے ہو۔ کپڑوں کو خون لگا ہوا ہو تب بھی مضائقہ نہیں۔ ان سب آسانیوں کے باوجود اگر ایسی پرخطر حالت ہو کہ کسی طرح نماز نہ پڑھی جا سکے تو مجبوراً موخر کی جائے۔ جیسے جنگ خندق کے موقع پر ہوا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ سفر میں صرف فرض پڑھے جائیں یا سنتیں بھی۔ نبی ﷺ کے عمل سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ آپ سفر میں فجر کی سنتوں اور عشاء کے وتر کا تو التزام فرماتے تھے مگر باقی اوقات میں صرف فرض پڑھتے تھے۔ سنتیں پڑھنے کا التزام آپ سے ثابت نہیں ہے البتہ نفل نمازوں کا جب موقع ملتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے حتیٰ کہ سواری پر بیٹھے ہوئے بھی پڑھتے رہتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عمر نے لوگوں کو سفر میں فجر کے سوا دوسرے اوقات کی سنتیں پڑھنے سے منع کیا ہے مگر اکثر علماء ترک اور فعل دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور اسے بندے کے اختیار پر چھوڑ دیتے ہیں۔ حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ مسافر جب راستہ طے کر رہا ہو تو سنتیں نہ پڑھنا افضل ہے اور جب کسی مقام پر منزل کرے اور اطمینان حاصل ہو تو پڑھنا افضل ہے۔

جس سفر میں قصر کیا جا سکتا ہے اس کے لیے بعض ائمہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ فی سبیل اللہ ہونا چاہیے، جیسے جہاد، حج، عمرہ، طلب علم وغیرہ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عطاء کا یہی فتویٰ ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ سفر کسی ایسے مقصد کے لیے ہونا چاہیے جو شرعاً جائز ہو، حرام و ناجائز اغراض کے لیے جو سفر کیا جائے اس میں قصر کی اجازت سے فائدہ اٹھانے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قصر ہر سفر میں کیا جا سکتا ہے، رہی سفر کی نوعیت تو وہ بجائے خود ثواب یا عتاب کی مستحق ہو سکتی ہے، مگر قصر کی اجازت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

Marfat.com

نماز قصر، فقہا کی آرا

بعض ائمہ نے ’’مضائقہ نہیں‘‘ (فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ) کا مفہوم یہ سمجھا ہے کہ سفر میں قصر کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ محض اس کی اجازت ہے۔ آدمی چاہے تو اس سے فائدہ اٹھائے ورنہ پوری نماز پڑھے۔ یہی رائے امام شافعیؒ نے اختیار کی ہے، اگرچہ وہ قصر کرنے کو افضل اور ترک قصر کو ترک اولیٰ قرار دیتے ہیں۔ امام احمدؒ کے نزدیک قصر کرنا واجب تو نہیں ہے مگر نہ کرنا مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قصر کرنا واجب ہے اور یہی رائے ایک روایت میں امام مالکؒ سے بھی منقول ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیشہ سفر میں قصر کیا ہے اور کسی معتبر روایت میں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے کبھی سفر میں چار رکعتیں پڑھی ہوں۔ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ اور ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفروں میں رہا ہوں اور کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے قصر نہ کیا ہو۔ اسی کی تائید میں ابن عباس اور دوسرے متعدد صحابہ سے بھی مستند روایات منقول ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب حج کے موقع پر منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں تو صحابہ نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دے کر لوگوں کو مطمئن کیا کہ میں نے مکہ میں شادی کرلی ہے اور چونکہ نبی ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں متاہل ہوا وہ گویا اس شہر کا باشندہ ہے، اس لیے میں نے یہاں قصر نہیں کیا۔ ان کثیر روایات کے خلاف روایتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر اور اتمام دونوں درست ہیں، لیکن یہ روایتیں سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے علاوہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے ثابت شدہ مسلک کے خلاف ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ایک حالت بین السفر والحضر بھی ہوتی ہے جس میں ایک ہی عارضی فرودگاہ پر حسب موقع کبھی قصر اور کبھی اتمام دونوں کیے جاسکتے ہیں اور غالباً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی حالت کے متعلق فرمایا ہوگا کہ نبی ﷺ نے سفر میں قصر بھی کیا ہے اور اتمام بھی۔ رہے قرآن کے یہ الفاظ کہ ’’مضائقہ نہیں اگر قصر کرو‘‘ تو ان کی نظیر سورۂ بقرہ رکوع ۱۹ میں گزر چکی ہے۔ جہاں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے متعلق بھی یہی الفاظ فرمائے گئے ہیں، حالانکہ یہ سعی مناسک

Marfat.com

حج میں سے ہے اور واجب ہے۔ دراصل دونوں جگہ یہ کہنے کا مقصود لوگوں کے اس اندیشہ کو دور کرنا ہے کہ ایسا کرنے سے کہیں کوئی گناہ تو لازم نہیں آئے گا یا ثواب میں کمی تو نہ ہوگی۔

مقدار سفر

مقدار سفر جس میں قصر کیا جا سکتا ہے، ظاہریہ کے نزدیک کچھ نہیں ہے، ہر سفر میں قصر کیا جا سکتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک ۴۸ میل یا ایک دن رات سے کم کے سفر میں قصر نہیں ہے۔ یہی رائے امام احمد رحمہ اللہ کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی ایک قول اس کی تائید میں مروی ہے۔ حضرت انس ۱۵ میل کے سفر میں قصر کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ امام اوزاعی اور امام زہری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو لیتے ہیں کہ ایک دن کا سفر قصر کے لیے کافی ہے۔ حسن بصری دو دن اور امام ابو یوسف دو دن سے زیادہ کی مسافت میں قصر جائز سمجھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جس سفر میں پیدل یا اونٹ کی سواری سے تین دن صرف ہوں (یعنی تقریباً ۱۸ فرسنگ یا ۵۴ میل) اس میں قصر کیا جا سکتا ہے۔ یہی رائے ابن عمر، ابن مسعود اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی ہے۔

قیام کی مقدار

اثنائے سفر میں دوران قیام جس میں قصر کیا جا سکتا ہے مختلف آئمہ کے نزدیک مختلف ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک جہاں آدمی نے چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہو وہاں پوری نماز پڑھنی ہوگی۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک جہاں چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو وہاں قصر جائز نہیں۔ امام اوزاعی ۱۳ دن اور امام ابو حنیفہ ۱۵ دن یا اس سے زیادہ کی نیت قیام پر پوری نماز ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کوئی صریح روایت مروی نہیں ہے اور اگر کسی جگہ آدمی مجبوراً رکا ہوا ہو اور ہر وقت یہ خیال ہو کہ مجبوری دور ہوتے ہی وطن واپس ہو جائے گا تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ایسی جگہ بلاتعین مدت قصر کیا جاتا رہے گا۔ صحابہ کرام سے بکثرت مثالیں ایسی منقول ہیں کہ انھوں نے ایسے حالات میں دو دو سال مسلسل قصر کیا ہے۔ امام احمد ابن حنبل اسی پر قیاس

Marfat.com

کر کے قیدی کو بھی اس کے پورے زمانہ قید میں قصر کی اجازت دیتے ہیں۔

ظاہریوں اور خارجیوں نے اس فقرے کا یہ مطلب لیا ہے کہ قصر صرف حالت جنگ کے لیے ہے اور حالت امن کے سفر میں قصر کرنا قرآن کے خلاف ہے لیکن حدیث میں مستند روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہی شبہ نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: صدقه تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقه ”یہ قصر کی اجازت ایک انعام ہے جو اللہ نے تمھیں بخشا ہے، لہٰذا اس کے انعام کو قبول کرو۔“ یہ بات قریب قریب تواتر سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے امن اور خوف دونوں حالتوں کے سفر میں قصر فرمایا ہے۔ ابن عباس تصریح کرتے ہیں کہ ان النبی ﷺ خرج من المدينه الى مكه لا يخاف الا رب العالمين فصلى ركعتين ”نبی مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور اس وقت رب العالمین کے سوا کسی کا خوف نہ تھا مگر آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں۔“ اسی بنا پر میں نے ترجمہ میں خصوصاً کا لفظ قوسین میں بڑھا دیا ہے۔

امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے ان الفاظ سے یہ گمان کیا ہے کہ صلوٰۃ خوف صرف نبی ﷺ کے زمانے کے لیے مخصوص تھی لیکن قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ نبی ﷺ کو مخاطب کر کے ایک حکم دیا گیا ہے اور وہی حکم آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کے لیے بھی ہے۔ اس لیے صلوٰۃ خوف کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں پھر بکثرت جلیل القدر صحابہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ کے بعد بھی صلوٰۃ خوف پڑھی ہے اور اس باب میں کسی صحابی کا اختلاف مروی نہیں ہے۔

صلوٰۃ خوف کا یہ حکم اس صورت کے لیے ہے جبکہ دشمن کے حملہ کا خطرہ تو ہو مگر عملاً معرکہ قتال گرم نہ ہو۔ رہی یہ صورت کہ عملاً جنگ ہو رہی ہو تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک نماز موخر کر دی جائے گی۔ امام مالک اور امام ثوری کے نزدیک اگر رکوع وسجود ممکن نہ ہو تو اشاروں سے پڑھ لی جائے۔ امام شافعی کے نزدیک نماز ہی کی حالت میں تھوڑی سی زدوخورد بھی کی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

نبی ﷺ کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ نے غزوۂ خندق کے موقع پر چار نمازیں نہیں پڑھیں اور پھر موقع پا کر علی الترتیب انھیں ادا کیا، حالانکہ غزوہ خندق سے پہلے صلوٰۃ خوف کا حکم آچکا تھا۔

صلوٰۃ خوف کی ترکیب

صلوٰۃ خوف کی ترکیب کا انحصار بڑی حد تک جنگی حالات پر ہے۔ نبی ﷺ نے مختلف حالات میں مختلف طریقوں سے نماز پڑھائی ہے اور امام وقت مجاز ہے کہ ان طریقوں میں سے جس طریقہ کی اجازت جنگی صورت حال دے اسی کو اختیار کرے۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسرا حصہ دشمن کے مقابلے پر رہے۔ پھر جب ایک رکعت پوری ہو جائے تو پہلا حصہ سلام پھیر کر چلا جائے اور دوسرا حصہ آ کر دوسری رکعت امام کے ساتھ پوری کرے۔ اسی طرح امام کی دو رکعتیں ہوں گی اور فوج کی ایک ایک رکعت۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر چلا جائے، پھر دوسرا حصہ آ کر ایک رکعت امام کے پیچھے پڑھے، پھر دونوں حصے باری باری سے آ کر اپنی چھوٹی ہوئی ایک ایک رکعت بطور خود ادا کر لیں۔ اس طرح دونوں حصوں کی ایک ایک رکعت امام کے پیچھے ادا ہو گی اور ایک رکعت انفرادی طور پر۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے فوج کا ایک حصہ دو رکعتیں ادا کرے اور تشہد کے بعد سلام پھیر کر چلا جائے۔ پھر دوسرا حصہ تیسری رکعت میں آ کر شریک ہو اور امام کے ساتھ سلام پھیرے۔ اس طرح امام کی چار اور فوج کی دو دو رکعتیں ہوں گی۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور جب امام دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو مقتدی بطور خود ایک رکعت مع تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ پھر دوسرا حصہ آ کر اس حال میں امام کے پیچھے کھڑا ہو کہ ابھی امام دوسری ہی رکعت میں ہو اور یہ لوگ بقیہ نماز امام کے ساتھ ادا کرنے کے بعد ایک رکعت خود اٹھ کر پڑھ لیں۔ اس صورت میں امام کو

Marfat.com

دوسری رکعت میں طویل قیام کرنا ہوگا۔

پہلی صورت کو ابن عباس، جابر بن عبداللہ اور مجاہد نے روایت کیا ہے۔ دوسرے طریقہ کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور حنفیہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ تیسرے طریقہ کو حسن بصری نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور چوتھے طریقہ کو امام شافعی اور مالک نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ ترجیح دی ہے اور اس کا ماخذ سہل بن ابی حشمہ کی روایت ہے۔ ان کے علاوہ صلوٰۃ خوف کے اور بھی طریقے ہیں جن کی تفصیل مبسوطات میں مل سکتی ہے۔

یعنی یہ احتیاط جس کا حکم تمھیں دیا جا رہا ہے، محض دنیوی تدابیر کے لحاظ سے ہے، ورنہ دراصل فتح و شکست کا مدار تمھاری تدابیر پر نہیں بلکہ اللہ کے فیصلہ پر ہے۔ اس لیے ان احتیاطی تدبیروں پر عمل کرتے ہوئے تمھیں اس امر کا یقین رکھنا چاہیے کہ جو لوگ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں، اللہ انھیں رسوا کرے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد اول، ص ۳۸۸-۳۹۳)

ایمان افروز جاں نثاری

سردیوں کا موسم تھا، رات کو ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور دشمن کا خطرہ بھی ہر لمحے سر پر منڈلا رہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک گھاٹی میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' آج رات کون پہرہ دے گا؟'' آپ کے دو صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ہم یہ خدمت سرانجام دیں گے۔'' یہ دو جاں نثار تھے عمار بن یاسر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما۔

گھاٹی کے دہانے پر دونوں مجاہدوں نے پہرے کا فرض سنبھال لیا۔ حضرت عباد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے کہا'' بھائی صاحب پہلی رات آپ اطمینان سے سو جائیں، میں ان شاء اللہ چوکنا رہوں گا۔ پچھلی رات میں آپ کو جگا دوں گا، پھر آپ یہ محاذ سنبھال لیجیے گا۔''

حضرت عمار رضی اللہ عنہ سو گئے جبکہ حضرت عباد رضی اللہ عنہ نے گھاٹی کے دہانے پر کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔ دشمن کا ایک کینہ پرور جنگجو جو ماہر تیر انداز تھا، اپنے لشکر سے نکل کر آیا۔ رات کی

Marfat.com

تاریکی میں دور سے اس نے حضرت عباد کو کھڑے دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ اسلامی لشکر کا پہرے دار ہے چنانچہ اس نے ان پر تیر چلایا، تیر ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ انھوں نے نماز نہ توڑی۔ تیر جسم سے نکال دیا اور اپنی کمان میں تیر ڈال کر دشمن پر چلا دیا۔ دشمن کا دوسرا اور پھر تیسرا تیر آیا، آپ کے جسم سے خون بہنے لگا اور کمزوری محسوس ہوئی تو حضرت عمار کو جگا دیا۔ انھوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے معذرت کی کہ ان کو انھیں قبل از وقت جگانا پڑا کیونکہ انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ اگر ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی تو لشکر پہرے دار کے بغیر رہ جائے گا اور دشمن اس غفلت سے فائدہ اٹھائے گا۔ حضرت عمار بیدار ہوئے تو جناب عباد کا جسم لہولہان تھا۔ اب دشمن کو احساس ہوا کہ سویا ہوا آدمی بھی جاگ اٹھا ہے تو وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ حضرت عباد رضی اللہ عنہ زخموں سے شفایاب ہو گئے۔

تین عظیم انصاری صحابہ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ مہاجر تھے اور حضرت عباد انصاری۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کا تعلق مدینہ کے قبیلہ اوس سے تھا۔ یہ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ کے بھائی بنائے گئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: مدینہ میں تین انصاری ایسے ہیں کہ ان کی عظمت وفضیلت کو کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا، ان کی اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے خدمات بے مثال ہیں۔ یہ تینوں قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبدالاشہل سے ہیں، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم۔

عباد بن بشرؓ بڑے جانباز تھے۔ جنگوں میں رات کو لشکر کا پہرہ عموماً انھی کے ذمے ہوتا تھا۔ بعض اوقات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی محافظ کا شرف بھی انھیں حاصل ہوتا تھا۔ غزوہ خندق اور غزوہ تبوک میں انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی پہرہ دار کے طور پر راتوں کو یہ اہم ذمہ داری سنبھالی۔

حضرت عباد رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔ ان کی جان سپاری نے ہی مسیلمہ کذاب کی شکست اور اسلامی فوجوں کی فتح کا راستہ ہموار کیا تھا۔ حضرت ابوسعید خدری نے ان کی شہادت کا ایمان افروز واقعہ بیان کیا ہے جس سے ان کی جرأت وشجاعت اور عظمت ورفعت کا نقش

Marfat.com

دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۴۵ سال تھی۔

معجزہ نبوی ﷺ

اس جنگ میں ایک عظیم معجزہ رونما ہوا جس کا تذکرہ محدثین نے غزوہ ذات الرقاع کے واقعات میں کیا ہے۔ آنحضور ایک روز قضائے حاجت کے لیے اپنے ساتھیوں سے دور ایک وادی میں تشریف لے گئے۔ اسی دوران بارش ہونے لگی، حضور ﷺ کے کپڑے بھیگ گئے۔ بارش برس جانے کے بعد مطلع صاف ہوگیا اور سورج نکل آیا۔ آنحضور ﷺ نے اپنے کپڑے نچوڑ کر ایک جھاڑی پر ڈال دیے اور خود تہہ بند زیب تن کیے۔ ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ آپ نے اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی۔ تھوڑی دیر بعد آپ کی آنکھ لگ گئی۔

اس دوران میں دشمن کا ایک بہادر مہم جو سردار دعثور پہاڑی کی چوٹی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ سنہری موقع ہے۔ وہ پہاڑی سے اترا اور دبے پاؤں عین درخت کے نیچے آ پہنچا۔ اس نے آنحضور کی تلوار ہاتھ میں لی اور کہا ''اے محمد بتاؤ تمھیں اب کون بچا سکتا ہے؟'' آنحضور نے اس کی آواز سن کر آنکھ کھولی اور نہایت اطمینان سے جواب دیا ''اللہ''

اسی لمحے دعثور پر عجیب ہیبت طاری ہوگئی، تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ خود بھی دھڑام سے زمین پر گر گیا۔ آنحضور نے تلوار ہاتھ میں لے کر پوچھا: ''اب تم بتاؤ تمھیں کون بچا سکتا ہے؟'' اس نے کانپتے ہوئے کہا ''اے محمد میرے ساتھ نیکی کرو!'' آپ نے فرمایا: ''تمھیں بھی اللہ ہی بچا سکتا ہے۔'' آپ نے اسے معاف فرما دیا۔ وہ کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہوا اور اپنے قبیلے کے لوگوں کے پاس جا کر کہا: ''میں سب سے اچھے انسان کے پاس سے آیا ہوں۔'' پھر پورا واقعہ بیان کیا۔

دعثور کا نام غورث بھی بیان ہوا ہے۔ یہ واقعہ حدیث اور تاریخ کی جملہ کتب میں منقول ہے اور اسے آنحضور ﷺ کے معجزات میں شمار کیا گیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: معجزات سرور عالمؐ، ص ۲۲۶ تا ۲۲۹)

Marfat.com

آنحضور کی پرندوں کے ساتھ شفقت ومحبت

اسی جنگ کے دوران میں وہ مشہور واقعہ پیش آیا جو آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ اور اخلاق عالیہ کے احوال میں اکثر مراجع میں بیان ہوا ہے۔ایک صحابی جھاڑیوں کے درمیان گئے تو وہاں ایک چڑیا کا گھونسلا دیکھا۔گھونسلے میں چڑیا کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔انھوں نے وہ بچے اٹھا لیے اور انھیں اپنی چادر کے نیچے چھپالیا۔چڑیا بے قرار ہوگئی اور اڑتی ہوئی آکر اس صحابی کے سر پر منڈلانے لگی۔پھر اس نے اپنے آپ کو اس کے قدموں پر گرادیا۔آنحضور ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو آپ کا دل بھر آیا۔اس صحابی سے کہا کہ جائیں اور چڑیا کے بچوں کو ان کے گھونسلے میں چھوڑ آئیں۔

آنحضور ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا:''کیا تمھیں اس چڑیا کے اپنے بچوں سے تعلق اور محبت پر تعجب ہوا ہے؟ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو محبت کرتا ہے وہ اس چڑیا کی اپنے بچوں کے ساتھ محبت سے کہیں زیادہ ہے۔''

(تفصیلات کے لیے دیکھیے: البدایة والنھایة، ج۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص۷۱۶-۷۱۷، سیرت الحلبیہ، دوم، ص۳۶۶-۳۷۰)

......✿......✿......✿......

دو غزوات

غزوۃ دومۃ الجندل (۴ ہجری)

دومۃ الجندل جزیرہ نمائے عرب کے شمال مغرب میں واقع ایک قصبہ تھا۔ مدینہ منورہ سے اس کی مسافت پندرہ سولہ دن اور دمشق سے پانچ دن تھی۔ یہاں بعض قبائل نے اسلامی ریاست کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کررکھی تھیں۔ آنحضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا۔ مدینہ پر حملے کے برے ارادوں کے علاوہ یہ قبائل علاقے میں لوٹ مار کا بازار بھی گرم رکھتے تھے اور مسافر اور قافلے ان کی دست برد سے محفوظ نہ تھے۔

اس جنگ کے بارے میں مؤرخین کی آرا میں اختلاف ہے کہ یہ کب واقع ہوئی تھی۔ مؤرخ ابن ہشام اسے ربیع الاول ۵ ھ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ محمد احمد باشمیل نے اسے محرم ۴ ھ اور شوقی ابوخلیل نے ۴ ھ کے آخر میں بیان کیا ہے۔ ہمارے خیال میں ۴ ھ کے اواخر کی رائے زیادہ مستند اور صحیح ہے۔

سریع الحرکت سفر

آنحضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں بنوغفار سے تعلق رکھنے والے صحابی حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ سفر چونکہ بہت لمبا اور راستہ غیر معروف تھا۔ اس لیے آنحضور ﷺ نے ایک بدرقہ اپنے ساتھ لے لیا تھا جو راستے کا ماہر تھا۔ یہ شخص بنوعذرہ سے تھا اور اس کا نام مذکور تھا۔ آنحضور ﷺ نے اس سفر کے دوران میں دو باتوں کا اہتمام کیا۔ ایک یہ کہ جتنی سرعت ممکن ہو اختیار کی جائے اور دوسرے یہ کہ فوج کی نقل وحرکت ممکنہ حد تک خفیہ رکھی جائے۔ چنانچہ اس مہم میں دن کو قیام کیا جاتا تھا اور رات کو سفر۔

Marfat.com

آنحضور ﷺ کی آمد سے کچھ روز قبل دشمنوں کو اطلاع ملی اور وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔
آنحضور ﷺ کے ساتھ اس غزوے میں ایک ہزار جاں نثار تھے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک شخص کو پکڑ کر نبی رحمت کے پاس لائے۔ اس نے بیان کیا کہ چند روز قبل تمام قبائل شمال کی جانب کوچ کر گئے تھے۔ آنحضور ﷺ نے اس شخص کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جسے اس نے قبول کرلیا اور داخل اسلام ہو گیا۔

دوستی کے معاہدے

اس مہم میں آنحضور ﷺ پچاس دن مشغول رہے۔ مدینہ کی جانب واپسی کے دوران میں بنو تمیم کے محارب قبائل کے کچھ مویشی ہاتھ لگے۔ دشمن قبیلے کے لوگ باقی مال مویشی لے کر بھاگ گئے۔ راستے میں علاقہ نجد کے قبیلے بنو فزارہ کے سردار عیینہ بن حصن نے آنحضور ﷺ سے دوستی کا معاہدہ کرنے کی درخواست پیش کی۔ آنحضور ﷺ نے درخواست قبول فرمالی اور معاہدہ ہو گیا۔ عیینہ بن حصن بعد میں مسلمان ہو گیا تھا مگر حضرت ابوبکر کی خلافت میں ارتداد میں مبتلا ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد دوبارہ مسلمان ہوا اور اسلام پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔

بنو فزارہ سے دوستی کا معاہدہ ہو گیا تو سردار قبیلہ نے عرض کی: ''اے محمد ہمارے علاقے میں سخت قحط اور خشک سالی ہے۔ ہمارے مال مویشی بھوک سے مر رہے ہیں جبکہ مدینہ کے آس پاس خوب بارشیں ہوئی ہیں، اگر ہمیں اس سال مویشی چرانے کی اجازت مل جائے تو ہم بہت ممنون ہوں گے۔'' آنحضور نے مدینہ منورہ سے ۳۴ میل دور کے علاقے میں اس سال کے لیے اس قبیلے کو چراگاہیں استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ آنحضور ﷺ کی اس کرم فرمائی کے باوجود عیینہ نے تھوڑے ہی عرصے بعد دوستی کا معاہدہ توڑ دیا اور قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے درپے آزار ہو گیا۔ اس کی تفصیلات غزوۂ خندق کے حالات میں آرہی ہیں۔ خصوصاً السیرۃ الحلبیہ جلد دوم ص ۳۷۵-۳۷۷، سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، ص ۲۱۳، طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۶۲۔

Marfat.com

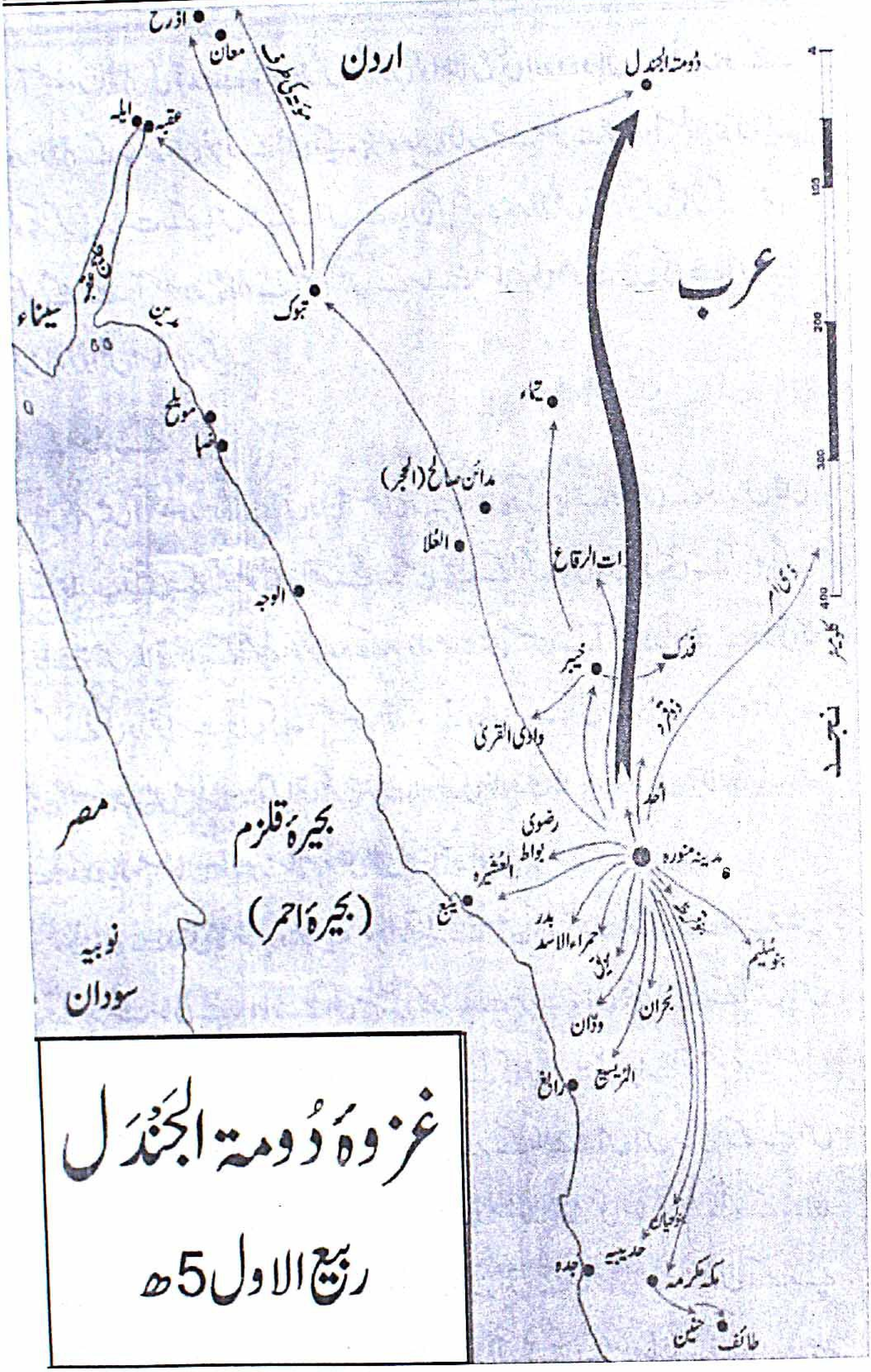

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۲۷۳)

Marfat.com

غزوہ بدر ثانیہ شعبان ۴ھ

تاریخ میں بدر کے مقام پر رمضان ۲ھ میں جو جنگ لڑی گئی تھی اسے غزوۂ بدر الکبریٰ کہا جاتا ہے اور اصل جنگ بدر بلاشبہ وہی تھی۔ (اس کا تفصیلی تذکرہ جلد اول میں گزر چکا ہے) غزوۂ بدر ثانیہ جسے بعض مؤرخین غزوہ بدر الصغریٰ بھی کہتے ہیں ۴ھ میں پیش آئی۔ ہمارے اردو لٹریچر میں اس کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے مگر اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔

جنگ احد کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جنگ کے بعد ابوسفیان نے آنحضور کو ایک چیلنج دیا تھا اور آنحضور نے اس کا چیلنج قبول فرمالیا تھا۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ ایک سال بعد" ہمارا تمھارا مقابلہ ہوگا اور مقام ملاقات بدر ہوگا۔"

درمیانی عرصے میں جنگ احد کے زخموں کے علاوہ بئر معونہ اور ذات الرجیع کے المناک واقعات بھی رونما ہو چکے تھے جن کو دیکھ کر دشمنان اسلام اور متربصین کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ مدینہ کو اپنے زعم باطل میں تر نوالہ سمجھنے لگے تھے۔ ان حالات میں جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرنا اسلام کے روشن مستقبل کے لیے از حد ضروری ہو گیا تھا۔ پھر آنحضور ﷺ کا یہ اصول بھی تھا کہ جو وعدہ ہو گیا اسے ایفا کیا جائے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے ماہ شعبان ۴ھ میں اعلان فرمایا کہ بدر کا رخ کرنے کے لیے لوگ تیار ہو جائیں۔

ادھر مکہ میں بھی اہل کفر کو یاد تھا کہ وہ احد کے بعد جو چیلنج دے آئے تھے اس کا موعد آن پہنچا ہے۔ اہل مکہ جنگ کے لیے آمادہ نہ تھے مگر ناک بچانا بھی ضروری تھا۔ صفوان بن امیہ جو بااثر، مالدار اور طاقتور سردار تھا، ابوسفیان کو سخت سست کہہ رہا تھا کہ اس نے بلاسوچے سمجھے کیوں چیلنج دیا تھا۔ ابوسفیان نے کہا: "اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے، اس پر بحث و جدال سے کیا حاصل؟" سہیل بن عمرو نے بھی صفوان کو سمجھایا کہ ایسی بات نہ کی جائے جس سے عوام الناس کی ہوا اکھڑ جائے۔ چنانچہ قریش کے "زیرک" سرداروں نے ایسی حیلہ سازی شروع کی جس سے یہ تاثر بھی ملے کہ وہ جنگ کے لیے تیار ہیں اور عملاً جنگ سے چھٹکارا بھی مل جائے۔

Marfat.com

قریش کی حیلہ سازیاں

بنو اشجع کے سرداروں میں سے ایک سردار نعیم بن مسعود اشجعی عمرے کے لیے مکہ معظمہ آیا۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا: ''کس راستے سے آئے ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''یثرب سے گزر کر آیا ہوں۔'' قریش کے سرداروں نے پوچھا: ''محمد ﷺ کس حال میں تھا؟ کیا اہل یثرب جنگ کی تیاری کر رہے تھے؟'' نعیم نے جواب دیا: ''ہاں وہ زبردست تیاریوں میں مصروف تھے۔''

ابوسفیان نے نعیم کو اعتماد میں لے کر کہا: ''ہم بھی جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہیں مگر تم جانتے ہو کہ اس سال ہم خشک سالی اور قحط کا شکار ہیں۔ اونٹنیوں کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔ جنگ کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں، تم اگر ایک کام کرو تو ہم تمھاری خاطر خواہ خدمت کریں گے۔ تم مدینہ جا کر مسلمانوں کو ہماری جنگی تیاریوں کی ایسی رپورٹ دو کہ وہ مقابلے میں ہمت ہار کر بیٹھ رہیں۔ میں اس کے بدلے میں تمھیں دس اونٹ دوں گا۔''

نعیم نے یہ خدمت سرانجام دینے کی ہامی بھر لی اور کہا کہ اونٹ دس نہیں بیس ہونے چاہییں اور اس ادائیگی کا ضامن سہیل بن عمرو کو مقرر کیا جائے۔ چنانچہ اس کے دونوں مطالبات مان لیے گئے اور وہ اپنے مشن پر روانہ ہو گیا۔

مدینہ پہنچ کر نعیم نے لوگوں کو بتایا کہ وہ مکہ سے آ رہا ہے اور وہاں اس نے قریش کی زبردست جنگی تیاریوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ قریش اس مرتبہ فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے بڑا لشکر اور سامان حرب تیار کر چکے ہیں۔

اعلان جنگ

نعیم کی باتوں سے حوصلہ پا کر یہودی اور منافقین بھی سرگرم عمل ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ دشمن کے مقابلے کے لیے جلد اعلان فرما دیجیے۔'' آنحضور اپنے جاں نثاروں کی تجویز پر

Marfat.com

بہت خوش ہوئے اور جنگ کا اعلان فرما دیا۔ اہل ایمان کے حوصلے اس نازک موقع پر اور بلند اور ان کے ایمان اور مضبوط ہو گئے۔

آنحضورﷺ نے غزوۂ بدر ثانیہ پر جانے سے قبل صحابہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے ساتھ سامان تجارت لے جانا چاہیں تو لے چلیں۔ آپ کے ساتھ اس جنگ کے لیے پندرہ سو جاںنثاران اسلام مدینہ سے نکلے۔ منافقین اور یہودی یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

آنحضورﷺ کا مدینہ سے نکلنا بڑا ایمان افروز واقعہ تھا۔ شروع میں نعیم کے پروپیگنڈے اور منافقین کی خباثتوں کی وجہ سے لوگوں میں کچھ اضمحلال نظر آ رہا تھا۔ رسولِ رحمتﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر کوئی بھی میرے ساتھ نہ نکلا تو میں تنہا اللہ کی راہ میں نکلوں گا اور دشمنوں سے قتال کروں گا۔'' ابن سعد، ابن ہشام اور نورالدین علی بن ابراہیم نے اپنی تاریخوں میں اس موقع کا ایمان افروز تذکرہ کیا ہے۔ (السیرة الحلبیة، ج ۲، دارلکتب العلمیہ بیروت، ص ۳۷۳-۳۷۵)

قائم مقام امیر مدینہ

اس جنگ پر جانے سے قبل آنحضورﷺ نے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کو مدینے میں قائم مقام امیر مقرر فرمایا۔ یہ تقرر بھی بڑی حکمت پر مبنی تھا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین کبھی وار کرنے سے باز نہیں آتا تھا۔ اس نازک موقع پر آنحضور نے اس کے بیٹے صادق الایمان صحابی حضرت عبداللہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جنگی پرچم سیدنا علی بن ابی طالب کو دیا گیا جو مسجد نبوی کے باہر لہرایا گیا اور جملہ اہل ایمان نے فضا میں اس کے پھریرے دیکھے اور اس کی بلندی کے لیے دعائیں کیں۔

مکہ میں قریش امیدیں لگائے بیٹھے تھے کہ نعیم کا مشن کامیاب ہو جائے گا۔ ابوسفیان نے اپنے رازدان سرداروں سے کہا کہ ایک دو منزل باہر نکلنا چاہیے تاکہ رعب بھی قائم رہے اور وعدہ بھی پورا ہو جائے۔ ان کا خیال تھا کہ مدینہ سے اطلاع ملے گی کہ مسلمان جنگ کے لیے آمادہ نہیں

Marfat.com

ہیں۔ادھر مدینہ میں صورت حال ہی مختلف تھی۔قریش تین ہزار کا لشکر لے کر نکلے یہ تعداد علامہ ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں بیان کی ہے۔بعض دوسرے مؤرخین کم تعداد بیان کرتے ہیں مگر ہماری رائے میں ابن سعد کی روایت زیادہ قابل اعتماد ہے۔

غدر کی ترغیب

قریش نے ایک اور حیلہ سازی یہ کی کہ ان قبائل کے سرداروں کو جو مسلمانوں سے عدم جارحیت کے معاہدے کر چکے تھے پیغام بھیجے کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے تیار ہو جائیں تا کہ مل کر اسلام کا قلع قمع کیا جا سکے۔اس چال کا اثر ہوا اور بعض قبائل قریش کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ بھی ہو گئے۔آنحضور بدر کے قریب پہنچے تو قریش کا دور دور تک کہیں نام ونشان نہ تھا البتہ آپ کو بنوضمرہ کا سردار مخشی بن عمرو الضمری نظر آیا۔اس کے ساتھ بہت سے مردانِ جنگی بھی تھے۔ وہ قریش کی آمد کا منتظر تھا۔بدر بنوضمرہ کے علاقے میں واقع ہے۔مخشی بن عمرو آنحضور ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا: ''اے محمد تم قریش سے بدر کے چشمے پر مقابلہ کرنے کے لیے آئے ہو؟''

آنحضور ﷺ نے اس کا سوال سن کر بڑی قوت سے اور نہایت مضبوط لہجے میں جواب دیا:

''اے بنوضمرہ کے بھائی ہاں ہم قریش سے جنگ لڑنے کے لیے آئے ہیں اور اگر تم عدم جارحیت کا معاہدہ توڑنا چاہتے ہو تو بڑی خوشی سے توڑ ڈالو۔پھر دیکھ لیں گے کہ ہمارے تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔''

یہ جواب سن کر بنوضمرہ کا سردار کانپ اٹھا۔اس نے نہایت نرمی اور صلح جوئی کے انداز میں عرض کیا: ''اے محمد بخدا ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ ہم صلح کا معاہدہ توڑ دیں۔''

ان لوگوں کے ساتھ جنگ بدر سے قبل ''ودان'' کے مقام پر معاہدہ ہوا تھا جس کا تذکرہ جلد اول میں گزر چکا ہے۔

بہادر قائد، بزدل دشمن

نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ سے نکل کر بدر کے میدان میں پہنچے اور سات دن اور آٹھ راتیں

Marfat.com

وہاں مکی لشکر کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ ابوسفیان اپنے لشکر کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ ''عسفان'' کے مقام پر پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کیا جس میں کہا: ''اے بنوقریش ہم مقابلے کے لیے تو تیار ہیں مگر جیسا کہ تم جانتے ہو اس سال خشک سالی نے ہمیں مشکلات میں مبتلا کر رکھا ہے۔ میری رائے میں ہمیں اس سال واپس چلے جانا چاہیے۔ اگلے سال جب بارشیں ہوں گی اور درختوں پر خوب پتے ہوں گے اور وادیوں میں جڑی بوٹیوں کی بہتات ہوگی تو ہمارے اونٹ سیر ہو کر کھائیں گے۔ اونٹنیاں خوب دودھ دیں گی اور ہم پیٹ بھر کر دودھ پئیں گے تو دشمن کا مقابلہ بطریق احسن کر سکیں گے۔'' سردار قریش کی بات سن کر سب لوگوں نے اس کی تحسین کی اور واپس مکہ کی راہ لی۔

قریش کی یہ واپسی دراصل ان کی ہزیمت تھی وہ کثرت تعداد کے باوجود حوصلے ہار بیٹھے تھے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے جرات مندانہ اقدام نے انھیں اخلاقی فتح بھی عطا کی اور علاقے میں ان کی فوجی قوت کی دھاک بھی بیٹھ گئی۔ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے دوہری تجارت کا عملی مظاہرہ کیا اور دنیوی سامان تجارت کی خرید وفروخت سے مالی فائدہ اٹھایا جبکہ اللہ کے ساتھی اپنے معاہدے کو نبھا کر جنت کے مستحق بھی ہو گئے۔

قرآن مجید کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ (آل عمران ۳: ۱۷۴-۱۷۵)

آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے، ان کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انھیں حاصل ہو گیا، اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ اب تمھیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے تم کو خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔

(السیرة الحلبیه جلد دوم ص ۳۷۳-۳۷۵، سیرة ابن هشام، القسم الثانی،

Marfat.com

ص۲۰۹-۲۱۲، طبقات ابن سعد، ج ۲، ص۵۹-۶۰، البدایة والنہایة، ج۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص۷۱۹-۷۲۰)

جیش السویق

قریش کا لشکر واپس مکہ پہنچا تو اکثر لوگوں نے اسے ''جیش السویق'' (ستوؤں والا لشکر) کا نام دیا۔ اس نام میں ایک لحاظ سے طنز اور تنقید مضمر ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لشکر محض ستو پینے کے لیے مکہ سے نکلا تھا۔ جنگ پیشِ نظر نہیں تھی۔ اس مہم کو ''غزوۃ السویق'' سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے جو غزوۂ بدر الکبریٰ کے بعد ہوئی تھی اور جس کا تذکرہ جلد اول میں گزر چکا ہے۔ غزوۃ السویق اور ہے اور جیش السویق اور۔

Marfat.com

باب دوم

غزوۂ احزاب

Marfat.com

غزوۂ خندق اور اس کے احوال

شوال ۵ ہجری میں عرب کی تمام اسلام دشمن قوتوں نے مل کر مدینہ منورہ کی چھوٹی سی بستی کا محاصرہ کرلیا۔ قریش نے اپنی قوت کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب کے دیگر اہم اور نمایاں جنگجو قبائل مشرکین کو بھی اپنی فوجوں کے ساتھ ملا لیا تھا۔ مدینہ کے اندر رہنے والے یہودی اور منافقین بھی ان سے ساز باز کر چکے تھے۔ اس جنگ کے موقع پر اسلام دشمنوں نے یہ جھوٹی امید باندھ رکھی تھی کہ اس مرتبہ شمع اسلام گل ہو کر رہے گی۔ یہ جنگ بلاشبہ تاریخ اسلامی کی نہایت مشکل اور کٹھن جنگ تھی مگر نور خدا کو پھونکوں سے بجھانے والے اپنے زعم باطل میں جو منصوبے بنا رہے تھے وہ انھی پر الٹے جانے کا اہتمام دربار خداوندی سے ہو چکا تھا۔ اہل ایمان کٹھن امتحان کے بعد اس آزمائش میں بھی سرخرو ہو کر نکلے۔

اسلام دشمن قوتوں کی گھناؤنی سازشوں اور کمینہ حرکتوں کی تفصیلات قرآن وحدیث اور مستند تاریخی حوالوں سے آیندہ صفحات میں پیش کی جا رہی ہیں۔ ان تمام عناصر کا حال الگ الگ ترتیب وار ملاحظہ فرمائیے۔ اس جنگ کا اصلی نام غزوۂ احزاب ہے کیونکہ سارے عرب کے لشکر مدینہ پر چڑھ دوڑے تھے اور سورۂ احزاب اسی جنگ کے حالات بیان کرتی ہے۔ خندق کھودی جانے کی وجہ سے اسے جنگ خندق بھی کہتے ہیں۔

تفصیلات کے لیے دیکھیے: طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۶۵-۷۴، سیرة ابن هشام، ج ۲، ص ۲۱۴-۲۳۳، سیرة الحلبية، ج ۲، ص ۴۱۵-۴۴۰۔

Marfat.com

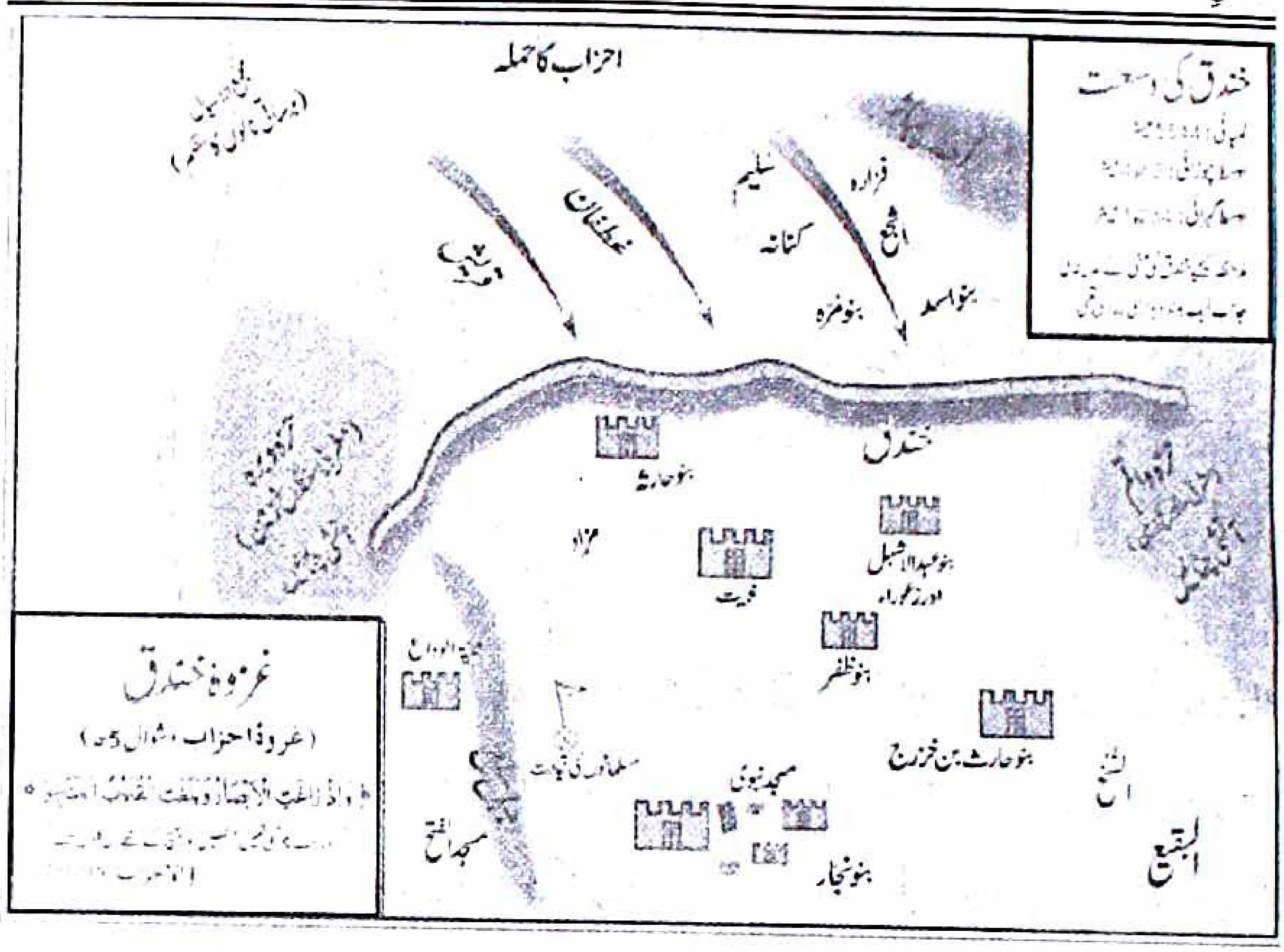

مقام خندق اور اس کے پیچھے احد پہاڑ نمایاں ہے

سلع پہاڑ کا ایک رخ، جہاں جنگ خندق کے موقع پر فوجی ہیڈ کوارٹر تھا جہاں مسجد فتح تعمیر کی گئی اور مسجد ابوبکر، مسجد علی اور مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہم بھی نمایاں ہیں

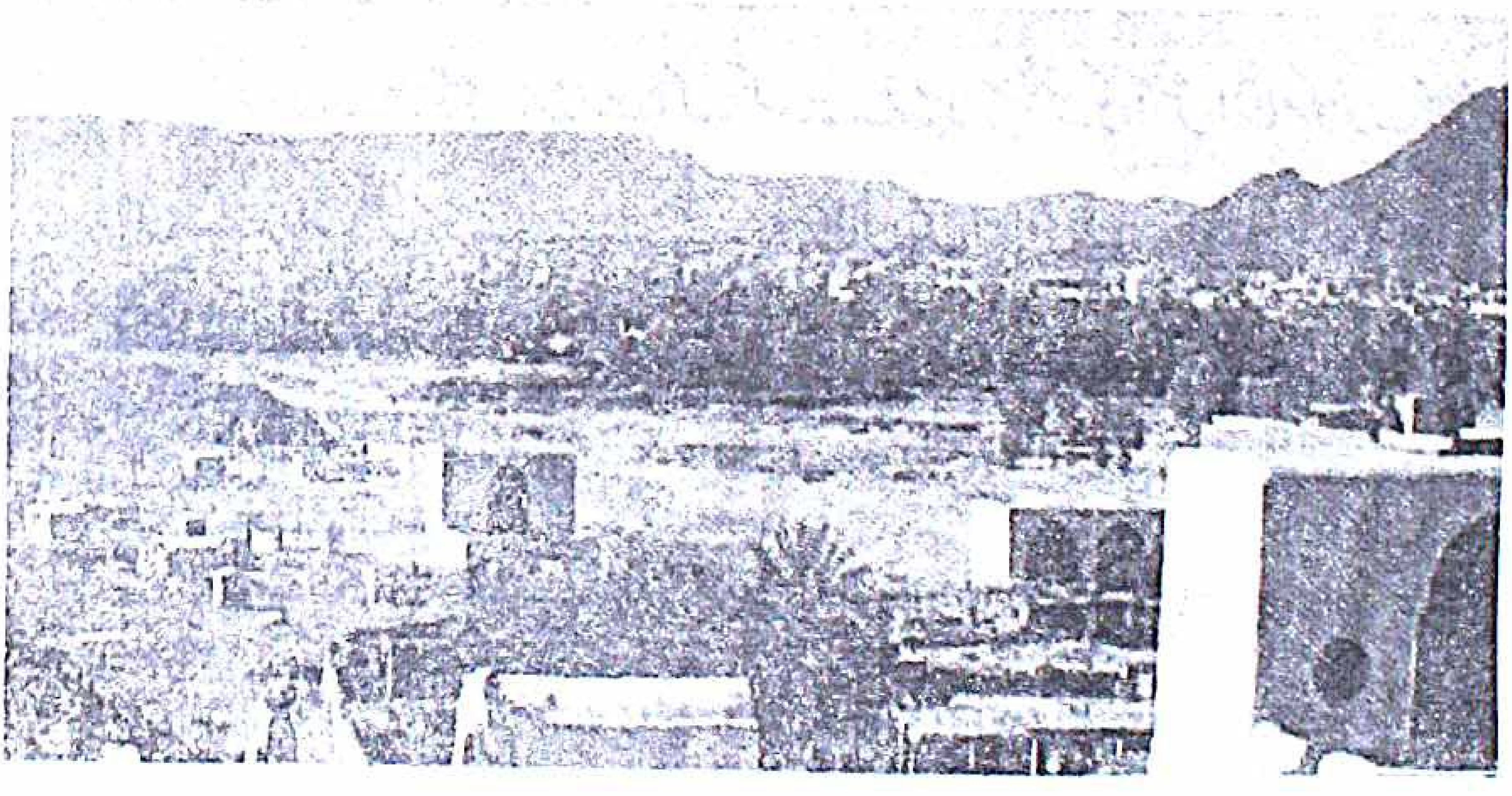

(اٹلس سیرتِ نبوی ﷺ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۲۸۱)

Marfat.com

غزوۂ خندق میں یہودیوں کا کردار

تین یہودی قبیلے

یہودیوں کے تین قبائل مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ ان قبائل کا تفصیلی تعارف تو ہم جلد سوم میں قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ یہاں مختصراً عرض ہے کہ آنحضور ﷺ کے ساتھ میثاق مدینہ میں یہ تینوں یہودی قبائل برضا و رغبت شریک ہوئے تھے مگر درپردہ انھوں نے ہمیشہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ بغض و کینہ اور حقد و عداوت ہی کا مظاہرہ کیا۔ ان کی مسلسل شرارتوں اور خباثتوں کی بنا پر آنحضور ﷺ نے پہلے بنوقینقاع کو اور پھر بنونضیر کو مدینہ منورہ سے نکال دیا۔ بنونضیر یہودیوں کے درمیان زیادہ معزز اور بااثر تھے۔ ان کو ربیع الاول ۴ھ میں مدینہ سے نکالا گیا۔

بنونضیر کی آتش انتقام

مدینہ سے جلاوطنی اور ذلت ناک شکست نے یہود بنی نضیر کی آتش انتقام کو خوب بھڑکا دیا تھا۔ اس کے سردار پاگل ہوئے جارہے تھے۔ وہ ہر حال میں اسلامی ریاست سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ انھیں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ تنہا وہ کچھ نہیں کرسکتے مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام دشمنی میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ قریش اسلام کے روایتی حریف اور حضور ﷺ کے جانی دشمن تھے اور ہر اس شخص کے ممنون رہتے تھے جو اسلام کے خلاف ان کی آواز میں آواز ملاتا تھا۔ یہود مدینہ اور مشرکین مکہ کے درمیان اسلام دشمنی قدر مشترک تھی اور دونوں گروہ اسی کی بنا پر ایک دوسرے کے دوست تھے۔

جنگ بدر ثانیہ، جس کا تذکرہ گزشتہ ابواب میں گزر چکا ہے، سرداران قریش کے لیے جگ

Marfat.com

ہنسائی اور ذلت کا باعث بنی تھی۔ وہ اپنی ذلت کا داغ دھونا چاہتے تھے اور ان کو امید تھی کہ اس عرصے میں انھیں یہودیوں کی حمایت حاصل ہوگی۔

بنونضیر مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر آ گئے تھے اور یہاں اب ہر روز ان کی مجالس میں اسلام کے خلاف سازش کرنے کے سوا کوئی موضوع زیر بحث نہ ہوتا تھا۔ بالآخر انھوں نے طے کیا کہ ایک وفد قریش کے پاس بھیجا جائے۔ یہودیوں کے وفود پہلے بھی قریش کے پاس جاتے رہتے تھے۔ جنگ بدر اور جنگ احد سے قبل بھی ان کے آپس میں صلاح مشورے ہوئے تھے جن کا اشارتاً ذکر پہلی جلد میں کیا جاچکا ہے۔

شیطانی وفد

یہودیوں کے وفد میں چار یہودی اور ایک عیسائی شامل تھا۔ وفد کا قائد بنونضیر کا سردار حُیَی ابن اخطب تھا اور ارکان میں سلام بن مشکم، کنانہ بن ابی الحقیق، ہوذہ بن قیس اور ابوعامر الفاسق (عیسائی) شامل تھے۔ آخر الذکر کا تذکرہ غزوۂ احد میں گزر چکا ہے۔ یہ اصلاً مدینہ کے قبیلہ اوس کا فرد تھا مگر اسلام دشمنی میں یہودیوں سے کم نہیں تھا۔ وفد نے مکہ میں سردار قریش ابوسفیان سے ملاقات کی اور اسلام کے خلاف اپنے منصوبے کا اظہار کیا۔ ابوسفیان بہت خوش ہوا مگر اس نے خود کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے وفد کو دارالندوہ (قریشی پارلیمنٹ) میں آ کر اپنے عسکری منصوبے کی تفصیلات پیش کرنے کی دعوت دی۔

یہود کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ قریش کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کریں گے اور اس جنگ کے لیے عرب کے دیگر قبائل خصوصاً بنوغطفان کو بھی ساتھ ملالیں گے۔ ہر جانب سے مدینہ پر متحدہ فوجیں ایسی یلغار کریں گی کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی اور اسلامی ریاست کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ ظاہر ہے یہ قریش کے دل کی آواز تھی۔

قریش کی پارلیمنٹ

قریشی پارلیمنٹ نے اس تجویز کو بہت سراہا۔ ہر رکن یہودی وفد کی آمد اور مفید منصوبے کی

Marfat.com

تشکیل پر مسرت کا اظہار کر رہا تھا۔ ابوسفیان نے دارالندوہ میں ایک پر جوش تقریر کی۔ اس نے کہا ''ہم معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہیں، ان کی تشریف آوری ہمارے لیے باعث صد مسرت ہے۔ ان کے جذبات قابل قدر اران کی تجویز لائق تحسین ہے۔ ہمارے نزدیک دنیا کے انسانوں کے درمیان محبوب ترین فرد وہ ہے جو محمد ﷺ کے مقابلے پر ہماری مدد کے لیے دست تعاون بڑھائے۔'' اس واقعہ کی تفصیلات ابن ہشام نے سیرت میں، ابن سعد نے طبقات میں اور نورالدین علی بن ابراہیم نے سیرت الحلبیہ میں بیان کی ہیں۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمایئے: السیرۃ الحلبیہ جلد دوم، ص ۹۶)

اس موقع پر ایک دلچسپ لطیفہ یہ ہوا کہ قریش کے بعض سرداروں نے یہودی وفد کے ارکان سے ایک سوال پوچھا۔ انھوں نے کہا: ''تم اہل کتاب اور اصحاب علم ہو ذرا ہمیں یہ تو بتا دو کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد ﷺ کا؟ وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور ہم اپنے باپ دادا کے دین کو حق مانتے ہیں۔'' یہودیوں نے اپنی روایتی حیلہ سازی اور افترا کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلا جھجک کہا: ''تمھارا دین محمد ﷺ کے دین سے بہتر ہے اور تم راہ ہدایت پر ہو۔''

اللہ کی پھٹکار

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ (النساء ۴:۴۹-۵۲)

تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو بہت زیادہ اپنی پاکیزگیٔ نفس کا دم بھرتے ہیں؟ حالانکہ پاکیزگی تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور (انھیں جو پاکیزگی نہیں ملتی تو درحقیقت)

Marfat.com

ان پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جاتا۔ دیکھو تو سہی یہ اللہ پر بھی جھوٹے افترا گھڑنے سے نہیں چوکتے اور ان کے صریحاً گناہ گار ہونے کے لیے یہی ایک گناہ کافی ہے۔

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں، ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے پھر تم اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔''

سید مودودی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علمائے یہود کی ہٹ دھرمی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ جو لوگ محمد ﷺ پر ایمان لائے تھے ان کو وہ مشرکین عرب کی بہ نسبت زیادہ گمراہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان سے تو یہ مشرکین ہی زیادہ راہ راست پر ہیں حالانکہ وہ صریح طور پر دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف خالص توحید ہے جس میں شرک کا شائبہ تک نہیں اور دوسری طرف صریح بت پرستی ہے جس کی مذمت سے ساری بائبل بھری پڑی ہے۔(تفہیم القرآن، جلد اول، ص ۳۶۰)

المختصر قریشی سرداروں اور یہودی وفد کے درمیان یہ طے پا گیا کہ وہ مل کر مدینہ پر حملہ کریں گے اور اس کی مکمل تباہی تک جنگ جاری رکھیں گے۔ مؤرخ ابن اسحاق تو جنگ احزاب کو بھی یہودی جنگوں میں شمار کرتے ہیں کیونکہ اس جنگ کے شعلے بھڑکانے میں یہودیوں کا بنیادی کردار ہے۔ قریش کو یہودیوں کی یقین دہانی سے بڑا حوصلہ ملا مگر انھیں اس کے باوجود خدشہ تھا کہ جنگ میں کامیابی آسان نہیں ہو گی۔ ان کو مزید مطمئن کرنے کے لیے شاطر یہودیوں نے انھیں بتایا کہ مکہ سے وہ سیدھے دیار غطفان کا رخ کر رہے ہیں اور بنو غطفان کو وہ ہر حال میں اشتراک جنگ پر آمادہ کر لیں گے خواہ اس کے لیے انھیں بھاری معاوضہ ہی کیوں نہ دینا پڑے۔ یہ سن کر قریش کو مزید اطمینان حاصل ہوا۔

Marfat.com

اس واقعہ کی تفصیلات علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی پہلی جلد میں ص ۴۰۲-۴۰۳، علامہ ابن الجوزی نے زاد المسیر جلد دوم ص ۱۰۶-۱۰۷ اور مؤرخ ابن ہشام نے اپنی سیرت جلد دوم کے ص ۲۱۰ پر لکھی ہیں۔

قبائل غطفان میں یہودی وفد کی آمد

غطفانی قبائل کے پاس پہنچ کر یہودیوں نے ان کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور ان سے تعاون کی درخواست کی۔ ان قبائل نے اپنے ذہنی تحفظات کا اظہار کیا۔ یہودیوں نے ان کو بتایا کہ قریش اس منصوبے سے متفق ہو چکے ہیں اور مدینہ حملہ آوروں کی زد میں ہے۔ مال غنیمت کا اچھا موقع ہے جسے ضائع کرنا دانشمندی نہیں۔

جن مختلف قبائل سے انھوں نے رابطہ کیا ان کے اکثر سرداروں نے یہودیوں کے منصوبے پر صاد کر دیا۔ ایک سردار عیینہ بن حصن جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے اور جس نے آنحضور ﷺ کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ اسے قائل کرنے میں یہودیوں کو دقت پیش آئی۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ دوستی کے معاہدے کو احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا بلکہ وہ یہودیوں سے کچھ مزید مال حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔ یہ شخص عقل کا اندھا اور گانٹھ کا پکا تھا۔ میدان جنگ میں ثابت قدمی اور بہادری سے لڑنا بھی جانتا تھا۔ آنحضور ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''یہ ایسا احمق ہے جس کی اپنے قبیلے میں بڑی عزت ہے۔'' مؤرخین کے مطابق دس ہزار جنگجو اس کے مطیع فرمان تھے۔

یہودیوں نے اس کے ساتھ معاہدہ کیا کہ غطفان کے قبائل کو خیبر کے باغات نخل کا پورا پھل ایک سال کے لیے دیا جائے گا۔ معاہدے کے مطابق غطفانی قبائل کو مل کر کم از کم چھ ہزار مسلح جنگجو مدینہ کے محاصرے کے لیے متحدہ فوجوں میں شامل کرنا تھے۔ اس معاہدے میں عیینہ بن حصن (بنو فزارہ) حارث بن عوف (بنو مرہ) ابو مسعود بن رخیلہ (بنو اشجع) سفیان بن عبد شمس (بنو سلیم) اور طلیحہ بن خویلد (بنو اسد) سب شامل تھے۔

Marfat.com

دشمن کی جارحیت کا جواب

مکہ میں جنگ کا طبل بجا

یہودیوں کے غطفان سے کامیاب مذاکرات کی خبر مکہ پہنچی تو بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ جنگ کی تیاری اور فوجوں کے کوچ کا اعلان ہوا۔ قبیلہ قریش کی تمام شاخوں کے نمایندہ سردار حرم میں جمع ہوئے، خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس کے بعد خانہ کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اپنی کامیابی کے لیے دعائیں مانگیں۔ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ رب کعبہ کے آخری رسول ﷺ اور حقیقی محبوب محمد رسول اللہ ﷺ سے جنگ کا طبل بجایا جا رہا تھا اور ساتھ ہی اللہ سے نصرت کی دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ انسان اپنی زندگی میں بارہا اس قسم کی ٹھوکریں کھاتا ہے، جب عقل پر پردہ پڑ جائے تو کچھ سجھائی نہیں دیتا اور جو اللہ سے بغاوت کا رویہ اختیار کر لے اللہ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے اور شیطان اس پر حاوی ہو جاتا ہے۔

غلاف کعبہ سے چمٹے ہوئے قریش کے پچاس ساٹھ کے قریب سرداروں نے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور وفا کا پیمان باندھا۔ ان سب نے خدا کی قسمیں کھائیں کہ ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور متحد ہو کر محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ کریں گے۔ اس اتحاد سے روگردانی کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی دعا کی گئی۔

ذمہ داریوں کی تقسیم

خانہ کعبہ سے نکلنے کے بعد دار الندوہ میں ایک ہنگامی اجلاس ہوا جس میں فوج کی ترتیب اور ذمہ داریوں کی تقسیم عمل میں آئی۔ بنو عبد الدار جس کے علمبرداروں کی بہادری اور قتل کے

Marfat.com

واقعات پہلی جلد میں جنگ احد کے تذکرے میں گزر چکے ہیں، اب بھی علمبرداری کا اعزاز انھی کو ملا۔ عثمان بن طلحہ قریش کا علمبردار بنا۔ فوجوں کا سپریم کمانڈر جنگ احد کی طرح بنوامیہ کا سپوت ابوسفیان بن حرب مقرر رہا۔ گھڑسوار دستوں کی کمان بھی جنگ احد کی طرح بنومخزوم کے زیرک اور بہادر نوجوان خالد بن ولید کے حصے میں آئی۔

مدینہ میں مشاورت

طے شدہ پروگرام کے مطابق بیک وقت نجد سے غطفانی قبائل اور مکہ سے قریش کی فوج مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ مدینہ میں آنحضور ﷺ دشمن کی تیاریوں سے بے خبر نہیں تھے۔ آپ کے مقرر کیے ہوئے افراد آپ کو تازہ بہ تازہ خبریں ارسال کرتے رہتے تھے۔ ان فوجوں کی جارحانہ تیاریوں کا پتہ چلتے ہی آنحضور ﷺ نے مدینہ منورہ کا دفاع کرنے کے لیے اپنے صحابہ کی ایک شوریٰ بلائی۔ ساری صورت حال صحابہ کے سامنے پیش کی گئی جس پر اہل الرائے نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک نہایت مفید اور اچھوتی تجویز پیش کی۔ انھوں نے شہر کے دفاع کے لیے خندق کھودنے کا منصوبہ خدمت نبوی ﷺ میں پیش کیا۔

حضور ﷺ کی ترقی پسند سوچ

عربوں کے لیے خندق کا تصور غیر معروف اور غیر مانوس تھا مگر اسے آنحضور ﷺ نے پسند فرمایا۔ سیرت طیبہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ ہر مفید چیز کو جس میں اللہ کی کوئی نافرمانی اور معصیت نہ ہو پسند فرمایا کرتے تھے۔ آپ اپنے دور کی ہر جدید دفاعی اور جنگی حکمت عملی کو اختیار فرماتے تھے۔ بہادری اور شجاعت، جو صحابہ کرام کی اعلیٰ صفات تھیں، کے علاوہ دشمنوں کے مقابلے پر آنحضور ﷺ کی جدید اور سریع الحرکت جنگی چالیں بھی ان کی پریشانی اور شکست کا باعث ہوا کرتی تھیں۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الثانی، ص ۲۲۳-۲۲۴)

خندق کا یہ تصور بھی اچھوتا اور دلچسپ تھا اور اس کی کھدائی کے مرحلے بھی انتہائی مشکل لیکن ایمان افروز تھے۔ یہ کام کٹھن اور مشکل تو تھا مگر جس لگن اور ہمت کے ساتھ صحابہ کرام اور

Marfat.com

آنحضور ﷺ نے یہ کام کیا۔ اس نے مشکلیں آسان کر دیں۔ خندق کی کھدائی کے دوران میں بہت سے معجزات بھی رونما ہوئے جن کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

تاریخی ورثہ معدوم ہو گیا ہے

آج اگرچہ وہ خندق اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہے مگر اس کے آثار و باقیات اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ سنگلاخ زمین اور پتھریلی چٹانوں کا یہ خطہ آج بھی زبان حال سے پکار پکار کر اہل عزم و ہمت کی عظمتوں کی داستان بیان کر رہا ہے۔ خندق ہی پر کیا موقوف ہے، تاریخ اسلامی اور سیرت نبوی کے اکثر و بیشتر آثار محو ہو چکے ہیں۔ اگر یہ مقامات محفوظ کر لیے جاتے تو تاریخ کے طلبہ اور اسلام کے محبان صادق کے لیے یقیناً مفید ہوتے۔ کچھ تو مرور زمانہ نے اپنا کام کیا ہے اور کچھ اس خدشے کی وجہ سے کہ ضعیف العقیدہ لوگ ان مقامات کو خرافات کا ذریعہ نہ بنا لیں، ارادۃً انھیں مٹایا گیا ہے۔ راسخ العقیدہ لوگوں کو اس تاریخی ورثے اور ایمان افروز متاع اسلاف سے محروم کرنا کوئی انصاف نہیں ہے۔ بہرحال یہ ایک مستقل بالذات موضوع ہے جس کے یہ صفحات متحمل نہیں ہو سکتے۔ خندق کے آس پاس کچھ مقامات پر چند سادہ مساجد موجود ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ یہ مقامات مختلف صحابہ کے نام سے موسوم ہیں اور مساجد بھی انھی سے منسوب ہیں۔ جنگ کے دوران یہ عظیم المرتبت صحابہ ان مقامات پر خدمات سرانجام دیتے رہے تھے۔

خندق

آنحضور ﷺ کی مجلس شوریٰ میں مدینے کے دفاع پر جو گفتگو ہوئی اس میں یہ سوال بھی اٹھا کہ دشمن کا مقابلہ مدینہ سے باہر نکل کر کیا جائے یا شہر کے اندر رہ کر دفاعی جنگ لڑی جائے۔ دونوں جانب سے آراء اور دلائل دیے گئے مگر فیصلہ یہی ہوا کہ دشمنوں کا مقابلہ مدینے کے اندر رہ کر ہی کیا جائے۔ مدینہ کے مشرق اور جنوب سے دشمن کے حملے کا خطرہ نہیں تھا البتہ شمال اور مغرب کی سمتیں حملہ آور فوج کی زد میں تھیں۔ انھی دو اطراف میں خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا جس لشکر کو دشمن سے پنجہ آزمائی کرنا تھی اسی کو خندق کھودنے کا کٹھن مرحلہ بھی طے کرنا تھا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے

Marfat.com

خندق کھودنے کا باقاعدہ منصوبہ تیار کیا اور اس پر عمل شروع ہو گیا۔

سید مودودی رحمۃ اللہ سورۃ الاحزاب کے دیباچے میں خندق کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"قبل اس کے کہ یہ جمِ غفیر آپ ﷺ کے شہر پہنچتا آپ نے چھ دن کے اندر مدینہ کے شمال غربی رخ پر ایک خندق کھدوائی اور کوہ سلع کو پشت پر لے کر تین ہزار فوج کے ساتھ خندق کی پناہ میں مدافعت کے لیے تیار ہو گئے۔ مدینہ کے جنوب میں باغات اس کثرت سے تھے (اور اب بھی ہیں) کہ اس جانب سے کوئی حملہ اس پر نہ ہو سکتا تھا۔ شرق میں حرات (لاوے کی چٹانیں) ہیں جن پر سے کوئی اجتماعی فوج کشی آسانی کے ساتھ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی کیفیت مغربی جنوبی گوشے کی بھی ہے اس لیے حملہ صرف احد کے مشرقی اور مغربی گوشوں سے ہو سکتا تھا۔ اور اسی جانب حضور ﷺ نے خندق کھدوا کر شہر کو محفوظ کر لیا تھا۔ یہ چیز سرے سے کفار کے جنگی نقشے میں تھی ہی نہیں کہ انھیں مدینے سے باہر خندق سے سابقہ پیش آئے گا کیونکہ اہل عرب اس طریق دفاع سے نا آشنا تھے۔ ناچار انھیں جاڑے کے زمانے میں ایک طویل محاصرے کے لیے تیار ہونا پڑا جس کے لیے وہ گھروں سے تیار ہو کر نہ آئے تھے۔" (تفہیم القرآن، جلد چہارم، ص ۵۸)

خندق کی پیمائش اور تقسیم کار

خندق کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے سات یا آٹھ ہزار فٹ تھی۔ مختلف مقامات پر خندق کی گہرائی آس پاس کی سطح کو ملحوظ رکھ کر تقریباً ۱۰، ۱۱ فٹ رکھی گئی تھی جبکہ خندق کی چوڑائی تقریباً پندرہ فٹ تھی۔

خندق کی کھدائی سے پہلے اس کی پیمائش کی گئی اور صحابہ کرام کو دس دس کے گروپوں میں تقسیم کر کے ہر گروپ کو تقریباً ساٹھ پینسٹھ فٹ لمبی خندق کھودنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ خندق کی کھدائی میں کم و بیش ڈیڑھ ہزار افراد نے حصہ لیا جن میں خود آنحضور ﷺ بھی بنفس نفیس شامل تھے۔ خندق ایک قوس کی شکل میں مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے دشمن کی آمد سے پہلے تیار ہو چکی تھی۔ خندق کی کھدائی کے دوران صحابہ کرام نے بڑی مشقت اٹھائی۔ بعض جگہوں پر سخت چٹانیں

Marfat.com

تھیں جن پر کوئی کدال اور ہتھیار اثر نہ کرتا تھا پھر دشمن کی آمد کسی بھی لمحے متوقع تھی۔ اس لیے خندق کی کھدائی میں سرعت کا خاص خیال رکھا گیا۔

مدینہ کی اس چھوٹی سی ریاست کو صرف ایک بڑے دشمن کی یلغار ہی کا خطرہ نہیں تھا بلکہ اور بہت سے خطرات بھی اس کے ساتھ شامل تھے۔ بنو قریظہ کے یہودی جواب تک مدینہ منورہ میں باقی تھے۔ اسلامی ریاست کے ساتھ معاہدے کے پابند ہونے کے باوجود قابل اعتماد نہیں تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اہل حق شدید بھوک اور فاقہ کشی کا شکار تھے۔ پھر کڑاکے کی سردی بھی پڑ رہی تھی۔ مسلمانوں کی صفوں میں منافقین کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ وہ ہر طرح سے اہل حق کو بے حوصلہ اور بددل کرنے کی چالیں چلتے رہتے تھے۔ خندق کی کھدائی میں منافقین کی کام چوری اور بلا اجازت کھسک جانے کی بری عادت نے صحابہ کے گروپوں کو خاصی مشکل میں ڈالا مگر صادق الایمان مجاہدین دلجمعی سے اپنے کام میں لگے رہے۔

منافقین کی تخریبی کارروائیوں کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے جس کی تفصیلات اگلے ابواب میں قارئین کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔

آنحضورﷺ کی زندہ دلی

رسول رحمتﷺ بڑے زندہ دل اور خوش مزاج انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''خلق عظیم'' عطا فرمایا تھا جو زندگی کے ہر پہلو میں عملاً نظر آتا تھا۔ مشکل حالات میں جب بظاہر روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی، رسول رحمتﷺ نہ صرف خود اپنا حوصلہ بلند رکھتے بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی خوشی کا سامان فراہم کرتے رہتے۔ یہ آنحضورﷺ کی مثالی قیادت تھی جس کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ قائد کو کبھی مایوسی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ قائد کو بلند حوصلہ دیکھ کر اس کے پیروکار بھی ہمت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ آنحضورﷺ خندق کی کھدائی میں بنفس نفیس شامل تھے اور بھوک کی وجہ سے آپؐ نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔

Marfat.com

ایمان افروز اشعار

امام بخاری رحمۃ اللہ جنگ خندق کے واقعات بیان کرتے ہوئے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی زبانی روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول رحمت صحابہ کے ساتھ مل کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھتے تھے۔

اللّٰھم لَا عیش الّا عیش الْاٰخرۃ
فاغفر للانصار والمھاجرۃ

اے اللہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ پس آخرت میں انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما دینا۔

آنحضور ﷺ زیادہ تر یہی شعر پڑھتے تھے اور صحابہ آپ کے جواب میں مزید اشعار کی تکرار کرتے تھے جن میں یہ شعر خاصا معروف بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔

نحن الذین بایعوا محمدًا
علی الجھاد ما بقینا ابدًا

ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی ہے۔ جب تک ہمارے دم میں دم ہے ہم اس پر قائم رہیں گے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضور ﷺ خندق کی کھدائی اور اس کی مٹی ڈھونے میں صحابہ کے ساتھ شریک تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار صحابہ کے ساتھ مل کر پڑھتے تھے۔

اللّٰھم لولَا انت ما اھتدینا
ولَا تصدقنا ولَا صلینا
فانزلن سکینۃً علینا
وان ارادوا فتنۃً ابینا

Marfat.com

اے اللہ یہ تیرا ہی احسان ہے کہ ہم کو ہدایت کی توفیق مل گئی ورنہ ہم نہ ہدایت پا سکتے نہ صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے۔ پس ہمارے اوپر لازماً سکینت نازل فرما دینا۔ دشمنانِ اسلام جب بھی کوئی فتنہ اٹھاتے ہیں ہم اس کا شکار ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج ۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۴۱۸-۴۱۹، البدایۃ والنھایۃ، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۷۲۴)

کدال، ہتھوڑے، بیلچے اور کسیاں چل رہی تھیں، بھوک اور افلاس کا زور تھا مگر ایمان کی کیفیت اتنی قابل رشک تھی کہ ہر شخص ایک جذب دروں سے سرشار، توحید سے مملوّ رجزیہ اشعار پڑھ رہا تھا۔ غزوۂ خندق کے حالات پڑھتے ہوئے قاری خود کو صحابہؓ کی معیت میں تصور کرتا ہے۔

خندق کی کھدائی کے دوران میں آنحضور ﷺ نے ایک صحابی سے اس کا نام پوچھا۔ تو اس نے بتایا ''جعیل'' آنحضور نے اس نام پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور جعیل کو عمرو سے بدل دیا۔ اس موقع پر صحابہ نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

سماہ من بعد جعیل عمروا
وکان للبائس یوماً ظھراً

آنحضور ﷺ نے جعیل کا نام بدل کر عمرو رکھ دیا اور یہ اس روز کی بات ہے جو مصائب سے بھرا ہوا تھا اور جس میں شدید سختیوں کا سامنا تھا۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الثانی، ص ۲۱۷)

آنحضور ﷺ بھی صحابہ کے ساتھ مل کر یہ شعر پڑھنے لگے اور بار بار کی تکرار پر آنحضور ﷺ صحابہ کے ساتھ دونوں مصرعوں کے آخری الفاظ ''عمراً'' اور ''ظھراً'' دہرا دیتے۔ یوں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا نام ہی تبدیل نہ ہوا، ان کی شان میں بھی بے پایاں اضافہ ہو گیا۔

کم سن مجاہدین

خندق کی کھدائی میں چھوٹی عمر کے صحابہ بھی شریک تھے۔ مشہور صحابی اور قرآن کے بہت بڑے عالم سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اس وقت نوعمر لڑکے تھے۔ انھوں نے بڑی جانفشانی

Marfat.com

سے اس کام میں حصہ لیا۔ ان کی کارکردگی کو دیکھ کر آنحضور ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی ''کیا ہی اچھا نوجوان ہے۔'' زید شدید تھکاوٹ کی وجہ سے خندق کے اندر ہی لیٹ گئے اور نیند کے غلبے نے انھیں وہیں سلا دیا۔ ان کے ساتھی عمارہ بن حزام رضی اللہ عنہ نے ازراہ مذاق ان کی تلوار ان کی کمر سے کھول کر غائب کر دی۔ زید کچھ دیر بعد بیدار ہوئے تو اپنا اسلحہ غائب پایا۔ اس پر انھیں پریشانی لاحق ہوگئی۔ آنحضور ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے مزاح کے انداز میں فرمایا ''اے ابورقاد (نیند کے متوالے) تم ایسے گھوڑے بیچ کر سوئے کہ کوئی تمھارا اسلحہ لے گیا اور تمھیں خبر تک نہ ہوئی۔'' (السیرة الحلبیة، ج ۲، دارلکتب العلمیہ بیروت، ص ۴۲۰)

ایک اہم ہدایت نبوی ﷺ

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی پریشانی دیکھ کر آنحضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ''اس لڑکے کا اسلحہ کس کے پاس ہے؟'' حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس ہے۔'' آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اسلحہ واپس کر دیں اور امت کو تنبیہ فرمادی کہ کسی مسلمان کو کبھی دوسرے مسلمان کے ساتھ ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے جس سے اس کو پریشانی لاحق ہو جائے۔ مذاق کا مقصد اسلامی اقدار اور سنتِ نبویؐ کی روشنی میں دوسرے کو خوش کرنا ہوتا ہے، پریشان کرنا نہیں۔

جنگ خندق کے واقعات میں بڑا سبق ہے۔ ان واقعات کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کی جماعت بڑی زندہ دل اور صاحب عزیمت تھی۔ حالت جنگ کے باوجود نہ وہاں ہنگامی حالات کا احساس ہوتا تھا اور نہ خطرات دیکھ کر مردنی چھا جاتی تھی۔ ہر قسم کی صورت حال میں باوقار طریقے سے معمولات زندگی رواں دواں رہتے تھے۔ یہی زندہ قوموں کا وطیرہ ہوتا ہے۔ اس جنگ میں حالات کی سنگینی کا قرآن میں جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ اتنا مشکل وقت اور اس پر صحابہ کرامؓ کی استقامت یہ اسی قدسی جماعت کی شان تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی مشکل گھڑی میں ان عظیم فرزندان کے ایمان اور تسلیم و رضا میں اور اضافہ ہو گیا۔

Marfat.com

وَ لَمَّا رَاَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ ۙ قَالُوۡا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمۡ اِلَّاۤ اِيۡمَانًا وَّ تَسۡلِيۡمًا ؕ﴿۲۲﴾ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا ۙ﴿۲۳﴾

(الاحزاب ۳۳: ۲۲-۲۳)

اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا کہ) جب انھوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی۔ اس واقعہ نے ان کے ایمان اور ان کی سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ ایمان لانے والوں میں سے ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انھوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

Marfat.com

معجزات نبوی ﷺ

اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو بے شمار معجزات عطا فرمائے تھے۔ سیرت نبوی میں جگہ جگہ ان معجزات کا ذکر ملتا ہے۔ غزوہ خندق کے دوران میں بھی کئی معجزات رونما ہوئے۔ ہم ان معجزات کا تذکرہ مختصر الفاظ میں اس باب میں نذر قارئین کر رہے ہیں۔ معجزات کے ذکر سے قبل مختصراً معجزات کے بارے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں جو راقم نے معجزات سرور عالمؐ کے پیش لفظ میں لکھی تھیں۔

کائنات میں پھیلی ہوئی آیات

''یہ کائنات گوناگوں آیات سے مالا مال ہے۔ خالق حقیقی نے ہر چیز کو کامل حکمت اور بے مثال دانائی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس وسیع و عریض کون و مکان کی کوئی چیز فضول ہے نہ بے مقصد۔ انسان کی اپنی کم فہمی اور کوتاہ بینی ہے کہ یہ ٹھوکریں کھاتا ہے، نہ کائنات کو ٹھیک طرح سمجھتا ہے نہ اس کے عظیم خالق تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔ یوں وہ خود اپنے آپ سے بھی بے خبر رہتا ہے۔ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے اور ان سے زیادہ جاہل اور گمراہ بن جاتا ہے۔

انسان کو گمراہی سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء بھیجے۔ انبیاء ہر دور اور قوم میں مبعوث ہوتے رہے۔ وہ انسانوں کے درمیان ممتاز اور منفرد مقام رکھتے تھے۔ انسان ہونے کے باوجود وہ عام انسانوں کے برعکس معصوم تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کے نمائندے اور نقیب تھے۔ اللہ سے ان کا تعلق وحی کے ذریعے قائم رہتا تھا اور اللہ تعالیٰ ان تک وحی کے ذریعے اپنی ہدایات اور اپنی مرضی کے پیغام مسلسل پہنچاتا رہتا تھا۔ انبیاء کا یہ زریں سلسلہ سید الانام، خیر الخلائق، سرورِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر مکمل ہوگیا۔ آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے

Marfat.com

بعد کوئی نبی نہیں۔

معجزات کا مطالبہ کرنے والے

اللہ تعالیٰ جہاں اپنے نبیوں کو وحی و عصمت سے نوازتا ہے وہاں وہ انھیں معجزات بھی عطا کرتا ہے۔ معجزات کو آیات و براہین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ معجزات کا مطالبہ کرنے والے معجزات کو دیکھنے کے باوجود اکثر ایمان سے محروم اور گمراہی میں مبتلا رہے۔ ان کے برخلاف جنھیں ایمان لانا تھا انھوں نے نہ آیات و معجزات کا مطالبہ کیا نہ معجزات دیکھ کر کسی شک و تذبذب میں پڑے۔ وہ انبیا پر ان کی صداقت اور ان کے پیغام کی حقانیت کی بدولت ایمان لائے اور جب معجزات رونما ہوئے تو ان کے ایمان و یقین میں اور اضافہ ہوا۔ منکرین حق معجزات دیکھ کر اپنی ہٹ دھرمی اور ضد میں اور پختہ ہوتے چلے گئے اور کبھی شاذ و نادر ہی ان معجزات کو دیکھ کر کوئی خوش قسمت انسان دولت ایمان سے بہرہ ور ہوتا۔

معجزات کی حقیقت

معجزات کیا ہیں؟ معجزے کا مادہ عجز ہے۔ معجزہ ایسے عظیم الشان واقعہ یا خرق عادت کو کہتے ہیں جو عام حالات میں ممکن نہیں ہوتا۔ انسانی قوت اس کے صدور میں عاجز و بے بس اور انسانی عقل اس کی عام قوانین و نوامیس کے تحت توجیہہ کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ معجزہ انسان کی محدود قوتوں سے ماورا ایک مافوق الفطرت وقوعہ ہوتا ہے اور انسان کو مکمل طور پر عاجز کر دیتا ہے۔

معجزہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہوتا ہے۔ نبی یا رسول کبھی معجزہ کو اپنی قوت و صلاحیت کا نتیجہ قرار نہیں دیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نبیوں کے ہاتھوں معجزات رونما کراتا ہے جو لوگ معجزات کا انکار کر دیتے ہیں ان بدنصیبوں پر ترس آتا ہے کہ وہ کتنے کم عقل و کم سواد ہیں اور جو لوگ معجزات کو مانتے ہیں مگر منکرین کی تسلی کرانے اور ان کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے معجزات کی سائنسی اور عقلی توجیہات پیش کرنے لگتے ہیں ان پر افسوس ہوتا ہے کہ کس قدر سادہ لوح ہیں۔ معجزے کی اگر آپ توجیہات پیش کر سکیں اور عام رونما ہونے والے واقعات کی طرح وہ

Marfat.com

بھی محض ایک عجیب وغریب قسم کا واقعہ ہی ہوتو پھر وہ معجزہ کا ہے کو ہوا۔معجزات کے منکرین کی بے عقلی تو اسی سے واضح ہے کہ جب وہ اپنی محدود عقل سے ماورا کسی چیز کے بارے میں سنتے ہیں تو اپنی حدود پہچاننے کی بجائے وہ اس چیز ہی کا انکار کر دیتے ہیں۔ایک چھوٹے سے بیج سے کونپل کا پھوٹنا اور تناور درخت بن جانا چونکہ روزمرہ کی بات ہے اس لیے اس پر کسی کو تعجب ہوتا ہے نہ اعتراض مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ اپنی جگہ حیران کن بات نہیں ہے؟ یقیناً یہ بڑی عظیم بات ہے مگر ہر روز ہماری آنکھوں کے سامنے رونما ہوتی رہتی ہے۔اس لیے ہم اس کے عادی ہو چکے ہیں۔نہ تعجب کرتے ہیں نہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ حقیر سے بیج کو ایک عظیم الشان تناور درخت میں کون تبدیل کرتا ہے؟ جو خالق و مالک یہ کام کرتا ہے وہی اپنی قدرت کاملہ سے اپنے انبیاء کو معجزات عطا کرتا ہے۔ہم ان کی ماہیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں مگر ہماری سمجھ کا محدود اور ہمارے ادراک کا ناقص ہونا اس بات کے لیے ہرگز کوئی دلیل نہیں کہ معجزات و آیات کا انکار کر دیا جائے۔

قرآن مجید، معجزہ عظیم

حضور ختمی مرتبت ﷺ سے آپ کے دشمنوں نے بارہا معجزات کا مطالبہ کیا۔ان کے مطالبات کا قرآن مجید میں تفصیل سے ذکر ہے۔ان مطالبات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ معجزات دکھانے پر قادر ہے مگر منکرین کی ہٹ دھرمی معجزات کے باوجود قائم رہے گی۔پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو سب سے بڑا معجزہ قرار دیا ہے جو تاقیامت لوگوں کے سامنے موجود رہے گا۔اس عظیم الشان کلام ربانی کی معجز بیانی کا مقابلہ جن وانس مل کر نہیں کر سکتے۔اس جیسی ایک سورہ یا ایک آیت بھی پیش کرنے سے ساری دنیا قاصر ہے۔قرآن نے منکرین کو جگہ جگہ چیلنج کیا ہے کہ اگر وہ اس کے کلام ربانی ہونے کے بارے میں شک وشبہ رکھتے ہیں تو پھر اس کا مقابلہ کر لیں۔وہ اس چیلنج کے جواب میں بالکل عاجز ہیں۔''اور اگر تمھیں اس بارے میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس کے مانند ایک ہی

Marfat.com

سورت بنا لاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلاؤ اور اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو ......'' (البقرہ آیت ۲۳) یہی مضمون سورۂ ہود آیت ۱۳ اور سورۂ یونس آیت ۳۸ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

کافروں کے معجزات کے مطالبے عجیب وغریب ہوتے تھے۔ سورۂ انعام آیت ۳۷ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبوں کا ذکر کر کے فرمایا:

قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ (الانعام ۶:۳۷)

کہو اللہ نشانی اتارنے کی پوری قدرت رکھتا ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نادانی میں مبتلا ہیں۔

سورۂ العنکبوت میں ان کے جواب میں فرمایا:

اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَۃً وَّ ذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ (العنکبوت ۲۹:۵۱)

اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انھیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں۔

ایمان نہ لانے والوں کو نہ کوئی آیت نظر آتی ہے نہ معجزات سے ان کے اعتراضات ختم ہو سکتے ہیں۔ معجزہ شق القمر کے بارے میں ارشاد ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾ (القمر ۵۴:۱-۲)

قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں منہ موڑ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔

انسان کا حال بھی عجیب ہے جن بتوں کی وہ پوجا پاٹ کرتا اور جن جھوٹے خداؤں کے

Marfat.com

سامنے وہ سر جھکاتا ہے کیا ان سے کوئی معجزہ صادر ہوتا ہے؟ کیا ان کے اندر کوئی قدرت وصلاحیت پائی جاتی ہے؟ ان بے بس اور بے اختیار بلکہ بے جان و بے شعور بتوں کی بندگی اختیار کرنے کے لیے تو نہ کسی نشانی کی ضرورت محسوس کرتا ہے، نہ کسی دلیل کا محتاج ہوتا ہے مگر سچے خدا اور خالق حقیقی کے وجود کو ماننے کے لیے معجزات کا مطالبہ کرتا ہے پھر جب اللہ کے محبوب بندے، انبیاء ورسل اس کی قدرت سے کوئی معجزہ دکھا دیتے ہیں تو اسے ماننے کی بجائے الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا۔ ان معجزات کا صدور اللہ کی قدرت سے ہوتا ہے، وہی منبع قوت اور قادر مطلق ہے۔ انبیاء اس وقت تک کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔ ناقہ صالح علیہ السلام بھی معجزہ تھا اور عصائے موسیٰ علیہ السلام بھی معجزہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دست شفا بھی آیات ربانی میں سے تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے زندہ نکل آنا بھی خدا کی نشانی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کو اس نوعیت کے اتنے معجزات عطا ہوئے تھے کہ ان کا احاطہ مشکل ہے۔ ان سب معجزات میں قرآن مجید کا سب سے نمایاں مقام ہے۔

قرآن عظیم تو ایک زندہ معجزہ ہے مگر جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بے شمار معجزات عطا فرمائے تھے۔ ان معجزات کو دیکھ کر اہل ایمان کے ایمان وایقان میں اس دور میں بھی اضافہ ہوا تھا اور آج بھی ان کا تذکرہ قلب وروح کی بالیدگی اور یقین کی محکمی کا باعث بنتا ہے۔ معجزات پر قدیم وجدید سبھی مصنفین نے بڑی تحقیق کی ہے اور بے پایاں محبت وعقیدت کے ساتھ ان روح پرور واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں ان سب بنیادی ماخذ کے حوالہ جات حاشیے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ کتاب ہمارے دور کے عظیم محقق ومصنف، شاعر وادیب اور مجاہد ومبلغ جناب ولید الاعظمی (عراقی) کی تالیف ہے۔ انھوں نے اس کا نام المعجزات المحمدیہ رکھا تھا۔ ہم نے اس کا اردو ترجمہ معجزات سرور عالمؐ کے نام سے اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ فاضل مولف نے دیباچے میں اس کتاب کی تالیف وتصنیف کا پس منظر بہت مؤثر اور پیارے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ سے عقیدت ومحبت کی

Marfat.com

خوشبو آتی ہے۔ سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر قلم اٹھانے یا زبان کھولنے کے لیے اولین شرط ہی عقیدت ومحبت اور ادب واحترام ہے بقول اقبال: باخدا دیوانگی بھی چل سکتی ہے مگر با محمد ﷺ ہوشیار ومحتاط رہنا پڑتا ہے۔ ''باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار''۔

معجزات پر تصانیف

معجزات محمد ﷺ پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بعض بڑی ضخیم ہیں اور بعض مختصر۔ سید محمد سلیمان ندوی مرحوم نے اپنی معرکہ آرا کتاب سیرۃ النبیؐ کی جلد سوم پوری کی پوری دلائل و معجزات نبوت کے لیے وقف کی ہے۔ اس مجلد کے ۸۶۸ صفحات ہیں۔ سید مرحوم نے جس عالمانہ تحقیق اور احتیاط سے سیرۃ النبیؐ لکھی ہے وہ انھی کا خاصہ ہے۔ خدا تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ ان کی سیرۃ النبیؐ بچپن سے میری جلیس ورہنما رہی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کئی مرتبہ تنہائی میں خصوصاً رمضان شریف کی راتوں کو اس کتاب کا ایسی کیفیت میں مطالعہ کیا ہے کہ آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری رہتے تھے، اور ایک ناقابل فراموش لذت اور کیفیت سے دل ودماغ مالا مال ہو جاتا تھا۔ مجھے آج تک وہ لمحات یاد ہیں۔'' (ماخوذ از پیش لفظ معجزات سرور عالمؐ)

معجزے کے بارے میں یہ بنیادی امور سمجھ لینے کے بعد آئیے اب غزوۂ خندق کے دوران رونما ہونے والے چند معجزات کا مختصر تذکرہ پڑھ لیں۔ یہ معجزات ہم نے من وعن معجزات سرور عالمؐ سے منتخب کیے ہیں۔ ہر معجزے کے آخر میں بنیادی ماخذ کے حوالہ جات درج ہیں۔

الکدیہ (چٹان)

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے کئی واقعات ایسے رونما ہوئے جو سراسر عبرت اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنے والے تھے۔ مسلمانوں نے ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ خندق کی کھدائی کے دوران ایک جگہ چٹان کا سخت

Marfat.com

پتھر آ گیا جو ٹوٹتا نہ تھا۔ صحابہ نے حضور اکرم ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ کسی برتن میں پانی ڈال کر لاؤ۔ آپ نے اس پانی میں پھونک ماری۔ اس کے بعد آپ دیر تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہے۔ دعا سے فارغ ہو کر آپ نے وہ پانی پتھر کے اوپر ڈال دیا۔ حاضرین میں سے کسی صحابی نے بیان کیا ہے۔ ''اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ وہ پتھر دیکھتے ہی دیکھتے ریت کی طرح نرم ہو گیا۔ کدال اور ہتھیار اس سے ٹکرا کر نہ اچھلتے تھے اور نہ ٹوٹتے تھے۔'' (سیرۃ ابن ھشام قسم ثانی ۲۱۷، صحیح البخاری جلد پنجم ۱۳۸، المغازی للواقدی جلد دوم ۴۵۲، البدایۃ والنھایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۲۵-۷۲۶)

بنت بشیر کی کھجوریں

سعید بن مینا کے حوالے سے ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ غزوۂ خندق کے دوران نعمان بن بشیر کی بہن اور حضرت بشیر بن سعد کی بیٹی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ وہ کہتی ہیں کہ میری والدہ عمرہ بنت رواحہ نے مجھے بلایا اور کہا: ''ننھی جاؤ یہ کھجوریں لے جاؤ اور اپنے باپ اور ماموں عبداللہ بن رواحہ کو دے آؤ۔'' ایک کپڑے میں مٹھی بھر کھجوریں لے کر میں خندق کی جانب گئی۔ یہی میرے ابو اور ماموں کا دوپہر کا کھانا تھا۔

میں اپنے والد اور ماموں کو تلاش کر رہی تھی کہ ایک جگہ آنحضور ﷺ نے مجھے دیکھ لیا۔ آپ نے فرمایا: ''بیٹی ادھر آؤ۔ یہ تمھارے پاس کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ یہ کھجوریں ہیں جو میری والدہ نے دے کر بھیجی ہیں کہ ان سے میرے والد اور ماموں پیٹ کی آگ بجھالیں۔''

آپ نے فرمایا: ''لاؤ یہ مجھے دے دو۔'' میں نے کھجوریں حضور اکرم ﷺ کے ہاتھوں میں ڈال دیں۔ آپ کے ہاتھ ان سے پوری طرح نہ بھرنے پائے۔ بہر حال آپ نے حکم دیا کہ دستر خوان بچھایا جائے اور دستر خوان بچھ جانے کے بعد آپ نے کھجوریں اس پر بکھیر دیں۔ پھر آپ نے کسی کو حکم دیا کہ سب لوگوں کو کھانے کے لیے بلالیں۔

Marfat.com

بنت بشیر کہتی ہیں کہ اہل خندق دستر خوان پر جمع ہو گئے اور کھانے لگے۔ایک جماعت کھا کر اٹھ جاتی اور دوسرے لوگ آ کر کھانے لگتے یہاں تک کہ سب اہل خندق سیر ہو کر کھا چکے مگر کھجوریں ختم نہ ہوئیں۔ بخدا دستر خوان کے اطراف میں ابھی تک کھجوریں موجود تھیں جو کناروں سے گری پڑی تھیں۔'' (سیرۃ ابن ھشام القسم الثانی ۲۱۷، المغازی للواقدی جلد دوم ۴۶۷، البدایۃ والنھایۃ، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۲۶)

جابر رضی اللہ عنہ کا طعام

ابن اسحاق سعید بن مینا رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مشغول تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک چھوٹی سی لاغر بکری تھی۔ انھوں نے سوچا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کافی دنوں سے بھوکے ہیں کیوں نہ یہ بکری ذبح کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کا اہتمام کیا جائے۔

وہ مزید بیان کرتے ہیں: ''میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ آٹا گوندھ لے۔ چنانچہ اس نے آٹا گوندھ کر روٹیاں پکائیں۔ میں نے بکری ذبح کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہم نے گوشت بھون لیا۔ جب شام ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے گھر کی جانب جانے لگے تو میں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایک بکری تھی۔ آج ہم نے اسے ذبح کیا ہے اور روٹی بھی پکائی ہے۔ آپ ہمارے گھر تشریف لا کر ہمیں شرف میزبانی بخشیں۔ میرا ارادہ تو صرف حضور ہی کو مدعو کرنے کا تھا مگر جوں ہی میں نے دعوت دی آپ نے قبول فرمائی اور کسی پکارنے والے کو کہا کہ سب لوگوں کو پکار کر کہہ دو کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچ جائیں۔

میں نے دل میں اِنّا لِلّٰہِ پڑھا کیونکہ طعام تو بہت ہی قلیل تھا۔ بہر حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی جماعت کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوئے اور بیٹھ گئے۔ ہم نے کھانا آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا نام لیا، برکت کی دعا کی اور کھانا کھایا۔ لوگ باری باری کھانا کھانے

Marfat.com

کے لیے آتے رہے اور سیر ہو کر کھاتے رہے۔ کئی نشستوں میں لوگوں نے کھانا کھایا، یہاں تک کہ جملہ اہلِ خندق کا پیٹ بھر گیا۔ (سیرۃ ابن ہشام قسم ثانی ۲۱۷، صحیح البخاری جلد چہارم ۹۰ جلد پنجم ۱۳۸، المغازی للواقدی جلد دوم ۴۵۲، البدایۃ والنہایۃ، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۲۶) جلد ششم ۱۰۹، صحیح مسلم جلد ۱۳ ص ۲۱۶، سنن البیھقی جلد ہفتم ۲۷۴)

خندق کی چٹان

حضرت سلمان فارسیؓ کی شخصیت بہت عظیم ہے۔ قبولِ اسلام کے لیے انھوں نے جن مشکل منزلوں کو عبور کیا وہ تاریخ کا ایمان افروز ورق ہے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کی تجویز انھوں نے ہی پیش کی تھی جسے آنحضورؐ نے بہت پسند فرمایا۔ ابن اسحاق نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ مصنف حلبی نے بھی اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اس کے مطابق حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''خندق کی کھدائی کے دوران میں ایک سخت چٹان آگئی۔ میں نے اسے توڑنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے قریب ہی کھدائی میں مصروف تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت حال دیکھی تو میری مدد کو تشریف لائے اور کدال پکڑ لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر پر ضرب لگائی تو کدال کے نیچے سے بجلی کا شعلہ نکلا پھر دوسری ضرب سے ایسا ہی شعلہ نکلا۔ تیسری ضرب لگی تو بھی بجلی کی سی چمک پیدا ہوئی اور چٹان ٹوٹ گئی۔

میں نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، یا رسول اللہ جب آپ ضرب لگا رہے تھے تو کدال کے نیچے میں نے شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے۔ یہ شعلے کیسے تھے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلمان، کیا واقعی تم نے یہ شعلے دیکھے ہیں؟''

میں نے اثبات میں جواب دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی ضرب پر جو شعلہ نکلا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے یمن پر مجھے فتح عطا کی۔ دوسرے شعلے پر میرے لیے اللہ تعالیٰ نے شام کی فتح کا راستہ ہموار کر دیا اور تیسرے شعلے پر اللہ تعالیٰ نے مشرق کے ممالک کی فتح میرے لیے مقدر فرما دی۔
حضرت سلمانؓ کی رفعت شان کی وجہ سے ان کو مہاجرین اپنے میں سے شمار کرتے تھے اور انصار

Marfat.com

انھیں اپنا فرد قرار دیتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: سلمان منا اهل البيت۔ سلمان ہم میں سے ہے یعنی میرے اہلِ بیت میں سے ہے۔ اس اعزاز پر شاعر نے کہا:

لقد رقى سلمان بعد رقه
منزلة شامخة البنيان
وكيف لَا والمصطفى قد عده
من اهل بيته العظيم الشان

سلمانؓ بلندی کے درجات پہ درجات طے کرتا چلا گیا۔ اس کا مقام عظیم اور شان مسلّم ہے۔

اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ مصطفیٰؐ نے اسے اپنے عالی مقام و عظیم الشان اہلِ بیت میں شمار کیا ہے۔ (السيرة الحلبية، ج ۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۴۲۰)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایمان

ابن اسحاق مزید بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ثقہ راویوں کی زبانی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سنی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہونے والی ہر فتح پر وہ کہا کرتے تھے: ''جتنے علاقے بھی چاہو فتح کرتے جاؤ۔ خدا یہ فتوحات مبارک کرے۔ مدینہ سے لے کر اقصائے عالم تک اور آج کے دن سے یوم قیامت تک جتنے علاقوں پر بھی تم فتوحات کے پرچم لہراؤ گے ان سب کا حال اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کو بتا دیا تھا۔ مالک ارض و سماء نے ان علاقوں کی چابیاں اپنے نبی کو عطا فرما دی تھیں۔'' (سيرة ابن هشام قسم ثانی ۲۱۹، المغازی للواقدی جلد دوم ۴۴۹، البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۷۲۷، سنن نسائی جلد ششم ۴۳)

......❀......❀......❀......

Marfat.com

یہود کی بدعہدی

قائم مقام امیر مدینہ

خندق کی کھدائی سے فارغ ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ دشمن کی فوجوں کا انتظار کرنے لگے۔ ایک دستہ شہر کے اندر گشت کے لیے بھیجا گیا جبکہ باقی لوگوں کو خندق کے اندر مختلف مقامات پر متعین کر دیا گیا۔ دیگر جنگوں کی طرح اس جنگ میں بھی رسول رحمت ﷺ نے مدینہ منورہ پر قائم مقام امیر مقرر فرمایا حالانکہ آنحضور ﷺ مدینہ سے باہر نہیں جا رہے تھے۔ اسلامی جماعت اور اسلامی نظام میں امیر کو دیگر امور کے علاوہ پانچ وقت کی نمازوں میں امامت کے فرائض بھی ادا کرنا ہوتے ہیں۔ اس لیے مدینے میں قائم مقام امیر کا تقرر ضروری تھا۔ آنحضور ﷺ تو محاذ جنگ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ جہاں سے پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا چنانچہ اس موقع پر حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ قائم مقام امیر بنائے گئے۔

جنگی عَلَم

مہاجرین اور انصار کے لیے الگ الگ جھنڈے تیار ہوئے جو آنحضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ دونوں حضرات بالترتیب مہاجرین اور انصار کے علمبردار تھے۔ اسلامی تاریخ میں دونوں کا مقام نہایت بلند اور خدمات ازحد قابل قدر ہیں۔

جیسا کہ اس سے قبل جلد اول میں گزر چکا ہے جہاد کے موقع پر شوق شہادت دیدنی ہوتا تھا۔ بوڑھے ضعیف اور کم سن بچے یکساں جہاد میں شرکت کے لیے بے چین ہو جاتے تھے۔ چھوٹے

Marfat.com

بچوں کو آنحضور ﷺ جہاد میں شرکت سے منع فرماتے تھے۔ اس جنگ میں رسول رحمت ﷺ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت دی۔ ان سب کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج ۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۴۲۲، سیرۃ ابن ھشام، القسم الثانی، ص ۲۲۰)

احتیاطی تدابیر

باہر سے آنے والی حملہ آور فوج کا خطرہ بھی تھا مگر مدینہ کے اندر یہودیوں کا قبیلہ بنوقریظہ بھی مستقل خطرے کا موجب تھا۔ اگرچہ وہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے میں بندھے ہوئے تھے مگر یہودیوں نے کبھی کسی معاہدے کا پاس نہیں کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کے شر کے پیش نظر خواتین اور چھوٹے بچوں کو محفوظ قلعہ نما حویلیوں میں جمع کر دیا تھا۔

دشمن کا بھاری لشکر مدینہ کی طرف آ رہا تھا۔ چھ سات ہزار کی نفری غطفان کے مختلف قبائل پر مشتمل تھی جبکہ قریش کے لشکر میں چار ہزار مسلح جنگجو تھے۔ مرالظہر ان کے مقام پر بنوامیہ کے حلیف بنوسلیم بھی اپنے سردار سفیان بن عبد شمس کی قیادت میں قریش کے لشکر سے مل گئے۔ شوال ۵ھ کے اوائل میں متحدہ فوجیں مدینہ کے گرد و نواح میں پہنچیں۔ متحدہ فوجوں کا سپریم کمانڈر سردار قریش ابوسفیان بن حرب تھا۔

اہل حق کی تعداد اور مدینہ کی صورت حال

مسلمانوں کی فوج کی تعداد کیا تھی۔ اس بارے میں مؤرخین کی آرا مختلف ہیں۔ مختلف سیرت نگاروں نے ایک ہزار سے لے کر تین ہزار تک کی تعداد بیان کی ہے۔ ہمارے خیال میں صادق الایمان ثابت قدم مجاہدین کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہیں ہوسکتی کیونکہ جنگ احد میں مسلمان سات سو تھے اور ایک ڈیڑھ سال میں اس سے زیادہ تعداد کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ منافقین یقیناً مجاہدین کے ساتھ شمار تو ہوتے تھے مگر وہ محاذ پر موجود رہنے کی بجائے اپنے گھروں کو

Marfat.com

کھسک جاتے تھے۔ دشمن کے سازوسامان اور کثرت تعداد کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ سورہ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝٩ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝١٠ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝١١

(الاحزاب ۳۳: ۹-۱۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔ جب دشمن اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔

مسلمان سازوسامان اور تعداد میں کم ہونے کے ساتھ ساتھ شدید بھوک اور کڑاکے کی سردی کا شکار بھی تھے۔ بہت سے صحابہ کرام نے اس صورت حال کا تذکرہ کیا ہے۔ پیٹ پر پتھر باندھنے کے واقعات بھی اسی موقع پر رونما ہوئے۔ صحابہ نے ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا جبکہ حضور ﷺ نے دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

دو صحابہ کی شہادت

دشمن کی آمد سے قبل آنحضور ﷺ نے اپنے دو جاں نثاروں کو مدینہ سے باہر بھیجا تا کہ وہ کافروں کی فوجوں کے بارے میں اطلاعات حاصل کر سکیں۔ یہ دو مجاہد حضرت سلیط بن ابی سلیط اور سفیان بن عوف تھے۔ یہ دونوں دشمن کے ہتھے چڑھ گئے۔ کافروں کے جرنیل نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ دونوں کو شہید کر دیا گیا۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

Marfat.com

کفار کی فوجیں مدینہ منورہ پہنچیں تو اپنے سامنے خندق دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ مدینہ کے شمال کی جانب احد پہاڑ کے مغرب کی طرف بنوغطفان خیمہ زن ہو گئے جبکہ ان سے جنوب مغرب کی طرف بئر رومہ کے قریب قریش نے ڈیرے ڈال دیے۔ خندق کے اندر کی جانب جبل سلع کے پاس مسلمان فوج نے مورچہ بندی کر لی۔ یہودیوں کا سردار حُیَی بن اخطب کفار کے لشکروں اور سرداروں کے درمیان بہت پھرتی سے سرگرم عمل تھا۔ اس نے ان لوگوں کو یقین دلا رکھا تھا کہ بنو قریظہ مدینہ کی جنوبی جانب سے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیں گے۔ مدینہ کے اندر بنوقریظہ اور باہر دیگر یہودی قبائل کے پاس کم از کم دو ہزار جنگجو موجود تھے۔

کفار کی خفت اور حیلہ سازی

خندق کو دیکھ کر دشمن بہت سٹپٹائے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ یہ تو ایسی جنگی چال ہے جو عربوں کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اس عریض خندق کو عبور کرنا آسان کام نہیں تھا۔ انھوں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خندق کا جائزہ لیا مگر مدینہ میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ خندق نے دشمنوں کو زچ تو بہت کیا تھا مگر وہ اس امید پر محاصرہ کیے بیٹھے تھے کہ بنوقریظہ کے یہودی خندق کے اندر مسلمانوں سے جنگ شروع کریں گے تو خندق کا دفاع کرنے والی فوجیں خندق کو چھوڑ کر اس جانب مصروف پیکار ہو جائیں گی۔ اس موقع پر خندق کو پاٹنے اور عبور کرنے کی سبیل نکل آئے گی۔ قریش بنو قریظہ سے امیدیں لگائے بیٹھے تھے اور مسلمان بنوقریظہ پر عقابی نظریں گاڑے ہوئے تھے۔ آنحضور ﷺ وقتاً فوقتاً کچھ لوگوں کو مدینہ کے اندر بھی بھیجتے تھے، جن کی مسلح گشت سے یہودیوں پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔ اسی دوران میں ایک اور ایمان افروز واقعہ بھی رونما ہوا جس نے جنگ کا پانسہ پلٹنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس واقعہ کی تفصیل تمام مستند تاریخوں میں مذکور ہے۔

حضور پاک ﷺ کی بہادر پھوپھی

اگرچہ حضور اکرم ﷺ نے یہودیوں سے معاہدہ کر رکھا تھا مگر ان کی تاریخ آپ کے سامنے

Marfat.com

تھی۔ وہ انتہائی بدعہد لوگ تھے۔ آپ نے ان کی غداری کے خوف سے عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ قلعہ نما حویلی میں جمع کر دیا تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہٗ ان کی نگرانی پر مامور تھے۔ بنو قریظہ کا ایک یہودی اس قلعے کی جانب آ نکلا۔ آنحضور کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب نے اس یہودی کو دیکھ کر فوراً بھانپ لیا کہ وہ جاسوس ہے۔ انھوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہٗ سے کہا کہ اس دشمن کو باہر نکل کر قتل کر دیں مگر انھوں نے جواب دیا ”میں بوڑھا اور کمزور آدمی ہوں، مجھ سے یہ کام کہاں ہو سکتا ہے؟“

وہ لمحہ بڑا نازک اور نہایت اہم تھا۔ ذرا سی تاخیر سے معاملہ بگڑ سکتا تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمے کی چوب نکالی اور جھپٹ کر یہودی کو اچانک جالیا۔ اس کے سر پر چوب کی ایسی ضرب لگائی کہ وہ لڑکھڑا کر گرا اور جہنم رسید ہو گیا۔ اب انھوں نے حضرت حسان سے کہا کہ یہودی کا سر کاٹ کر سامنے راستے پر پھینک دیں مگر انھوں نے اس سے بھی معذرت کی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی اس کا سر کاٹ کر دھڑ سے الگ پھینک دیا۔

جب یہودی جاسوس دیر تک واپس نہ گیا تو اس کی خبر گیری کے لیے یہودیوں نے دوسرا آدمی بھیجا۔ اس نے واپس آ کر اطلاع دی کہ قلعے میں تو فوج موجود ہے۔ انھوں نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ اس جرأت مندانہ اقدام نے یہودیوں پر رعب طاری کر دیا۔

اس واقعہ نے یہودیوں کو حویلی پر حملہ کرنے سے تو روک دیا مگر ان کا تاریخی مرض اور باطنی خبث تو ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انھوں نے بالآخر غدر کیا اور مسلمانوں کے مقابلے پر حملہ آور فوج کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان کیسے اور کن حالات میں ہوا؟ اس کی تفصیلات سیرت اور مغازی کی کتب میں بڑے دلچسپ پیرائے میں لکھی گئی ہیں۔

بدعہدی کی ابتدا

بنو نضیر کا سردار حُیَیّ بن اخطب جو سارے لشکروں کو مدینہ پر چڑھا لایا تھا اب بنو قریظہ کو مسلمانوں سے کاٹ کر اتحادی فوجوں کا ساتھ دینے پر مسلسل اصرار کر رہا تھا۔ بنو قریظہ کے تمام

Marfat.com

قابل جنگ مرد پوری طرح مسلح تھے۔ان کی تعداد مسلمانوں کی فوج کے برابر تھی۔ باہر سے آنے والی فوجوں کو خندق نے بے بس کر دیا تھا۔اگر بنوقریظہ اندر سے حملہ کر دیتے تو مسلمان بڑی مشکل میں مبتلا ہو جاتے۔ ہر چند کہ اسلامی فوجیں اور مدینہ کی مسلم آبادی پہلے بھی شدید ابتلا سے دوچار تھی اور قرآن کے الفاظ میں لوگوں کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے مگر بنوقریظہ کا حملہ صورت حال کو مزید خطرناک بنا سکتا تھا۔اس صورت میں احزاب کے لیے خندق کو پاٹنا اور عبور کرنا بھی ممکن تھا۔

حیی بن اخطب رات کو لاوے کی چٹانوں کو عبور کر کے بنوقریظہ کے ہاں پہنچا۔ وہ سردار قریظہ کعب بن اسد کے دروازے پر آیا اور دستک دی۔کعب معاہدہ توڑنے کے حق میں نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بنوقینقاع اور بنونضیر اس سے قبل اپنی غداری کی وجہ سے عبرتناک انجام سے دوچار ہو چکے تھے۔کعب نے قلعے کا دروازہ بند کرا دیا اور حیی بن اخطب سے سختی کے ساتھ کہا کہ وہ واپس چلا جائے۔ دنیا میں اہل حق نے استقامت و پامردی کے لازوال نمونے چھوڑے ہیں تو یہ بھی حقیقت ہے کہ شیطان کے چیلوں نے بھی اپنی ہٹ کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ حیی بن اخطب ذلت ناک جواب سننے کے بعد نہ مایوس ہوا اور نہ ہمت ہاری۔ وہ بار بار مختلف دلائل دے کر سردار قریظہ کو ہمنوا بنانے کی کوشش میں مصروف رہا۔ حیی بن اخطب ایک شیطانی کردار ہے جو ہر دور میں حق کے مقابلے پر سرگرم عمل رہتا ہے۔

حیی بن اخطب نے اپنے بزرگوں کے واسطے دے کر کعب بن اسد سے درخواست کی کہ وہ کم از کم قلعے کا دروازہ تو کھولے اور اپنے مہمان بھائی کو شرف زیارت تو بخشے۔ اس کی منت سماجت اور چاپلوسی تو کام نہ آئی مگر قلعے کا بند دروازہ آخر کار کھل گیا۔ وہ کیسے؟ حیی نے جب دیکھا کہ یہ ہتھیار کارگر ثابت نہیں ہوا تو اس نے ایک اور چال چلی۔ ''کعب بخدا تم مجھ پر دروازہ محض اس وجہ سے نہیں کھول رہے کہ میں تمھارے دستر خوان پر بوجھ نہ بن جاؤں۔'' یہ الفاظ سن کر کعب کی حمیت جاہلیہ بھڑک اٹھی اور اس نے دروازہ کھولنے کا حکم دے دیا۔

Marfat.com

یہودی شیاطین کی چالیں

قلعے میں داخل ہونا حُیَی کی پہلی کامیابی تھی۔ بنوقریظہ کے سرداروں کے ساتھ اس کا مکالمہ ہوا تو اس نے مزید کامیابیاں حاصل کیں۔ آغازِ کلام میں کعب کا رویہ خاصا سخت تھا۔ اس نے کہا: ''تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے معاہد محمد ﷺ سے غدر کریں حالانکہ ہمارے پاس اس کا کوئی جواز نہیں ہے اس نے ہمارے ساتھ کوئی بے وفائی نہیں کی اور اگر ہم نے اس موقع پر معاہدہ توڑ دیا تو وہ ہمیں معاف نہیں کرے گا۔''

حُیَی نے کہا: ''کعب تم تو میرے بھائی ہو۔ میری پکار پر تو قریش اور بنوغطفان نے بھی لبیک کہا ہے۔ آج میں دنیا کے معزز ترین لوگوں کو مدینہ پر چڑھا لایا ہوں۔ انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ محمد ﷺ کا کام تمام کر کے ہی واپس جائیں گے۔ میں نے ان لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ میرے قرظی بھائی یقیناً اتحادیوں کا ساتھ دیں گے۔ یہ فوج جو آ گئی ہے برق تپاں کی طرح دشمنوں کو بھسم کر دے گی......''

کعب نے جواب میں کہا: ''یہ فوج محض خس و خاشاک ہے۔ یہ ان گرجتے بادلوں کی طرح ہے جن کے دامن سے ایک قطرہ پانی بھی حاصل نہیں ہوتا۔ جاؤ ان کے ساتھ مل کر اپنا زور لگاؤ۔ ہمیں اس جھگڑے میں مت گھسیٹو۔''

حُیَی بن اخطب کب ہار ماننے والا تھا۔ اس نے نہایت شاطرانہ انداز میں گفتگو کو ایسا رخ دیا جس سے یہودی آبادی کے جذبات مسلمانوں کے خلاف بھڑک اٹھیں۔ اس موقع پر سردار قریظہ کعب بن اسد نے اپنے مشیروں اور سرداروں کو بلایا اور یہ موضوع بحث کے لیے ان کے سامنے پیش کر دیا۔ مجلس میں طویل بحث ہوئی مگر آخر میں دلیل کے مقابلے پر جذبات نے میدان مار لیا۔

صائب مشورہ

بنوقریظہ کے سرداروں میں سے عمرو بن سعدیٰ نے بڑی جچی تلی تقریر کی اور کہا: ''محمد ﷺ کے ساتھ ہم نے معاہدہ کر رکھا ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ ہمارا فرض ہے کہ

Marfat.com

اس نازک گھڑی میں دشمنوں کے مقابلے پر اس کا ساتھ دیں۔ اگر ہم اس کا ساتھ نہ دے سکیں تو کم از کم غیر جانبدار تو رہیں مگر اس کے دشمنوں کے ساتھ مل کر اس پر حملہ کرنا تو کسی صورت بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

یہودی شیطان حیی نے اپنی دسیسہ کاری جاری رکھی اور بالآخر سرداران بنی قریظہ کو تیار کر لیا کہ وہ معاہدے کو توڑ دیں۔ کعب بن اسد نے کہا ''ٹھیک ہے ہم معاہدے کو پھاڑ ڈالتے ہیں مگر تم ہمارے ساتھ قلعے میں رہو گے تاکہ عواقب ونتائج ہمارے ساتھ ہی بھگتو۔'' حیی نے ہامی بھر لی مگر مکر وفریب کے جال بن کر بنوقریظہ کو زیر دام کر چکا تو خود اس بہانے وہاں سے کھسک گیا کہ جا کر اتحادی فوجوں کو خوشخبری سناؤں گا اور ان کے حوصلے بڑھاؤں گا۔

موت کا پروانہ

کعب بن اسد نے حماقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاہدہ پھاڑ ڈالنے کا حکم دیا۔ اس نے عزال بن میمون، عمرو بن سعدی، زبیر بن باطا، عقبہ بن زید اور شاس بن قیس سے کہا کہ وہ متفقہ طور پر معاہدے کو پھاڑ ڈالیں۔ یہ تمام سردار سوائے عمرو بن سعدی کے معاہدے کو پھاڑنے پر تیار ہو گئے اور معاہدہ پرزے پرزے کر ڈالا۔ عمرو بن سعدی نے اس حرکت پر سخت تنقید بھی کی اور احتجاج بھی۔ اس کے نزدیک معاہدے کا پھاڑا جانا موت کے پروانے پر دستخط کرنے کے مترادف تھا۔

بنوقریظہ کے تمام لوگ اس شنیع حرکت پر ملامت کرنے کی بجائے خوشیاں منا رہے تھے۔ پوری قوم میں سے چند ایک افراد نے عمرو بن سعدیٰ کا ساتھ دیا۔ ان میں نمایاں اور معروف تین افراد تھے۔ ثعلبہ بن سعیہ، اس کا بھائی اسید بن سعیہ اور اسد بن عبید۔ یہ تینوں تو اسلام میں داخل ہو کر درجہ صحابیت پر بھی فائز ہوئے مگر عمرو بن سعدی کے قبول اسلام کی خبر میری نظر سے نہیں گزری۔ ایفائے عہد کی وجہ سے اس کی جان بخشی کا حکم البتہ حضور کی طرف سے دیا گیا تھا۔

بنوقریظہ کی عہد شکنی کی اطلاع حضور ﷺ کو ملی تو آپ کو اس پر قلبی رنج ہوا مگر آپ نے اس خبر کو خفیہ رکھا۔ آپ نے صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لیے چار صحابہ کو بنوقریظہ کے پاس بھیجا۔

Marfat.com

انھیں تاکید فرمائی کہ اگر بنوقریظہ نے واقعی عہد توڑ دیا ہے تو واپس آکر صرف مجھے اشارۃً بتا دینا اور اگر وہ لوگ عہد پر قائم ہیں تو اس کا عام لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر بالالفاظ صریح اعلان کر دینا۔(السیرة الحلبیة، ج ۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۴۲۳-۴۲۴، سیرة ابن هشام، القسم الثانی، ص ۲۲۱-۲۲۲)

حضور ﷺ کا وفد اور مذاکرات

حضور ﷺ کے ارسال کردہ وفد میں سید الخزرج حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، سید الاوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ وسیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔

ایک روایت میں حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کا نام بھی ملتا ہے۔ یہ لوگ مدینہ کے معزز سردار اور خاندانی وجاہت سے مالا مال تھے۔ انھوں نے بنوقریظہ سے عہد کی بات کی تو انھوں نے جواب میں تمسخر اڑایا۔ وہ کہنے لگے ''کون سا عہد؟ ہمارے تمھارے درمیان کب معاہدہ ہوا تھا؟ محمد ﷺ نے ہمارے ساتھ کب نیکی کی ہے کہ ہم اس کی دوستی کا دم بھریں۔ ہمارے برادران قوم بنونضیر کو ظلم وستم کے ساتھ ان کے گھروں سے جلاوطن کر دیا گیا۔ ہم تمھارے ساتھ کسی معاہدے کے پابند نہیں ہیں۔ جاؤ یہاں سے نکل جاؤ۔''

بنوقریظہ کا یہ جواب بڑا اشتعال انگیز تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو عمر کے لحاظ سے بزرگ اور مزاج کے لحاظ سے گرم تھے، اس معاندانہ طرزِ عمل سے سخت مایوس ہوئے۔ انھوں نے یہودیوں کو سخت سست کہا جس کے جواب میں یہودیوں نے ان سے بدکلامی کی انتہا کر دی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نوجوان تھے مگر بڑے تحمل مزاج اور حکیمانہ سوچ کے حامل تھے۔ انھوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو پا لیں کیونکہ معاملہ محض سخت کلامی سے حل ہونے والا نہیں ہے۔ یہود کی یہ حرکت زبانی اور لفظی جنگ سے متجاوز ہو چکی ہے۔ اس کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے نہایت حکیمانہ انداز میں یہودیوں پر اتمام حجت فرمائی۔ انھوں نے کہا: ''اے بنوقریظہ کے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں تمھارا پرانا حلیف ہوں۔ اب بھی وقت ہے کہ

Marfat.com

تم اپنی روش بدل لو ورنہ میں تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ تمھارا انجام بھی بنی نضیر جیسا بلکہ اس سے بھی بدتر ہوگا۔''

قبیلہ اوس زمانہ جاہلیت سے بنو قریظہ کا حلیف تھا مگر اب ان خبیث یہودیوں کی آنکھوں سے حیا کی پٹی اتر چکی تھی اور وہ اپنی خباثت کا مظاہرہ کرنے کی قسم کھائے بیٹھے تھے۔ انھوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی برا بھلا کہنا شروع کر دیا، مگر انھوں نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھا اور نہایت صبر وتحمل سے یہودیوں کو نتائج وعواقب کی شدت سے آگاہ فرمایا۔ اس ناصحانہ مشورے کے جواب میں ان بدبختوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں اور دشنام طرازی شروع کر دی۔ اب معاملہ حدود سے متجاوز ہو چکا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بنو قریظہ کے محلے سے نکل کر خندق کی جانب روانہ ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور کی خدمت میں جا کر عرض کیا: ''عضل وقارہ'' یعنی جس طرح عضل وقارہ کے قبائل نے بدعہدی اور غدر کیا تھا اس طرح بنو قریظہ نے بھی معاہدہ توڑ دیا ہے۔ عام لوگوں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی تھی مگر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت حال کا پتہ چل گیا تھا۔ اس نازک گھڑی میں بھی سیدکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ حوصلہ ہارا، نہ کسی قسم کی کمزوری دکھائی۔ (السیرة الحلبیة، ج ۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۴۲۵، سیرة ابن هشام، القسم الثانی، ص ۲۲۳)

......❀......❀......❀......

Marfat.com

کفر کی آخری چڑھائی - معرکہ خندق

باقاعدہ جنگ

متحدہ فوجوں نے کئی دنوں تک مدینۃ النبیؐ کا محاصرہ کیے رکھا مگر خندق کو عبور کرنے کی کوئی صورت نہیں نکل رہی تھی۔ بالآخر ایک دن قریش کے معروف جنگجو اور گھوڑ سوار خندق کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ علامہ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جن سور ماؤں نے اپنے گھوڑوں کی پیٹھ پر سوار ہو کر خندق عبور کی ان میں عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب اور ابن مرداس الفہری شامل تھے۔ سیرۃ الحلبیہ اور سیرت ابن ھشام میں نوفل بن عبداللہ کا نام بھی شامل ہے جو خندق عبور کر کے اندر آ گیا تھا۔ نوفل بن عبداللہ کا خندق کے اندر آنا محقق ہے کیونکہ اس موقع پر وہ تہہ تیغ ہو کر واصل جہنم ہوا تھا۔

حضور ﷺ کی تلوار

خندق عبور کرنے والے یہ تمام لوگ عرب کے بہادر ترین جنگجو اور ماہر ترین شمشیر زن تھے۔ ان میں سب سے زیادہ طاقتور عمرو بن عبدود تھا، جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ تنہا ایک ہزار جواں مردوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس کے اپنے ذہن میں بھی یہ گھمنڈ تھا کہ اب کوئی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔ اس نے مبارزت کے لیے پکارا تو سیدنا علی بن ابی طالب نے آنحضور ﷺ سے اس کے مقابلے کے لیے اذن مانگا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''علی! تمھیں معلوم ہے وہ عمرو بن عبدود ہے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ مقابلے کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار تھے۔ عمرو بن عبدود کی بار بار کی ڈینگوں کے جواب میں انھوں نے باصرار رسول رحمت ﷺ سے

Marfat.com

اجازت مانگی۔ اس عرصے میں عمرو بن عبدود رجزیہ اشعار بھی پڑھ رہا تھا اور مسلمانوں کا مذاق بھی اڑا رہا تھا۔ اس نے بڑی رعونت کے ساتھ کہا ''مسلمانو! تم عجیب لوگ ہو، ایک جانب تمھارا عقیدہ ہے کہ تم میں سے جو قتل ہو جائے وہ جنت میں چلا جاتا ہے اور دوسری طرف تمھاری یہ بزدلی ہے کہ میرے مقابلے کے لیے کوئی نہیں نکلتا۔'' اس پر آنحضور ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مقابلے کا اذن دے دیا۔

آنحضور ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اجازت مرحمت فرمائی تو اس کے ساتھ اپنی تلوار ''ذوالفقار'' بھی عطا کی۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اپنی زرہ اور عمامہ بھی شیر خدا کو پہننے کے لیے عطا فرما دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دشمن کی طرف روانہ ہوئے تو آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے بڑی عاجزی کے ساتھ دعا مانگی ''اے اللہ دشمن کے مقابلے میں اس کی مدد فرما۔ پروردگار! بدر میں تو نے مجھ سے عبیدہ رضی اللہ عنہ لے لیا تھا اور احد میں حمزہ رضی اللہ عنہ اب میرے بھائی کو نہ لے لینا۔ اسے دشمن پر غلبہ عطا فرمانا۔'' (سیرۃ ابن ھشام جلد سوم ص ۲۲۵ پر تفصیلات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی کسی جنگجو سے مرعوب نہیں ہوئے تھے۔ نورالدین علی بن ابراہیم الحلبی نے اپنی مشہور سیرت جلد دوم ص ۴۲۷ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رجزیہ اشعار لکھے ہیں جن کو پڑھ کر ایمان کی حرارت تیز ہو جاتی ہے۔

دلچسپ مکالمہ

جھوٹ کے پجاری اور طاغوت کے بندے جھوٹے پندار اور زعم باطل میں مبتلا ہو کر سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ عمرو جنگ بدر میں بھی آیا تھا جہاں سے شکست کی ذلت اور زخموں کی عار لے کر واپس پلٹا تھا۔ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک محمد ﷺ کو قتل نہ کر دے سر میں تیل نہیں ڈالے گا۔ جب اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ انھیں پہچان نہ سکا۔ اس نے پوچھا: ''جوان تم کون ہو؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''میں علی بن ابی طالب ہوں۔'' یہ سنتے

Marfat.com

ہی اس نے قہقہہ لگایا اور کہا ”بھتیجے اپنے کسی طاقتور چچا کو بھیجو۔ تم کیوں اپنی جوانی میں موت کو دعوت دے رہے ہو۔ تمھارے والد میرے دوست بھی تھے اور محسن بھی۔ اس لیے میں تمھارا خون بہانا مناسب نہیں سمجھتا۔“

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کی باتیں سکون سے سنیں۔ پھر فرمایا: ”میں تمھارے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں تم ان میں سے کوئی ایک قبول کرلو۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ عمرو نے کہا: ”یہ دعوت تو ناقابل قبول ہے۔“ حضرت علی نے فرمایا: ”تو پھر تم واپس اپنے گھر چلے جاؤ۔“ یہ سن کر عمرو نے کہا ”ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ اگر میں واپس چلا جاؤں تو قریش کی عورتوں کے طعنے سننے پڑیں گے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ میری نذر پوری ہونے کا وقت آگیا ہے۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اچھا پھر آجاؤ دو دو ہاتھ کرلیں۔“

سورما کا قتل

عمرو نے پھر قہقہہ لگایا اور وہی بات دہرائی کہ وہ نوجوانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بخدا میں تو تمھیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔“ یہ سن کر عمرو غصے سے لال پیلا ہوگیا۔ وہ گھوڑے سے اتر آیا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ اس کی تلوار فضا میں چمکی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے کمال مہارت اور پھرتی سے اپنی ڈھال پر روک لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر وار کیا تو وہ ان کے وار کو روک نہ سکا۔ ذوالفقار نے دشمن خدا کے شانے پر ایسی ضرب لگائی کہ خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور قریش کا سورما لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا۔ دونوں فوجیں یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دھڑکتے دلوں کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر بھیجا تھا۔ جب دشمن کٹ کر گرا تو مسلمانوں نے بے ساختہ نعرہ تکبیر بلند کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر نہیں دیکھا تھا مگر نعروں کی آواز سن کر آپ نے فرمایا: ”علی نے عمرو کا کام تمام کردیا ہے۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس پلٹے تو آنحضور نے ان کو گلے سے لگا لیا اور پھر ان سے پوچھا: ”علی تم نے مقابلے کے وقت اپنے دل کی کیا کیفیت محسوس کی؟“ انھوں

Marfat.com

نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ اللہ نے مجھے ایسی تقویت پہنچائی کہ اگر اس وقت مدینہ کی پوری آبادی کے برابر دشمنوں کی تعداد میرے مقابلے پر آجاتی تو میں اکیلا ان کے لیے کافی تھا۔''

زبیر کی تلوار

قریش کے دوسرے سورما نوفل بن عبداللہ کے مقابلے پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نکلے۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور حضرت زبیر پیدل تھے۔ اس نے آپ پر وار کیا تو آپ طرح دے گئے۔ پھر آپ نے اس پر تلوار سے وار کیا اور اسے دو ٹکڑے کر دیا۔ ضرب اتنی کاری تھی کہ دشمن کے ٹکڑے کرنے کے بعد تلوار گھوڑے کی زین تک اتر گئی۔ یہ منظر دیکھ کر بھی مسلمانوں نے تکبیر کے نعرے بلند کیے اور فرط جذبات سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جب اپنی صفوں میں واپس آئے تو صحابہ کرامؓ نے ان کا استقبال کیا۔ نورالدین علی بن ابراہیم کے بقول صحابہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اے ابوعبداللہ ہم نے تمھاری تلوار جیسی تلوار کبھی نہیں دیکھی۔'' ان کے جواب میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''برادران عزیز اس میں تلوار کا کوئی کمال نہیں بلکہ تلوار کے دستے پر جو ہاتھ تھا اس ہاتھ کی قوت کا کرشمہ ہے۔''

اظہار قوت کی حدود

عام حالات میں ایسی گفتگو کی نہ اجازت ہے نہ یہ اہل ایمان کا شعار ہے مگر جنگ کی حالت میں دشمن کے مقابلے پر اپنی قوت کے اظہار اور ساتھیوں کے حوصلے بلند کرنے کے لیے ایسے کلام کی اجازت ہے۔ اس سے قبل جلد اول میں غزوہ احد کے واقعات میں ہم حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے اکڑ کر چلنے کا واقعہ نقل کر چکے ہیں۔ اس موقع پر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کے اکڑ کر چلنے کو پسند فرمایا تھا حالانکہ عام حالات میں اکڑ کر چلنا معیوب اور ناپسندیدہ ہے۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج ۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۴۲۸-۴۲۹)

قریش کے دو جنگجو قتل ہو گئے تو باقیوں نے راہ فرار اختیار کر لی اور خندق کو عبور کر کے واپس

Marfat.com

بھاگ گئے۔ عمرو بن عبدود کے قتل کے بعد ضرار بن خطاب اور ہبیرہ بن ابی وہب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا مگر انھیں جلد ہی اس بات کا احساس ہوگیا کہ نوجوان جنگجوان کی طاقت سے زیادہ قوت کا مالک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت عمرو بن عبدود کے ایک وار کے نتیجے میں معمولی زخمی ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود دشمن کو میدان سے مار بھگایا۔ اگر بھاگ نہ جاتے تو وہ بھی شیر خدا کی شمشیر برّاں کا لقمہ اجل بن جاتے۔

ہم میتوں کے تاجر نہیں

روایات میں آتا ہے کہ قریش نے اپنے مقتولین کی میتیں واپس مانگ لیں۔ عمرو بن عبدود کی میت کے لیے تو انھوں نے دس ہزار درہم ادا کرنے کا وعدہ بھی کیا مگر آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''ہم میتوں کے تاجر نہیں ہیں، یہ ناپاک جسم بغیر کسی قیمت کے ان کے حوالے کر دیے جائیں۔'' چنانچہ دونوں مقتولین کی میتیں دشمنوں کے سپرد کر دی گئیں۔

مالِ غنیمت

اپنے بہادر ترین شہسواروں کے قتل پر قریش اور ان کے اتحادی خاصے بددل اور مایوس ہو گئے تھے مگر ابھی تک انھوں نے واپسی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ وہ اس خیال میں تھے کہ کسی نہ کسی طرح مدینہ پر فتح پالیں اور خوب تاخت و تاراج کریں۔ مسلمان سخت مشکلات کا شکار تھے۔ شدید سردی بھی تھی اور ہر جانب سے دشمن کا محاصرہ بھی۔ اس پر مستزاد فقر و فاقہ اور بھوک و افلاس کی آزمائش! اس دوران میں قریش کو بھی راشن کی کمی درپیش تھی مگر یہودی ان کی مدد کے لیے خوراک اور غلہ بھیجتے رہتے تھے۔ اسی طرح کا ایک قافلہ جو بیس اونٹوں پر غلہ لاد کر قریش کے خیموں کی طرف جا رہا تھا مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ یہ مالِ غنیمت آنحضور ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کیا گیا تو آپ نے اسے اہلِ مدینہ اور مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

قریش نے اس عرصے میں کئی مرتبہ کوشش کی کہ خندق کو عبور کر کے اندر داخل ہو جائیں مگر ہر

Marfat.com

مرتبہ انھیں منہ کی کھانا پڑی۔ اس زمانے میں جب قریش اپنی پوری قوت صرف کر کے جارحانہ کارروائیاں کررہے تھے مسلمان بھی مکمل طور پر ہوشیار اور بیدار تھے۔ نبی اکرم ﷺ ایک سرد رات کو اپنے خیمے میں تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: ''کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی مردِ صالح آج یہاں پہرہ دے۔'' تھوڑی دیر بعد آنحضور ﷺ نے تاریکی میں اپنے خیمے کے باہر اسلحے کی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا ''کون ہے'' تو جواب ملا ''سعد بن ابی وقاص۔ میں آپ کے خیمے کے باہر پہرہ دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔'' آنحضور ﷺ نے انھیں دعا دی اور فرمایا کہ فلاں مقام پر جہاں سے دشمن کے خندق عبور کرنے کا خطرہ ہے، جا کر پہرہ دو۔ چنانچہ وہ آنحضور ﷺ کے حکم کی اطاعت میں خندق کی حفاظت کے لیے چلے گئے۔ حضرت سعد کی جگہ حضرت عباد بن بشر آنحضور ﷺ کے لیے خیمے کے باہر پہرہ دیتے رہے۔ آنحضور ﷺ تھوڑی دیر کے لیے اطمینان کے ساتھ سو گئے۔ پھر آپ اٹھے، وضو کیا اور دو رکعت نفل پڑھ کر خندق کے معائنے کے لیے بنفس نفیس نکل کھڑے ہوئے۔ آپ نے خندق کی دوسری جانب دشمن کے گھوڑ سواروں کی حرکت محسوس کی۔ آپ نے فوراً عباد بن بشر کو آواز دی اور پوچھا کہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہے تو انھوں نے جواب دیا ''ہاں یا رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ فداکاروں کی ایک جماعت موجود ہے۔'' آپ نے انھیں دشمن کے گھوڑ سواروں کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ ان پر نظر رکھو۔

خالد بن ولید اور ابوسفیان کی کاوشیں

محاصرے کے دوران میں سردارانِ قریش خالد بن ولید اور ابوسفیان بن حرب اپنے کیمپوں سے حملہ آور دستوں کو ہدایات دیتے رہے مگر جب یہ محسوس کیا کہ کوئی بھی دستہ کامیاب نہیں ہو رہا تو ان پر مایوسی اور جھنجھلاہٹ طاری ہوگئی۔ اپنے بعض سورماؤں کے خندق کے اس پار قتل ہو جانے پر ان کی آتشِ انتقام مزید بھڑک اٹھی تھی۔ ایک رات تاریکی کے پردے میں خالد بن ولید نے خود اپنے گھوڑ سوار دستے کی قیادت کی۔ خندق کے نسبتاً تنگ پاٹ کو عبور کرنے کے لیے وہ آگے بڑھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی سرد اور تاریک رات کو خندق کے

Marfat.com

اس پار مجاہدین اتنے چاق وچوبند ہوں گے۔ خندق کے دوسری جانب سردار اوس اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تقریباً دو سو مجاہدین کے ساتھ پہرہ دے رہے تھے۔ اس رات قریش خندق کو عبور نہ کر سکے مگر انھیں ایک غیر متوقع کامیابی حاصل ہوگئی۔ میدان احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی بھی خالد بن ولید کے ساتھ حملے میں شریک تھا۔ اس نے اپنا نیزہ پھینکا جس سے حضرت طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور بعد میں شہادت پا گئے۔

ابوسفیان محاصرے کی طوالت سے فکر مند تھا۔ وہ جلد از جلد کامیابی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مگر خندق کی وسعتیں اور مجاہدین کے حوصلے اور سب سے بڑھ کر اللہ کی قدرتِ کاملہ اس کے ارادے میں حائل تھے۔ اس نے خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل، عمرو بن عاص اور صفوان بن امیہ سے مشورہ کر کے خود حملہ آوروں کی قیادت کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی اپنی قیادت میں قریش کے پرجوش جنگجو اور اتحادیوں کے بہادر نوجوان معرکہ سر کر لیں گے۔ اس مرتبہ گھوڑ سواروں کے علاوہ پیدل سپاہ کی ایک بڑی تعداد بھی حملے میں شریک کی گئی۔ خندق کے جتنے مقامات کے بارے میں دشمن کا خیال تھا کہ وہاں سے اسے عبور کرنا آسان ہے حملے کی زد میں تھے۔ یہ محاصرے کے دوران میں سب سے بڑا حملہ تھا۔ اس رات قریش کو اپنی کامیابی کا یقین تھا۔

آنحضور ﷺ کی دعا

یہی دور تھا جس کے بارے میں قرآن مجید نے کہا کہ ''آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے۔'' اس رات آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعائیں مانگیں۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر مستعد تھے مگر سردی کی شدت، غذا کی قلت اور دشمن کی کثرت کی وجہ سے بہت سے لوگ خوفزدہ تھے۔ منافقین اپنے گھروں میں دبک گئے تھے اور یہودی اپنی خباثت پر تلے بیٹھے تھے۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ خلفائے اربعہ، سعد بن معاذ، طلحہ اور زبیر موجود تھے۔ دشمن اگرچہ اپنی سعی نامسعود میں کامیاب نہ ہو سکا مگر ایک بار اس حملے نے اہل ایمان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

علامہ ابن کثیر اپنی مشہور زمانہ تاریخ البدایہ والنہایہ میں روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام

Marfat.com

نے آنحضور ﷺ سے اس نازک گھڑی میں پوچھا" یارسول اللہ ﷺ! اس موقع پر ہمیں کوئی دعا بتایئے۔" آپ نے کہا تم پڑھا کرو: اللّٰھم استر عوراتنا وآمن روعاتنا۔ یعنی اے اللہ ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خوف سے مامون فرما۔ (متفق علیہ) روایات میں آتا ہے کہ انھی راتوں میں جبریل نے آکر خوشخبری سنائی تھی کہ محاصرین ناکام ونامراد واپس جائیں گے اور اللہ کے طوفانی لشکر عنقریب ان پر چھوڑے جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو بھی یہ خوشخبری سنائی اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اظہار تشکر کے لیے بارہا شکراً کے الفاظ ادا کیے۔

جنت تلواروں کے سائے میں ہے

صحیح بخاری میں آنحضور ﷺ کی اس جنگ کے دوران مزید دعائیں بھی نقل کی گئی ہیں۔ ایک دن نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: "اے لوگو! کبھی دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کیا کرو۔ آزمائش سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو لیکن اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو پھر ڈٹ جایا کرو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔" پھر آپ ﷺ نے دعا کی: "اے اللہ تو منزل الکتاب ہے، تو سریع الحساب ہے، حملہ آور لشکروں پر شکست مسلط کر دے، ان کے قدم اکھاڑ دے اور ان کے مقابلے پر ہماری نصرت فرما۔" (طبرانی، باب الدعا)

جنگ خندق کے دوران میں آنحضور نے اکثر یہ دعا بھی مانگی "اے مصیبت زدگان کے مددگار، اے پریشان حال لوگوں کی دعائیں سننے والے، ہماری مصیبت، پریشانی اور غم دور فرما۔ مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر جو بیت رہی ہے تو اسے اچھی طرح جانتا ہے۔"

حضور ﷺ کے کیمپ پر مشرکین کا حملہ

علامہ ابن کثیر اور دوسرے مؤرخین نے مشرکین کے اس حملے کا تفصیلی ذکر کیا ہے جس میں انھوں نے اپنی پوری قوت جھونک دی تھی۔ دن کے پہلے حصے میں انھوں نے ہجوم کیا اور رات گئے تک وہ خندق عبور کرنے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہے۔ ادھر آنحضور ﷺ اپنے مخلص صحابہ کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر پامردی سے ڈٹے رہے۔ کبار صحابہ آنحضور ﷺ کے جنگی منصوبے کے

Marfat.com

مطابق مختلف مقامات پر قیادت کی ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے جبکہ منافقین اور کمزوردل کے لوگ محاذ جنگ سے چپکے سے کھسک گئے تھے۔

دشمنوں کے لیے بددعا

دشمن کے حملے کی شدت نے آنحضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو نماز پڑھنے کا بھی موقع نہ دیا۔ صحیح حدیث کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضور نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء چاروں نمازیں غروب آفتاب کے بعد اندھیرا چھا جانے پر ادا کیں۔ محدثین اور مؤرخین نے اس موقع پر آنحضور ﷺ کی وہ بددعا نقل کی ہے جو آپ نے مشرکین کے خلاف مانگی تھی۔ آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ میں ایسا موقع شاید کوئی دوسرا نہیں آیا جب آپ نے اتنے سخت الفاظ استعمال کیے ہوں۔

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے پیٹ، دل اور قبریں آگ سے بھر دے جنھوں نے ہمیں نماز سے غافل کر دیا۔'' یہاں ہم صحیح بخاری کی ایک روایت نقل کرتے ہیں: ''یوم خندق کی شام کو عمر بن خطاب اپنے مورچے سے غروب آفتاب کے بعد آنحضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ وہ کفار کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ پھر انھوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں نماز ادا کرنا چاہتا تھا مگر کفار کے حملے نے مجھے روکے رکھا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔'' یہ سن کر آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بخدا میں نے بھی ابھی تک نماز ادا نہیں کی۔ پھر آنحضور ﷺ نے اور سب صحابہ نے وضو کیا اور نماز عصر ادا کی جس کے فوراً بعد نماز مغرب ادا کی گئی۔''

مسند احمد میں اس واقعہ کے متعلق سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اذان پڑھیں جبکہ رات چھا چکی تھی۔ پھر آپ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں یکے بعد دیگرے پڑھائیں، ہر نماز کے لیے اقامت کہی گئی مگر اذان ایک ہی مرتبہ پڑھی گئی۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: البدایة والنهایة، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۷۲۳-۷۲۸، سیرة ابن هشام، القسم الثانی، ص ۲۱۸-۲۳۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۶۵-۶۷۔

Marfat.com

یادگار اور کٹھن مہم

جنگ تو بذاتِ خود بہت بڑی مہم جوئی ہوتی ہے مگر جنگوں کے دوران بعض ایسی خطرناک مہمات بھی بعض فداکاروں کے سپرد کی جاتی ہیں جن میں بے پناہ خطرات اور ناقابلِ بیان مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہادر سپاہی ایسی مہمات میں جس جذبے کے ساتھ کودتے ہیں اس کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جاسکتی۔ اس باب میں ایسی ہی ایک مہم کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ

حضرت حذیفہ بن یمان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی، جاں نثار مجاہد اور راز دان تھے۔ ان کے بے شمار کارنامے تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں۔ جنگ خندق میں بھی ان کو ایک ایسا اعزاز حاصل ہوا جس میں کوئی ان کا شریک وسہیم نہیں۔ جب جنگ نے شدت اختیار کی اور اہل مدینہ ناقابل بیان مشکلات میں گھر گئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو ایک خطرناک مہم پر روانہ فرمایا۔ امام حاکم اور امام بیہقی نے اپنے حدیث کے مجموعوں میں اور علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں اس واقعہ کو بڑے ایمان افروز انداز میں بیان کیا ہے۔ حضرت حذیفہ خود راوی ہیں کہ شدت کے وہ دن اور خوف کی وہ راتیں ناقابل برداشت تھیں۔ ابوسفیان اور اس کے اتحادی لشکر بالائی جانب سے محاصرہ کیے ہوئے تھے اور بنوقریظہ کے یہودی زیریں جانب سے موقع کی تلاش میں تھے۔ ہم لوگ اپنے اہل وعیال کی سلامتی کے بارے میں بھی متفکر اور پریشان تھے اور پھر ''وہ رات جس رات کا میں ذکر کر رہا ہوں، ویسی رات تو شاید ہی کبھی دنیا پر چھائی ہو۔ آسمان پر گھرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ زمین اور اہل زمین شدید تاریکی میں چھپ گئے تھے۔

Marfat.com

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔طوفانی ہوااس تیزی سے چل رہی تھی کہ اس کی آواز بجلی کے کڑکے سے کم نہیں تھی۔ پھر سردی اس کڑاکے کی تھی کہ وہ ہوا جسم کو یخ بستہ کیے دے رہی تھی اور تیزی کی وجہ سے یوں لگتی تھی جیسے جسم کو چیر کر گزر رہی ہے۔ایسے میں منافقین نے بہانے بنانا شروع کیے۔وہی موقع تھا جب قرآن کے الفاظ میں منافقین نے آنحضور ﷺ سے کہا:''ہمارے گھر خطرے میں ہیں حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے۔دراصل وہ محاذ جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔''رسول اللہ ﷺ اجازت مانگنے والوں کو خندہ پیشانی سے اجازت مرحمت فرمارہے تھے۔

کٹھن مہم، بلند عزم

حضرت حذیفہ مزید بیان کرتے ہیں کہ''شدید سردی کی وجہ سے میں کپکپا رہا تھا۔میرے اوپر نہ تو کوئی گرم کپڑا تھا نہ دشمن سے بچاؤ کے لیے کوئی زرہ اور ڈھال۔میرے اوپر ایک چھوٹی سی چادر تھی جو فی الحقیقت میری بیوی کی اوڑھنی تھی۔وہ میرے جسم کو پوری طرح ڈھانپ نہیں سکتی تھی۔میں اپنی جگہ پر ڈٹا ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس مقام پر تشریف لائے۔میں اپنے گھٹنوں کے بل گرا ہوا تھا۔اس اندھیرے میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:''یہ کون ہے؟ کیا حذیفہ ہے؟''میں نے عرض کیا:''جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں حذیفہ ہوں۔''اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:''آج دشمنوں کے ہاں کوئی اہم خبر وقوع پذیر ہونے والی ہے۔پس تمھیں دشمن کی صفوں میں گھس کر وہ خبر لانا ہوگی۔''

اس واقعہ کی بعض مزید تفصیلات یوں ہیں کہ آنحضور ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کے درمیان ارشاد فرمایا:''تم میں سے کون ہے جو آج دشمن کی صفوں میں گھس جائے اور ان کے صحیح احوال کی ہمیں خبر دے۔میں اس کی بخیریت واپسی کا یقین بھی دلاتا ہوں۔اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ وہ شخص جنت میں میرا رفیق وجلیس ہو۔''

حضرت حذیفہ اس وقت کی شدت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خوف، بھوک اور سردی

Marfat.com

کی وجہ سے کسی شخص کو ہمت نہ پڑی کہ وہ اپنے آپ کو پیش کرے۔ جب کوئی نہ اٹھا تو آنحضور ﷺ نے میرا نام لے کر مجھے پکارا۔ عجز وانکسار کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت حذیفہ فرمایا کرتے تھے: ''آنحضور ﷺ نے مجھے حکم دیا اس لیے میں اس مہم پر روانہ ہوگیا۔ ورنہ میں بھی دوسرے ساتھیوں کی طرح (شاید) رضا کارانہ یہ خدمت سرانجام نہ دے سکتا۔'' واہ سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ! کیا شان ہے آپ کی!!

رسولِ رحمت ﷺ کا انتخاب اور اس کی حکمت

آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''حذیفہ جاؤ اور دشمنوں کی صفوں میں گھس جاؤ۔ کانوں سے سننا اور آنکھوں سے دیکھنا مگر زبان اور ہاتھ کو روکے رکھنا۔'' ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سوال پر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اپنی خدمات پیش کیں مگر آنحضور ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طبیعت کی شدت وحدت کے سبب انھیں یہ خدمت سونپنے سے گریز فرمایا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کا حکم سننے کے بعد عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ خدا کی قسم مجھے اس بات کا کوئی خوف نہیں ہے کہ میں قتل ہو جاؤں گا مگر مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں دشمن کے ہاتھوں گرفتار نہ ہو جاؤں۔'' اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''تو ہرگز قید نہیں ہوگا۔'' پھر دعا فرمائی ''اے اللہ اس کی حفاظت فرمانا۔ اس کے آگے اور پیچھے سے دائیں اور بائیں سے اوپر اور نیچے سے اسے محفوظ فرمانا۔'' اس واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے مؤرخ ابن ہشام اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حذیفہ سے فرمایا: ''جاؤ ان شاء اللہ نہ تو تمھیں سردی لگے گی اور نہ دشمن سے کوئی خوف محسوس ہوگا۔'' حضرت حذیفہ یہ حکم سن کر دشمن کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اس شدت کی سردی میں مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں گرم حمام کے اندر داخل ہوگیا ہوں۔'' (تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت ابن ھشام جلد سوم ص ۱۴۰، نیز الکامل فی التاریخ لابن الاثیر الجزری جلد دوم ص ۱۲۶)

Marfat.com

جاں نثار رسولؐ لشکر اعدا میں

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ دشمن کے لشکر میں جا پہنچے۔ بغیر کسی دقت کے وہ ابوسفیان کے خیمے میں داخل ہو گئے۔ اس وقت ابوسفیان کے پاس سرداران لشکر جمع تھے۔ ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا: ''قریش کے لوگو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ دشمن کے مخبر اور جاسوس ہماری صفوں میں گھس سکتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنے آس پاس نظر رکھنی چاہیے۔'' ابوسفیان کی یہ بات سنتے ہی حضرت حذیفہ نے اپنے دائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص کا ہاتھ پکڑا اور کہا ''بتاؤ تم کون ہو؟'' اس نے کہا ''میں معاویہ بن ابوسفیان ہوں۔'' پھر انھوں نے اپنے بائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص کا ہاتھ پکڑا اور اس سے بھی وہی سوال کیا۔ اس نے جواب دیا: ''میں عمرو ابن العاص ہوں۔''

عاقلوں کی عقل ماری گئی

امیر معاویہ اور عمرو بن العاص دونوں ''داھیۃ العرب'' میں سے تھے یعنی ان کے ہم عصروں میں ان کے پائے کا کوئی اور ذہین اور تیز دماغ آدمی عرب میں موجود نہ تھا، مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی کو یہ نہ سوجھی کہ سوال کرنے والے سے وہ پوچھے کہ بھئی تم بھی تو اپنی شناخت کراؤ۔ دراصل بات یہ ہے کہ حضرت حذیفہ نے اتنے اعتماد، رعب اور عزم کے ساتھ سوال کیا تھا کہ انھیں یہ شک ہی نہ گزرا کہ وہ کوئی اجنبی ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر اور نتیجہ تھا کہ دشمن کی عقل پہ پردہ پڑ گیا۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔

ابوسفیان نے اپنے مشیروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''اے سرداران قریش! صورت حال کا بنظر غائر جائزہ لینا چاہیے۔ بخدا ہم اس وقت کسی اچھی حالت میں نہیں۔ گھوڑے، اونٹ اور دیگر جانور ختم ہو چکے ہیں۔ بنو قریظہ سے جو امیدیں وابستہ تھیں وہ دم توڑ چکی ہیں اور پھر یہ طوفان باد و باراں جسے تم دیکھ رہے ہو ایک بڑے عذاب کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ایسے میں یہاں قیام کی کوئی افادیت نہیں ہے۔ کوچ کرو میں نے بھی کوچ کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

Marfat.com

محاصرے کے آخری لمحات، آنکھوں دیکھا حال

اپنی بات مکمل کرتے ہی ابوسفیان اپنی جگہ سے اٹھا اور چھلانگ لگا کر اپنے اونٹ پہ سوار ہو گیا۔ بیچارے اونٹ کا گھٹنا بندھا ہوا تھا۔ چابک کھانے کے بعد وہ اپنے تین پاؤں پہ اٹھ کھڑا ہوا۔ گھبراہٹ میں ابوسفیان کو یہ خیال بھی نہ آیا کہ اونٹ کا گھٹنا کھول لے۔ سپریم کمانڈر کی اس عاجلانہ حرکت کو دیکھ کر عکرمہ بن ابوجہل نے اس کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور کہا: ''واہ کیا شان ہے کہ لوگ تو یہاں پڑے ہوئے ہیں اور سردارِ قوم بھاگا جا رہا ہے۔'' عکرمہ کی بات سن کر ابوسفیان نے خفت اور خجالت محسوس کی اور اپنے اونٹ کو نیچے بٹھا دیا۔ ابوسفیان نے سب لشکریوں کو پکار پکار کر کہا ''لوگو کوچ کرو'' چنانچہ سب لوگ کوچ کرنے لگے۔ تیز طوفان نے اکثر کی سواریاں تتر بتر کر دی تھیں، سامان منتشر ہو چکا تھا اور خیمے گر چکے تھے۔ حضرت حذیفہ یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

ابوسفیان نے عمرو ابن العاص سے کہا: ''اے ابوعبداللہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھی ضرور ہمارا پیچھا کریں گے ہمیں ایک دستہ یہاں رکھنا چاہیے۔'' عمرو بن العاص اور خالد بن ولید نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور وہ دونوں دو سو گھوڑ سواروں کے ساتھ وہاں رک گئے جبکہ باقی لشکر ناکام و نامراد کوچ کر گیا۔

جنود اللہ

حضرت حذیفہ بخیریت واپس اپنے لشکر میں آ پہنچے۔ انھوں نے دیکھا کہ طوفان کی شدت مشرکین کے لشکر پر ہی تھی۔ دوسری جگہوں پر ہوا کا اتنا زور نہیں تھا۔ طلیحہ بن خویلد اسدی زور زور سے کہہ رہا تھا: ''لوگو اپنی جانیں بچالو، محمد ﷺ نے تمھارے اوپر جادو کر دیا ہے۔'' حضرت حذیفہ مزید بیان فرماتے ہیں کہ جب اس سارے منظر سے محظوظ ہوتے ہوئے میں واپس پلٹ رہا تھا تو آدھے راستے میں مجھے بیس گھوڑ سوار ملے جنھوں نے عمامے باندھ رکھے تھے۔ ان میں سے دو گھوڑ سوار میرے پاس آئے اور کہا: ''اپنے صاحب ﷺ کو بتا دینا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن سے اس

Marfat.com

کی حفاظت فرمائی ہے۔'' یہ اللہ کے فرشتے تھے۔

بخیریت واپسی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر میں واپس آئے تو سب لوگوں کو اونگھتے ہوئے پایا مگر آنحضور ﷺ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں نے انتظار کیا جب آنحضور ﷺ نے سلام پھیرا تو میں نے پوری تفصیلات عرض کیں۔ آنحضور ﷺ نے تفصیلات سن کر اللہ کی حمد وثناء بیان کی۔ پھر آپ ہنسے یہاں تک کہ اس تاریک رات میں آپ کے دندان مبارک کی سفیدی نظر آئی۔'' حضرت حذیفہ کو اب تک تو سردی نہیں لگی تھی مگر اب شدید سردی نے انھیں آلیا۔ آنحضور ﷺ نے ہاتھ کا اشارہ کر کے انھیں اپنے قریب کیا اور اپنی چادر کا ایک حصہ ان کے اوپر ڈال دیا۔ حضرت حذیفہ میٹھی نیند سو گئے۔ صبح کی اذان ہوئی تو بھی ان کی آنکھ نہ کھلی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قم یا نومان یعنی اے نیند کے متوالے اٹھ۔ یہ سن کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جاگ اٹھے اور نماز میں شامل ہوئے۔

اے سالکِ راہ ہوشیار!

حضرت حذیفہ سے تابعین ان کی آخری عمر میں بہت سوال پوچھا کرتے تھے۔ ابن اسحاق کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ اہل کوفہ میں سے کچھ نوجوانوں نے ان سے پوچھا:

''اے ابوعبداللہ آپ لوگوں نے حضور پاک ﷺ کا دورِ مسعود دیکھا اور آپ کی صحبت پائی۔''

انھوں نے فرمایا: ''ہاں، اے بھتیجے!''

نوجوان نے کہا: ''آپ لوگ اس دور میں کیسی زندگی گزارتے تھے؟''

حضرت حذیفہ نے جواب دیا: ''ہم لوگ بڑی جدوجہد اور سختی میں وقت گزارا کرتے تھے۔''

نوجوان نے فرطِ عقیدت کے ساتھ کہا: ''بخدا اگر ہم حضور اکرم ﷺ کا دور پالیتے تو انھیں اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے اور زمین پر چلنے نہ دیتے۔''

اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان کو ڈانٹ بھی پلائی اور نصیحت بھی کی کہ اسے ایسی

Marfat.com

باتیں نہیں کہنی چاہییں۔ پھر آپ نے جنگ خندق کا وہی واقعہ بیان فرمایا جس میں حالات کی شدت اس حد کو جا پہنچی تھی کہ آنحضور ﷺ کے بار بار کے سوال پر کوئی جواب دینے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔ ہمارے لیے بھی اس واقعہ میں بہت زیادہ عبرت اور مقامِ تشکر ہے کہ ہم کمزوروں پر اللہ نے ہماری قوت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا۔ اللہ سے ہمیشہ عافیت طلب کرنی چاہیے۔(البدایة والنهایة، ج۱، طبع دارِابن حزم، بیروت، ص۷۳۵)

......❀......❀......❀......

Marfat.com

نعیم بن مسعودؓ کا تاریخی کارنامہ

اللہ کے کام نیارے

جنگ خندق میں جو قابل ذکر اور فیصلہ کن واقعات رونما ہوئے ان میں نعیم بن مسعود کا قبول اسلام اور اسلام کے حق میں جنگی چال نہایت اہم ہے۔ یہ مرد دانا قبیلہ بنو غطفان سے تعلق رکھتا تھا اور اسلام کو ختم کرنے کے لیے مشرکین قریش اور غطفان کی فوجوں کے ساتھ مدینے کے محاصرے میں شریک تھا۔ اللہ کو یہ منظور تھا کہ اس شخص کے ذریعے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا جائے۔ چنانچہ طویل محاصرے کے دوران اس کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی اور اس نے ایک عظیم اور تاریخی کارنامہ سرانجام دیا۔ نعیم بن مسعود کا ذکر کیے بغیر جنگ خندق کا تذکرہ مکمل نہیں ہوسکتا۔

نعیم بن مسعود کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی تو اس نے اس کا اظہار کرنے کی بجائے اسے مخفی رکھا۔ سب سے پہلے وہ خفیہ طور پر آنحضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور پھر آنحضور ﷺ کے حکم کے مطابق دشمنان اسلام کے پاس یکے بعد دیگرے گیا۔ آنحضور ﷺ نے اس عظیم صحابی کو اجازت دی کہ وہ اپنے اسلام کو خفیہ رکھیں اور دشمن کو زک پہنچانے کے لیے حسب ضرورت توریہ سے کام لیں۔ حضرت نعیم بن مسعود نے سب سے پہلے بنو قریظہ سے رابطہ قائم کیا۔ پھر سرداران قریش کے پاس گئے اور سب سے آخر میں اپنے قبیلے بنو غطفان سے بات چیت کی۔ ان کی اس مہم کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔

آنحضور ﷺ کی خدمت میں

رات کی تاریکی میں نعیم بن مسعود اپنے خیمے سے نکلے اور لشکر کفار سے بچتے بچاتے خندق

Marfat.com

کے پاس آ گئے۔ قریش کے لشکر میں سے نکل جانا بھی احتیاط کا کام تھا مگر خندق کے اس پار آنحضورﷺ تک پہنچنا اور بھی دشوار تھا۔ دل میں شمع اسلام روشن تھی اور خطرات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے یہ پروانہ شمع کی طرف دیوانہ وار لپک رہا تھا۔ آخر کار وہ شمع رسالتﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انھوں نے آنحضورﷺ تک پہنچنے سے پہلے صحابہ کرام سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ ایک اہم کام کے سلسلے میں وہ حضور اکرمﷺ کی خدمت میں شرف باریابی چاہتے ہیں۔ نعیم بن مسعود معروف آدمی تھے۔ صحابہ انھیں لے کر آنحضورﷺ کے پاس پہنچے تو نعیم نے عرض کیا ''یارسول اللہﷺ! اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت عطا فرما دی ہے۔ میرے قبول اسلام کا ابھی تک کسی کو پتہ نہیں۔ میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔ میرے ذہن میں ایک نقشہ ہے جس پر عمل کر کے جنگ کا پانسہ پلٹا جا سکتا ہے۔ پھر انھوں نے وہ پورا نقشہ پیش کیا جس کی تفصیلات آگے آئیں گی۔

الحرب خدعة

حضرت نعیم عرب کے ذہین ترین لوگوں میں سے تھے۔ آنحضورﷺ نے ان کی تجویز کی تحسین فرمائی اور کہا الحرب خدعة (یعنی جنگ میں تو چالیں ہی چلی جاتی ہیں) آنحضورﷺ کا یہ مختصر اور جامع قول میدان حرب وضرب میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ نے اس سے پہلے بھی جنگیں لڑی تھیں مگر یہ پہلا موقع تھا کہ جب آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو آپ کے جاں نثار نے اس پر بکمال وتمام عمل کر دکھایا۔

نعیم بن مسعود بنو قریظہ کے درمیان

نعیم بن مسعود اپنے دور جوانی سے یثرب آتے رہتے تھے۔ یہاں مختلف لوگوں سے ان کے تعلقات تھے۔ ان سے سب سے زیادہ مانوس بنو قریظہ تھے۔ وہ ان کی مجالس میں بیٹھتے اور ان کی شعر وشاعری اور بادہ وجام سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ رات کی تاریکی میں جب وہ بنو قریظہ کے ہاں پہنچے تو میزبانوں کو کوئی تعجب نہ ہوا۔ یہ مہمان ان کے لیے اجنبی تھا نہ خطرناک! بنو قریظہ نے

Marfat.com

ان کا استقبال کیا اور انھیں عزت کے ساتھ بٹھایا۔ انھوں نے ان کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں لا کر رکھ دیں۔ مگر نعیم نے ان سے کہا کہ حالات اتنے خطرناک ہو چکے ہیں کہ مجھے کھانا سوجھتا ہے نہ شراب!

بنو قریظہ کے لوگوں نے تجسس کے ساتھ پوچھا: ''کیا بات ہے؟'' انھوں نے فرمایا:

''اے بنو قریظہ تم مجھ سے بھی اچھی طرح واقف ہو اور اپنے ساتھ میری دوستی اور محبت کو بھی خوب جانتے ہو۔ میں نے ہمیشہ تمھاری میزبانی کا لطف اٹھایا ہے، تمھاری مجلسوں میں مجھے ہمیشہ اعزاز و اکرام حاصل رہا ہے۔ جواب میں، میں نے بھی ہمیشہ تمھارے ساتھ حسن سلوک کیا اور دوستی کا حق نبھایا ہے۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟'' بنو قریظہ کے سرداروں نے بیک زبان کہا: ''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو، ہمیں تمھاری دوستی کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔''

نعیم بن مسعود نے کہا: ''قریش اور غطفان کا معاملہ تم سے بالکل مختلف ہے۔ قریش اور غطفان دور دراز سے چل کر آئے ہیں۔ ان کے گھر بار اور بال بچے یہاں سے کوسوں دور بالکل محفوظ و مامون ہیں۔ تمھارا معاملہ یہ ہے کہ تمھارے گھر بار اور بال بچے مسلمانوں کی زد میں ہیں۔ قریش اور غطفان کے لوگوں کو میں نے ایسی باتیں کرتے ہوئے سنا ہے جو پریشان کن ہیں۔ وہ آپس میں محمد ﷺ کے ساتھ صلح کرنے کی باتیں بھی کرتے ہیں اور کبھی محاصرہ اٹھا کر واپس چلے جانے کی باتیں بھی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر فتح مل جائے تو اچھا ہے وگرنہ واپسی کا راستہ کس نے بند کیا ہے؟ جبکہ تمھارا معاملہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والا ہے۔ محمد ﷺ کے ساتھ بھی تم نے اپنا معاہدہ توڑ دیا ہے اور اتحادی فوجوں کا بھی کوئی بھروسہ نہیں ہے۔''

بنو قریظہ کی پریشانی

نعیم بن مسعود کی باتیں سن کر بنی قریظہ سخت پریشان ہوئے۔ انھیں اپنی غلطیوں کا بھی احساس ہوا اور اس مشکل صورت حال سے نکلنے کی فکر بھی دامن گیر ہوئی۔ انھوں نے نعیم سے

Marfat.com

پوچھا: ''پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' نعیم نے جواب دیا: ''میں ایک دوست کی حیثیت سے حق نصیحت ادا کرتے ہوئے تمھیں مشورہ دیتا ہوں کہ اتحادی فوجوں کو یہ پیغام بھیجو کہ ''اگر تم ہماری حمایت چاہتے ہو تو اپنے ستر منتخب آدمی ہمارے حوالے کر دو۔ اگر قریش اور غطفان کے ستر آدمی تمھارے پاس ہوں گے تو پھر تمھارے ساتھ وہ کوئی بدعہدی نہیں کر سکیں گے۔ ورنہ ان کا کوئی بھروسہ ہے نہ اعتماد۔''

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ نعیم نے ان ستر یرغمالی افراد کے نام بھی تجویز کیے تھے۔ سردار قریش ابوسفیان بن حرب کے بیٹے معاویہ بن ابی سفیان کا نام بھی ان میں شامل تھا۔ بنوقریظہ نے نعیم کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اس آڑے وقت میں دوستی کا حق ادا کیا اور انھیں خطرے سے آگاہ کر دیا۔ نعیم نے بنوقریظہ کو تاکید کی کہ اس کی آمد کے بارے میں کسی کو اطلاع نہ دیں۔ رات کی تاریکی ہی میں نعیم واپس اپنے لشکر میں پہنچ گئے۔

سرداران قریش سے رابطہ

یہاں سے فارغ ہو کر نعیم فوراً سرداران قریش کے پاس پہنچے اور سپریم کمانڈر ابوسفیان سے ملاقات کی۔ انھوں نے ابوسفیان سے کہا کہ وہ ایک بہت اہم مگر انتہائی خطرناک خبر لائے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ ہے تو باقی سرداران قریش کو بھی مشاورت میں شریک کر لیا جائے۔ چنانچہ سب سردار جمع ہو گئے۔ نعیم نے اپنی بات کا آغاز یوں کیا: ''سرداران قریش! تمھارے ساتھ میری دوستی اور محبت اور محمد ﷺ کے ساتھ میری نفرت اور عداوت کوئی راز تو نہیں؟'' سب سرداروں نے کہا ''نہیں اس امر میں کسی کو کیا شک ہے۔''

اب نعیم نے اپنی بات شروع کی: ''تم جانتے ہو کہ بنوقریظہ مجھ پر بڑا اعتماد کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنوقریظہ کو محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ توڑنے پر سخت ندامت ہے۔ انھوں نے محمد ﷺ کے ساتھ رابطہ قائم کیا ہے اور تجدید عہد کے لیے ان کے درمیان یہ بات طے پا گئی ہے کہ بنوقریظہ قریش اور غطفان کے ستر منتخب افراد محمد ﷺ کے حوالے کر دیں گے تا کہ وہ ان کی گردنیں

Marfat.com

کاٹ سکے۔ بنو قریظہ کی اس پیش کش کو محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں نے قبول کرلیا ہے اور اس شرط کے پورا ہونے پر ان کی بدعہدی معاف کردینے کا وعدہ کرلیا ہے۔''

تیر نشانے پر لگا

قریش کے سردار غم و غصے کے ساتھ یہودیوں کی بے وفائی کا تذکرہ سن رہے تھے اور خوف و دہشت ان کے دل و دماغ پر حاوی تھی۔ نعیم نے دیکھا کہ تیر نشانے پر لگا ہے تو فرمایا: ''یہودیوں کا پیغام ملے تو ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔''

قریش ایک جانب صورت حال سے مایوس تھے، اپنے دل میں یہودیوں کو کوس رہے تھے اور دوسری جانب نعیم بن مسعود کے شکر گزار تھے کہ اس نے انھیں بروقت متنبہ کر کے ایک بڑے خطرے سے بچالیا۔ اس کے بعد قریش نے نعیم بن مسعود کو اکرام و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

نعیم بن مسعود اپنے قبیلہ بنو غطفان کے درمیان

سب سے آخر میں حضرت نعیم اپنے قبیلے غطفان میں پہنچے اور سرداران قبیلہ عیینہ بن حصن الفزاری، طلیحہ بن خویلد الاسدی اور حارث بن عوف المری سے ملاقات کر کے کہا: ''اے سرداران غطفان! میں غطفان کا فرزند ہوں۔ غطفان میری اصل اور جڑ ہیں۔ مجھے ساری دنیا سے زیادہ ان سے محبت ہے۔ آپ لوگوں کو اس بارے میں کوئی شک تو نہیں؟ ان سب نے بالاتفاق کہا'' جو کچھ تم کہہ رہے ہو ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔'' یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''میرے پاس ایک بڑی اہم خبر ہے۔ میں تمھیں ایک راز بتانے جارہا ہوں۔ اسے فاش تو نہیں کروگے؟''

اب بنو غطفان کو بھی انھوں نے بنو قریظہ کے بارے میں وہی بات بتائی جو قریش کو بتا چکے تھے اور پھر تاکیداً کہا کہ ان یہودیوں کو اپنا ایک فرد بھی ضمانت کے طور پر نہ دینا۔ سرداران غطفان نے کہا کہ وہ اس نصیحت کے مطابق عمل کریں گے۔ انھوں نے اپنے قبیلے کے سپوت کا شکریہ بھی ادا کیا جس نے انھیں خطرے سے بروقت آگاہ کردیا تھا۔

Marfat.com

اتحادی وفد اور یہودیوں کی ملاقات

نعیم بن مسعود نے اپنی چال خوب چلی۔ اتحادی فوجوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ انھیں یہودیوں کی بدعہدی پر بڑا افسوس ہوا۔ انھوں نے ایک وفد ترتیب دیا جو جمعے کی شام کو یہودیوں کے قلعے میں پہنچا۔ وفد نے براہ راست بات کرنے کی بجائے بالواسطہ حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے کہا: ''محاصرہ کافی طویل ہو چکا ہے۔ اب ہمیں فیصلہ کن اقدام کرنا ہے۔ کل صبح ہم دشمن پر کاری ضرب لگانا چاہتے ہیں۔ ہماری نظریں آپ لوگوں پر لگی ہوئی ہیں۔''

بنو قریظہ نے بھی براہ راست اپنا مطالبہ پیش کرنے کی بجائے یوم السبت کا عذر پیش کر دیا۔ اور کہا: ''تم جانتے ہو کہ کل تو یوم السبت ہے اور ہم سبت کی خلاف ورزی کسی صورت نہیں کر سکتے۔ پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہماری اور تمھاری حیثیت میں بڑا فرق ہے۔ سبت کے بعد تم حملہ کرو تو ہم تمھارا ساتھ اس شرط کے ساتھ دے سکتے ہیں کہ تم اپنے ستر آدمی ہمارے پاس بھیج دو۔'' یہودیوں کی بات سن کر وفد کو یقین ہو گیا کہ نعیم بن مسعود نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا مگر یہودیوں کو کوئی حتمی جواب دینے کی بجائے انھوں نے کہا کہ ہم اپنے سرداروں سے جا کر مشورہ کریں گے۔ جب وفد نے اتحادی فوجوں کے سرداروں کو اپنے مشن کی رپورٹ دی تو ان کے دلوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ ایک دوسرا وفد بھیجا جائے جو جا کر یہودیوں کو اس بات پر راضی کرے کہ وہ یرغمال کے بغیر اتحادی فوجوں کا ساتھ دیں۔ یہ وفد یہودیوں کے پاس پہنچا اور ان کو بتایا کہ یرغمال کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے اور تمھارے درمیان دوستی بھی موجود ہے اور محمد ﷺ سے عداوت کی وجہ سے ایک قدر مشترک بھی موجود ہے، لہٰذا تمھارا یہ مطالبہ بالکل نامناسب ہے۔

بنو قریظہ کے یہودیوں نے کہا کہ ان چکنی چپڑی باتوں سے ہم ہرگز قائل نہیں ہو سکتے۔ ابن سعد نے طبقات الکبریٰ کی جلد دوم کے صفحہ ۶۹ پر بیان کیا ہے کہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے بنو قریظہ کو آمادہ کرنا چاہا کہ وہ قریش کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ وہ شیطان اسلام کا اتنا بڑا

Marfat.com

دشمن تھا کہ ہر قیمت پر پیغمبر اسلام کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ مگر اس موقع پر اس کی بھی دال نہ گلی اور بنو قریظہ نے حتمی انداز میں کہا: ''خدا کی قسم ہم ہرگز ہتھیار نہ اٹھائیں گے۔'' (سیرت ابن هشام جلد دوم ص ۲۲۹ - ۲۳۰ اور البداية والنهاية، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۷۳۴ - ۷۳۵ پر بھی اس واقعہ کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں)

کفار اور یہودیوں کے درمیان اختلافات کے بعد بنو قریظہ نے آنحضور ﷺ کے ساتھ بھی رابطہ قائم کیا اور درخواست کی کہ ہم آپ کے ساتھ مصالحت کرنا چاہتے ہیں بشرطیکہ آپ ہمارے جلاوطن بھائیوں بنو نضیر کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دے دیں۔ آنحضور ﷺ نے ان کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا۔ امام بیہقی نے یہ واقعہ دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

حوصلوں کی پستی

اتحادی فوجوں کے حوصلے پہلے بھی کچھ بلند نہیں تھے مگر یہودیوں کے طرزِ عمل نے رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ حملہ آور فوجوں نے تقریباً تیس شب و روز سے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر رکھا تھا مگر انھیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ان کی خوراک کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ جانور ذبح ہو چکے تھے۔ سواری کے جانوروں میں سے بھی بہت سے بھوک اور سردی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے اور باقی ماندہ بھی انتہائی لاغر اور کمزور ہو چکے تھے۔ اتحادی فوجوں نے یہودیوں کی بے وفائی پر ہنگامی اجلاس میں غور و خوض کیا تو سب سرداروں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ یہودیوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے اور اپنے اپنے علاقوں کی راہ لی جائے۔ اس دوران میں وہ شدید طوفان آ گیا جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے اور جس کی مزید تفصیلات ان شاء اللہ آگے قرآن کی زبانی پیش خدمت کی جائیں گی۔

Marfat.com

کفار کا مقدر۔شکست فاش

واپسی کا اعلان

اتحادی فوجیں بنو قریظہ پر تکیہ کیے ہوئے تھیں کہ وہ مدینہ کے اندر سے مسلمانوں پر ہلہ بول دیں گے جس کے نتیجے میں مسلمان خندق کو چھوڑ کر اپنے گھروں پر توجہ دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔یوں خندق کو خالی پا کر اتحادی فوجیں مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں گی مگر اب سارا کھیل بگڑ چکا تھا اور ساری تدابیر الٹی ہو چکی تھیں۔ابوسفیان نے لشکروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:''اب یہاں قیام کا کوئی فائدہ ہے نہ گنجائش۔سب لوگ اپنے اپنے گھروں کی راہ لیں۔یہ سارا منظر حضرت حذیفہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔اس کا تذکرہ حضرت حذیفہ ہی کی زبانی گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔یہاں ان کی زبانی مزید تفاصیل پڑھیے۔وہ فرماتے ہیں:''میں نے ابوسفیان کو اس دن پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔وہ میرے تیر کی زد میں تھا۔میں بڑی آسانی سے اسے نشانہ بنا کر قتل کر سکتا تھا مگر آنحضور ﷺ کے حکم کی وجہ سے میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔''

حضرت حذیفہ ان لوگوں کی پست ہمتی اور ہزیمت سے محظوظ ہو رہے تھے۔وہ خود بیان کرتے ہیں کہ''مجھے اللہ نے اتنی جرأت عطا فرمادی کہ میرے دل میں کوئی خوف وخطر باقی نہ رہا۔میں بلا جھجک قریش اور غطفان کے لشکروں میں گھس گیا اور دشمنان اسلام کی سراسیمگی اور بدحواسی سے لطف اندوز ہونے لگا۔لشکروں میں ہر جانب کوچ کوچ کا شور ہنگامہ برپا تھا۔''

کھسیانی بلی کھمبا نوچے

ہزیمت سے دوچار ہونے کے بعد سردار قریش ابوسفیان نے آنحضور ﷺ کو ایک خط لکھا۔

Marfat.com

یہ خط ابو سلمیٰ خشنی کے ہاتھ بھیجا گیا جو آنحضور ﷺ کے سامنے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پڑھا۔ ہم یہ پورا خط اور آنحضور ﷺ کی طرف سے اس کا جواب محمد احمد باشمیل کی کتاب غزوۃ الاحزاب سے نقل کر رہے ہیں جو جناب موصوف نے عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے سیاسی وثائق کے حوالے سے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۹ اور ۲۷۰ پر نقل کیے ہیں۔ یہی مضمون سیرت الحلبیہ میں بھی بیان ہوا۔ ابوسفیان کے خط سے قارئین واضح طور پر یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ یہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مترادف ہے جبکہ رسول اکرم ﷺ کا خط توکل ورضاء، جرأت و ہمت اور تدبر و حکمت کا بہترین نمونہ ہے۔

ابوسفیان کا خط

"باسمک اللّٰھم۔ میں لات، عزیٰ، اساف، نائلہ اور ہبل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایک بڑا لشکر جمع کر کے تیرے اوپر حملہ کیا تھا اور ہمارا پختہ ارادہ تھا کہ تم لوگوں کے مکمل خاتمے کے بغیر واپس نہیں پلٹیں گے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ تو مردانہ وار ہمارا مقابلہ کرنے سے کنی کترا گیا ہے، تو نے خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ تو نے اپنی جان بچانے کے لیے ایسی چال چلی جس سے عرب کبھی واقف نہیں تھے۔ عرب خندقوں اور کھائیوں کو نہیں جانتے۔ وہ تو نیزوں کی چھاؤں اور تلواروں کی دھار سے واقف ہیں۔ ہماری تلواروں کے خوف سے تو نے یہ راہ فرار اختیار کی۔ مجھے نہیں معلوم کہ تجھے یہ چال کس نے سجھائی۔

آج اگر ہم محاصرہ اٹھا کر جا رہے ہیں تو اپنے آپ کو محفوظ و مامون مت خیال کرنا، ہم پھر پلٹیں گے اور ایک بار یوم احد کی تاریخ کو پھر دہرا دیں گے۔ اس روز ہم خالی ہاتھ واپس نہیں جائیں گے بلکہ تمھاری عورتوں کو باندیاں بنا کر لے جائیں گے۔"

رسول مقبول ﷺ کا جواب

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ابوسفیان بن حرب کے نام!

اما بعد! تمھارا خط مجھے مل گیا ہے۔ دھوکہ دینے والے نے تجھے اللہ کے بارے میں ہمیشہ

Marfat.com

دھوکے میں رکھا۔ اے بنو غالب کے نادان سردار! تیرے ناپاک عزائم کے راستے میں اللہ تعالیٰ خود حائل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انجام کار ہمارے حق میں فیصلہ صادر کرے گا۔ تو نے جو یہ ڈینگ ہانکی ہے کہ تو اپنے لشکروں کی مدد سے ہمارا کام تمام کرنے کے لیے آیا تھا تو جان لے کہ تیرے اس ارادے کو اللہ تعالیٰ نے خود خاک میں ملایا ہے اور ہماری سلامتی اسی ذات کی مرہون منت ہے۔

اے عقل سے عاری سردارِ قریش! تجھے وہ دن ضرور دیکھنا پڑے گا جس دن لات، عزیٰ، اساف، نائلہ اور ہبل توڑ دیے جائیں گے۔ اس دن میں تجھے تیرا خط بھی یاد دلاؤں گا اور اپنی اس بات کو بھی دہراؤں گا۔ جہاں تک تیرے اس قول کا تعلق ہے کہ مجھے یہ جنگی چال کس نے سکھائی تو جان لے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت اور رہنمائی عطا فرمائی۔" (السیرة الحلبیة، ج ۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۴۴۰)

مکہ اب مدینہ پر حملہ آور نہ ہوگا

فوجوں کے راتوں رات محاصرہ اٹھا کر بھاگ جانے کے بعد اگلی صبح اہل مدینہ نے دیکھا کہ جہاں ہر جانب اسلحہ بردار دشمن ڈکار رہے تھے۔ وہاں کسی فرد بشر کا اب نام ونشان باقی نہ تھا۔ دشمن خائب و خاسر ہو کر واپس جا چکا تھا۔ اب اس کے لیے اپنے زخم چاٹنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک کڑی آزمائش میں سے گزارا اور انھیں خالص سونا بنا دیا۔

احزاب کے چلے جانے کے بعد آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام کے حوصلوں کی تعریف کی اور ساتھ ہی یہ بشارت سنادی: لَا یغزونکم بعد ھا ابداً ولکن انتم تغزونھم۔ اس کے بعد وہ تمھارے اوپر کبھی چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ ان پر تم چڑھائی کرو گے۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور ہدایت کے تابع تھا۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ سردار قریش اپنے چیلنج کے باوجود پھر کبھی مدینہ کا رخ نہ کر سکا۔ عرب کی پوری قوت جنگ احزاب میں مدینہ کی اسلامی ریاست کے خلاف استعمال ہو چکی تھی۔ اس سے زیادہ قوت جمع کرنا جزیرہ نمائے عرب میں کسی کے بس میں نہیں تھا۔ آنحضور ﷺ نے نور ربانی کی روشنی میں دنیا

Marfat.com

کو بتا دیا تھا کہ اب تک مکہ مدینہ پر حملہ آور ہوتا رہا ہے۔ آج کے بعد مدینہ کی باری ہے کہ مکہ پر حملہ آور ہو۔ چنانچہ آپ دیکھ لیجیے کہ اس کے بعد کبھی مدینہ پر حملہ کرنے کی کسی نے جرأت نہیں کی۔ البتہ اس جنگ کے چند سال بعد ۸ھ میں آنحضور ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کر کے اسے فتح کر لیا اور بت توڑ دیے گئے۔ ابوسفیان نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لیا۔ اللہ کا وعدہ سچا ہوا اور شیطان کی چالیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

......❀......❀......❀......

Marfat.com

باب سوم

غزوۂ احزاب کے بعد

Marfat.com

جنگ خندق کے شہدا اور مقتولین

شہداء جنگ خندق

جنگ خندق خطرات اور ہولنا کی کے نقطہ نظر سے بڑی سخت جنگ تھی۔ اسی جنگ کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے۔ پورا ایک مہینہ اہل مدینہ پر اتنا بھاری تھا کہ اس کا ایک ایک لمحہ پہاڑ معلوم ہوتا تھا۔ اہل ایمان ہلا مارے گئے تھے۔ بھوک اور فقر و فاقہ کے ساتھ موسم کی شدت وحدت نے مشکلات کو دو چند کر دیا تھا۔ باہر کی جانب پورا عرب امنڈ آیا تھا اور مدینہ کے اندر بنو قریظہ مار آستین بنے خباثت اور شیطنت پر تلے کھڑے تھے۔ یہ سارے حالات سابقہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔ آگے آنے والے ابواب میں قرآن مجید اور حدیث پاک کے الفاظ میں اس کٹھن دور کی حقیقی تصویر بھی آپ دیکھ لیں گے۔

اتنے بڑے معرکے میں یہ بات تعجب انگیز ہے کہ فریقین کا جانی نقصان بہت کم ہوا۔ مسلمانوں میں سے آٹھ صحابہ نے جام شہادت نوش کیا جبکہ کافروں میں سے چار جنگجو واصل جہنم ہوئے۔ دراصل خندق نے ایسا معجزہ کر دکھایا کہ اتنی بڑی جنگ کے باوجود انسانی جانوں کی حفاظت کا ایک بہترین انتظام میسر آ گیا۔

مسلمانوں کے تمام شہداء انصار میں سے تھے۔ اتفاق سے اس جنگ میں کسی مہاجر صحابی کی قسمت میں شہادت کا رتبہ نہیں لکھا گیا تھا۔ انصار میں سے جو لوگ شہید ہوئے ان میں سب سے مشہور شخصیت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ ہم ذیل میں تمام شہداء کا مختصر تذکرہ نذر قارئین کر رہے ہیں۔

Marfat.com

۱- حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

آپ قبیلہ اوس کے سردار اور بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر کی کوششوں سے مسلمان ہوئے اور قبول اسلام سے پہلے اپنے سارے قبیلے کے مرد و زن کو جمع کر کے ان سے پوچھا: ''میرے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟'' انھوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا: ''آپ ہمارے سردار ہیں، ہمارے سردار کے بیٹے ہیں، ہم سب سے زیادہ سمجھدار اور ذہین ہیں۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میرے بارے میں تمھارا یہ خیال ہے تو پھر سن لو کہ میں اسلام میں داخل ہو چکا ہوں۔ جب تک تم بھی اللہ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں لاؤ گے میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے درمیان اتنے معزز و محترم اور قابل اعتماد تھے کہ ان کی بات سن کر پورے کا پورا قبیلہ اوس اسلام میں داخل ہو گیا تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے اثر و رسوخ کو دعوت اسلام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو انھوں نے قبول اسلام کے بعد اپنا مہمان بنا لیا تھا اور ان کا گھر مدینہ میں اسلام کا مرکز بن گیا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اس سے قبل کتاب کی جلد اول میں غزوہ بدر اور غزوہ احد دونوں جنگوں کی ذیل میں کیا جا چکا ہے۔ جنگ خندق میں بھی انھوں نے اپنے شایان شان حصہ لیا۔

خندق کی کھدائی سے لے کر دشمن کے مقابلے پر ڈٹ جانے تک اور احزاب کے مقابلے میں جرأت مندانہ اور حکیمانہ مشورہ دینے سے لے کر بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ دینے تک ہر مقام پر وہ ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں۔ سعد جیسے سپوت واقعتاً مائیں کبھی کبھی ہی جنا کرتی ہیں۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ زرہ پہنے خندق کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کی والدہ نے بنو حارثہ کی حویلی میں سے جہاں مسلمان خواتین جمع تھیں، انھیں دیکھا۔ ان کی زرہ چھوٹی تھی جس میں سے ان کا ہاتھ باہر نکلا ہوا تھا۔ حضرت سعد کی حقیقی والدہ کبشہ رضی اللہ عنہا اور روحانی والدہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

دونوں نے انھیں دیکھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس وقت رجز یہ شعر پڑھتے ہوئے جا رہے تھے۔

لبث قليلاً يشهد الهيجا حمل

لاباس بالموت اذا حان الاجل

ذرا سا انتظار کرو ابھی جنگ بھی حملے کا منظر دیکھ کر (عش عش کر اٹھے گی) موت سے کیا ڈرنا؟ موت تو اپنے وقت پر آ کر رہتی ہے۔

ان کی والدہ نے آواز دے کر کہا: ''بیٹے تم نے بڑی دیر کر دی ہے۔ جلد میدان جنگ میں پہنچو۔'' ام المومنین نے فرمایا: ''ام سعد، کاش سعد کی زرہ طویل ہوتی، اس کا ہاتھ زرہ سے باہر نکلا ہوا تھا۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب میدان میں پہنچے تو ایک مشرک ابن العرقہ نے تیر مارا جوان کے ننگے ہاتھ میں پیوست ہو گیا۔ اس سے ہاتھ کی رگ ہفت اندام کٹ گئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شہادت بالآخر اسی زخم کی وجہ سے ہوئی۔

مسجد نبوی ﷺ میں سعد کا خیمہ

زخم لگنے کے بعد حضور اکرم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں ایک خیمہ نصب کرا دیا تھا۔ حضور ﷺ خود صبح شام ان کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ ایک صحابیہ حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا کو جو قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور علاج میں ماہر تھیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دیکھ بھال اور علاج کے لیے مامور فرما دیا تھا۔ زخم سے خون بند نہیں ہوتا تھا جس پر آنحضور ﷺ نے خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم کو داغ دیا۔ داغے جانے کے بعد اگرچہ خون تو بند ہو گیا تھا مگر ہاتھ سوج گیا تھا جس کی وجہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خاصی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا

تکلیف کے ان دنوں میں بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا حوصلہ کبھی پست نہیں ہوا۔ اپنے زخم کی شدت کو دیکھ کر انھیں تقریباً یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکیں گے۔ ایک روز انھوں

Marfat.com

نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جس کے ایک ایک لفظ میں ان کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور تعلق باللہ نمایاں طور پر جھلک رہا ہے۔ انھوں نے کہا: ''اے اللہ! اگر قریش سے مزید کچھ جنگیں ہونا باقی ہیں تو مجھے بھی مزید مہلت دے دے۔ میں ان لوگوں سے لڑنے کی تمنا رکھتا ہوں، جنھوں نے تیرے سچے رسولؐ کو ایذائیں پہنچائیں، ان کو جھٹلایا اور پھر ان کے گھر سے انھیں نکال دیا۔ اگر ان لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا ہے تو پھر مجھے شہادت عطا فرما دے۔ ہاں میری یہ التجا ہے کہ بنو قریظہ کے معاملے میں میرا دل ٹھنڈا ہو جانے تک مجھے زندگی کی مہلت عطا فرما دے۔''

بنو قریظہ نے جو بدعہدی کی تھی اس کی سزا دینے کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو حکم دیا کہ بنو قریظہ کا معاملہ طے کرنے سے پہلے اپنے ہتھیار نہ کھولیں۔ آنحضور ﷺ نے اس حکم ربانی کے مطابق بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ چند ہی دنوں کے اندر ان لوگوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ اس قضیہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا جائے اور وہ جو فیصلہ کریں اسے تسلیم کر لیا جائے۔ زمانہ جاہلیت میں اوس اور قریظہ کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ آنحضور ﷺ نے یہودیوں کی شرط قبول فرما لی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائے اور صورت حال سے واقف ہوئے تو انھوں نے فرمایا: ''میں ان کا فیصلہ تورات کے مطابق کرتا ہوں۔ ان کے لڑنے والے تمام مرد قتل کر دیے جائیں، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کی تمام املاک مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں۔'' یہ فیصلہ نافذ ہوا اور غدار اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

یہ رتبہ بلند!

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہو چکی تھی۔ بنو قریظہ کے بارے میں ان کا سینہ ٹھنڈا ہو گیا تھا اور قریش آیندہ کسی جنگ میں شریک ہونے کے دم خم سے محروم ہو چکے تھے۔ جنگ خندق میں لگنے والے زخم کے نتیجے میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ان کے پھولے ہوئے ہاتھ پر بکری کا کھر لگا جس سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ اسی سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق

Marfat.com

آنحضور ﷺ کو ان کی شہادت سے قبل اطلاع مل گئی جبکہ دوسری روایت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کو شہادت کے بعد جبرائیل نے آ کر اس سانحے کی خبر پہنچائی۔ آنحضور ﷺ نے حضرت سعد کے بارے میں جو الفاظ کہے وہ محدثین نے یوں روایت کیے ہیں: ''اے اللہ سعد نے تیری راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اس نے تیرے دین اور تیرے رسول کی خدمت کا حق ادا کیا ہے۔ اے اللہ تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کر جیسا تو اپنے مکرم دوستوں کے ساتھ کرتا ہے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات پر مدینہ میں غم کے بادل چھا گئے تھے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ ایک روایت کے مطابق عرش عظیم کے حامل فرشتے بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات پر کانپ گئے تھے۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ فرشتوں کی ایک بڑی جماعت نے بھی جنازے میں شرکت کی۔ سیدنا سعد کی والدہ نے ان کی وفات پر درد انگیز شعر کہے۔ جنہیں سن کر آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''بین کرنے والیوں کے بین جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں مگر ام سعد نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے۔''

سعدؓ کا ذکر خیر شہادت کے بعد

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آنحضور ﷺ ان کو یاد کرتے تھے۔ صحابہ کرام بھی اکثر ان کا تذکرہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ نے عذاب قبر کا ذکر کیا اور فرمایا: ''اگر قبر کی تنگی سے کسی کو نجات مل سکتی تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ملتی۔'' آنحضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کی بشارت ان کی زندگی میں بھی دی اور ان کی زندگی کے بعد بھی۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس نہایت قیمتی ریشمی چادریں آئیں جن کی نرمی اور ملائمت کو دیکھ کر صحابہ حیران رہ گئے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس جو رومال ہیں وہ ان سے کہیں زیادہ نرم اور ملائم ہیں۔''

جنگ خندق میں عددی لحاظ سے اگرچہ بہت تھوڑا نقصان ہوا، مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مدینہ کی اسلامی ریاست کو اتنا بڑا دھچکا لگا کہ اسے دیر تک محسوس کیا جاتا رہا۔ انصار

Marfat.com

کے درمیان حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی انھیں صدیقِ انصار بھی کہا جاتا تھا۔

۲-انس بن اوس بن عتیک رضی اللہ عنہ

یہ قبیلہ اوس کی شاخ بنوعبدالاشہل میں سے تھے۔ بڑے خوش خلق اور فیاض آدمی تھے۔ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ احد میں شرکت کی اور مردانہ وار دشمن کا مقابلہ کیا۔ جنگ خندق میں خندق کی کھدائی سے لے کر حملہ آور فوجوں کے مقابلے تک ہر میدان میں پیش پیش رہے۔

جب کفار خندق عبور کرنے کی تمام کوششوں میں ناکام رہے تو انھوں نے دور سے مسلمان فوجوں پر تیر برسائے۔ ایسے ہی ایک موقع پر قریش کے گھوڑسوار دستے کے کمانڈر خالد بن ولید نے تاک کر ایک تیر مارا جو حضرت انس بن اوس کو آ لگا۔ اسی تیر کی وجہ سے ان کی شہادت ہوئی۔

۳-حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے نامور فرزند تھے۔ ان کا نام عبداللہ بن سہل بن رافع بھی لکھا گیا ہے اور عبداللہ بن سہل بن زید بن عامر رضی اللہ عنہ بھی منقول ہے۔ ان کا تذکرہ اس سے قبل کتاب کی جلد اول میں غزوہ احد کے احوال میں گزر چکا ہے۔ یہ سن شباب میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور عالم جوانی ہی میں شہادت کا مرتبہ پایا۔ جنگ بدر میں بھی ان کو شرکت کا شرف حاصل ہے۔ ان کے بھائی رافع بن سہل بن رافع ان کے ساتھ جنگ احد میں شدید زخمی ہوئے تھے مگر زخمی ہونے کے باوجود دونوں بھائیوں نے جنگ احد کے بعد آنحضور کے حکم کی تعمیل میں حمرالاسد تک کا سفر کیا تھا۔ سواری نہ ہونے کی وجہ سے ایک بھائی جو زیادہ زخمی تھا اسے دوسرے بھائی نے اکثر سفر اپنے کندھوں پر اٹھا کر طے کیا۔ جنگ خندق میں حضرت عبداللہ بن سہل زخمی ہوئے اور جام شہادت نوش کیا۔

۴-طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ

یہ صحابی بنوخزرج کی شاخ بنی سلمہ میں سے تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں انھوں نے مکہ آ کر

Marfat.com

آنحضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔اس طرح انھیں بزرگ اور کبار صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نرم خو اور شیریں زبان تھے مگر میدان جنگ میں مردانگی اور شجاعت کا بہترین نمونہ پیش فرمایا کرتے تھے۔جنگ بدر میں شریک ہوئے اور دادِ شجاعت دی۔غزوہ احد میں ان کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے۔جنگ خندق میں انھوں نے کافروں کا خوب مقابلہ کیا۔حملہ آور فوجوں کو خندق کے اس پار روکنے اور دن رات چوکنا رہ کر پہرہ دینے کا فرض بحسن و خوبی ادا کیا۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی نے خندق کے پار سے اپنا نیزہ پھینک کر انھیں زخمی کیا۔اسی زخم کے نتیجے میں حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔

۵-ثعلبہ بن غنمہ بن عدی رضی اللہ عنہ

یہ بھی انصار کے قبیلہ خزرج میں سے تھے۔انھیں بھی بیعت عقبہ میں شرکت کا شرف حاصل ہے۔قبول اسلام کے وقت ان کی عمر اٹھارہ انیس سال تھی۔انھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے قبیلے بنوسلمہ کے بت خانے میں گھس کر بتوں کو توڑ دیا تھا۔اور یہ کارنامہ انھوں نے ایک بار نہیں کئی بار سرانجام دیا تھا۔ان کے دو ساتھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بھی بت شکنی میں ان کے شریک رہتے تھے۔

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے بدر اور احد دونوں جنگوں میں حصہ لیا۔جنگ خندق میں ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۶-حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت کعب بن زید خزرج رضی اللہ عنہ کے معروف خاندان بنونجار میں سے تھے۔ان کا شمار سابقون الاولون میں ہوتا ہے۔انھوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔پھر واقعہ بئر معونہ میں بھی وہ شریک تھے۔اس واقعہ کی تفصیلات اس کتاب کے آغاز میں آپ پڑھ چکے ہیں۔بئر معونہ میں بنو عامر نے آنحضور ﷺ کے ستر صحابہ کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا۔بئر معونہ سے جو دو صحابہ بچ نکلنے

Marfat.com

میں کامیاب ہوئے ان میں ایک حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے عمرو بن امیہ ضمری تھے۔حضرت کعب کو تو دشمن اپنے خیال میں قتل کر چکے تھے مگر وہ زخمی ہو کر لاشوں کے ڈھیر میں دب گئے تھے۔موقع پا کر وہ کسی نہ کسی طرح مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں زخموں سے شفا عطا فرما دی۔

۵ ہجری میں جنگ خندق کا واقعہ پیش آیا تو اس میں حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ بڑے جوش و جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔اسی جنگ میں بعض روایات کے مطابق کسی نامعلوم تیر سے ان کی شہادت ہوئی جبکہ محمد احمد باشمیل نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ تیر ضرار بن خطاب فہری نے پھینکا تھا۔بہرحال اسی تیر کے نتیجے میں حضرت کعب نے جام شہادت نوش فرمایا۔

مندرجہ بالا چھ صحابہ کی شہادت پر تو سب مؤرخین کا اتفاق ہے۔ان کے علاوہ دو صحابہ کرام کا تذکرہ نورالدین علی بن ابراہیم نے سیرت الحلبیہ میں کیا ہے۔ان دو صحابہ کے نام حضرت سلیط اور حضرت سفیان بن عوف بیان کیے گئے ہیں۔حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کی تو ولدیت بھی کتابوں میں منقول نہیں ہے۔ان دو صحابہ کے احوال کے بارے میں کتب تاریخ خاموش ہیں۔بعض مؤرخین اور محققین نے جنگ احزاب میں چھ ہی صحابہ کی شہادت کو تسلیم کیا ہے۔

صحیح رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں صحابہ براہ راست دشمن کے مقابلے میں تو شہید نہیں ہوئے مگر انھیں دشمن کے فوجیوں نے اس وقت شہید کر دیا جب یہ دشمن کے احوال معلوم کرنے کے لیے مدینہ سے باہر نکلے تھے۔نورالدین علی بن ابراہیم اپنی سیرت کی دوسری جلد میں ص ۱۰۱ پر لکھتے ہیں کہ ان دونوں صحابہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی مخبری کے لیے بھیجا تھا جس کے دوران میں یہ دونوں حضرات دشمن کے ہتھے چڑھ گئے اور انھوں نے انھیں شہید کر دیا۔ان کی شہادت کے بعد ان کے جسم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے تو آپ نے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔
(بحوالہ:غزوۃ الاحزاب،از محمد احمد باشمیل،ص ۲۷۶)

ان کے علاوہ مسلمانوں کے دو دستے رات کو غلطی سے ایک دوسرے کو دشمن سمجھ کر آپس میں

Marfat.com

بھڑ گئے جس کے نتیجے میں کچھ لوگ زخمی اور کچھ قتل ہو گئے۔ یہ واقعہ اکثر مؤرخین نے بیان کیا ہے۔
جب ان لوگوں کو حقیقت حال کا پتہ چلا تو انھیں بڑی ندامت اور افسوس ہوا۔ آنحضور ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں سے جو قتل ہو گئے ہیں انھیں شہادت کا رتبہ مل گیا ہے اور جنھیں زخم لگے ہیں وہ بھی مجروحین فی سبیل اللہ ہیں۔''

مقتولین کفار

اس جنگ میں کافروں کے صرف چار آدمی قتل ہوئے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱- عمرو بن عبدود: اس کے قتل کی تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ قریش کے خاندان عامر بن لوئی میں سے تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۲- حسل بن عمرو بن عبدود: یہ مقتول اول کا بیٹا تھا۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق یہ بھی اپنے باپ کی طرح سیدنا علی بن ابی طالب کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۳- منبہ بن عثمان بن عبید: یہ بنو عبدالدار میں سے تھا۔

۴- نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ: اس کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ اسے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اس کے قتل کی تفصیلات سابقہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔ (سیرة ابن هشام، القسم الثاني، ص ۲۵۲-۲۵۳، البداية والنهاية، ج۱، طبع دارِ ابن حزم، بيروت، ص ۷۳۶)

Marfat.com

غزوۂ احزاب قرآن مجید میں

قرآن مجید انسانیت کے لیے صحیفہ رشد و ہدایت ہے۔ اس کا مرکزی مضمون اللہ اور بندے کے باہمی تعلق کی وضاحت ہے۔ بندے اور خدا کے اس تعلق میں طاغوت اور اس کا نظام وقتاً فوقتاً رکاوٹیں ڈالتا رہتا ہے۔ اس نظام کے مقابلے پر جدوجہد اہل ایمان پر فرض کی گئی ہے۔ اس جدوجہد کا اہم ترین حصہ میدان قتال ہے۔ قرآن مجید کو کتاب جہاد بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے مجاہدین کی وہ جماعت تیار کی جس نے ایک قلیل عرصے میں معلوم دنیا کے ایک بڑے حصے سے طاغوتی نظام کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ اس کٹھن کام میں اللہ کے بندوں نے جس والہانہ انداز میں ایثار و قربانی اور جانوں کے نذرانے پیش کرنے کی مثالیں قائم کی ہیں، قرآن مجید کے صفحات ان پر شاہد عادل ہیں۔

اس سے قبل کتاب کی جلد اول میں غزوہ بدر اور غزوہ احد کے حالات بیان کیے گئے تھے۔ ان دونوں جنگوں پر بالترتیب سورہ انفال اور سورہ آل عمران میں تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے۔ جنگ خندق پر اسی انداز کا ربانی و الہامی تبصرہ سورہ احزاب میں تفصیلاً اور سورہ نور میں اجمالاً کیا گیا ہے۔ سورہ احزاب کا تو نام بھی اس غزوے میں شرکت کرنے والی فوجوں (احزاب) کی طرف منسوب ہے۔

لشکروں کی آمد اور شدت کا بیان

اس سلسلہ میں سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۹ اِذْ

Marfat.com

جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ (الاحزاب ۳۳:۹-۱۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔ جب وہ اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔

ان آیات میں جنود کی آمد اور مدینہ کا محاصرہ کرنے کے واقعات کا تذکرہ بھی ہے اور ان غیر مرئی افواج کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جنھوں نے کافروں کے خیمے اکھاڑ دیئے، ان کی دیگیں الٹ دیں اور ان کے جانوروں کو تتر بتر کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام تھا کہ اس نے اس جنگ کے دوران میں اہل ایمان کو حوصلہ بھی بخشا اور آزمائش کی بھٹی سے نکال کر کندن بھی بنا دیا۔

منافقین کا کردار

منافقین اگرچہ ظاہری طور پر مومنین کے گروہ میں شامل تھے مگر حقیقتاً وہ ایمان کی دولت سے محروم تھے۔ وقتاً فوقتاً آزمائش کی گھڑیوں میں ان کی قلعی کھل جاتی تھی۔ جنگ خندق میں تو وہ بالکل ننگے ہو گئے تھے۔ ان کے اقوال و اعمال اکثر اہل ایمان پر عیاں ہو گئے تھے۔

قرآن مجید ان کے بارے میں یوں نقشہ کھینچتا ہے:

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ (الاحزاب ۳۳:۱۲-۱۳)

Marfat.com

اور یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے۔ جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: ''اے یثرب کے لوگو! تمھارے لیے اب ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو۔'' اور ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبی ﷺ سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ ''ہمارے گھر خطرے میں ہیں'' حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے، دراصل وہ محاذ جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔

منافقین کے اس قول کہ ''پلٹ چلو'' کے بارے میں صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں کہ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ خندق کے سامنے کفار کے مقابلے پر ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ شہر کی طرف پلٹ چلو اور باطنی مطلب یہ ہے کہ اسلام پر ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، اب اپنے آبائی مذہب کی طرف پلٹ جانا چاہیے تاکہ سارے عرب کی دشمنی مول لے کر ہم نے جس خطرے میں اپنے آپ کو ڈال لیا ہے، اس سے بچ جائیں۔ منافقین اپنی زبان سے ذومعنی باتیں اس لیے نکالتے تھے کہ جو ان کے دام میں آ سکتا ہو اس کو تو اپنا باطنی مطلب سمجھا دیں لیکن جو ان کی بات سن کر چوکنا ہو اور گرفت کرے اس کے سامنے اپنے ظاہری الفاظ کی آڑ لے کر گرفت سے بچ جائیں۔

صاحب تفہیم القرآن نے منافقین کے اس بہانے کہ ان کے گھر خطرے میں ہیں، پر تفصیلی حاشیے میں لکھا ہے کہ بنو قریظہ کے بیرونی حملہ آوروں کے ساتھ مل جانے کے بعد راہ فرار اختیار کرنے کے لیے منافقین نے یہ بہانہ تراشا تھا حالانکہ اس میں کوئی وزن نہیں تھا کیونکہ آنحضور نے خود مدینہ اور اہل مدینہ کی حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا۔ (دیکھیے تفہیم القرآن جلد چہارم ص ۷۷ حاشیہ نمبر ۲۳، ۲۴ اور ۲۵)

منافقین کی کمزوری اور بودے پن کی نشاندہی

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حملہ آور فوجوں کو مدینہ میں داخلے سے روک رکھا تھا۔ اگر کسی وجہ سے وہ مدینہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ منافقین ذرا بھی مزاحمت نہ

Marfat.com

کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ان کی اس کیفیت کا یوں احاطہ کرتا ہے:

وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا یَسِیْرًا ﴿۱۴﴾ وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ (الاحزاب ۳۳:۱۴-۱۵)

اگر شہر کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور اس وقت ان کو فتنے کی طرف دعوت دی جاتی تو یہ اس میں جا پڑتے اور مشکل ہی سے انھیں شریک فتنہ ہونے میں کوئی تامل ہوتا۔ ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی باز پرس تو ہونی ہی تھی۔

جنگ احد میں منافقین سے جو کمزوری ہوئی تھی اور میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے ہی ان کی اکثریت مدینہ پلٹ گئی تھی' یہاں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس وقت انھوں نے اظہار ندامت کرتے ہوئے یہ عہد کیا تھا کہ آیندہ اگر کوئی ایسا موقع پیش آیا تو وہ اپنے جرم کی تلافی کر دیں گے مگر اس موقع پر پھر انھوں نے اپنی اسی روش کو دہرایا۔

منافقین کو وارننگ

آیت نمبر ۱۶ سے لے کر ۲۰ تک منافقین کی مزید خامیوں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ انھیں سخت الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی پکڑ سے کسی صورت میں بھی نہیں بچ سکتے۔ ارشاد باری ملاحظہ فرمائیے۔

قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا ۚ وَ لَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ

Marfat.com

اَعۡیُنُهُمۡ کَالَّذِیۡ یُغۡشٰی عَلَیۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡکُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ
حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَی الۡخَیۡرِ ؕ اُولٰٓئِکَ لَمۡ یُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ
عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرًا ﴿۱۹﴾ یَحۡسَبُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ لَمۡ یَذۡهَبُوۡا ۚ وَ اِنۡ یَّاۡتِ
الۡاَحۡزَابُ یَوَدُّوۡا لَوۡ اَنَّهُمۡ بَادُوۡنَ فِی الۡاَعۡرَابِ یَسۡاَلُوۡنَ عَنۡ اَنۡۢبَآئِکُمۡ ؕ وَ لَوۡ کَانُوۡا
فِیۡکُمۡ مَّا قٰتَلُوۡۤا اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۲۰﴾ (الاحزاب ۳۳:۱۶-۲۰)

اے نبی ﷺ! ان سے کہو، اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمھارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا۔ اس کے بعد زندگی کے مزے لوٹنے کا تھوڑا ہی موقع تمھیں مل سکے گا۔ ان سے کہو، کون ہے جو تمھیں اللہ سے بچا سکتا ہو اگر وہ تمھیں نقصان پہنچانا چاہے؟ اور کون اس کی رحمت کو روک سکتا ہے اگر وہ تم پر مہربانی کرنا چاہے؟ اللہ کے مقابلے میں تو یہ لوگ کوئی حامی و مددگار نہیں پا سکتے ہیں۔

اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جنگ کے کام میں) رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں، جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ "آؤ ہماری طرف" جو لڑائی میں حصہ لیتے بھی ہیں تو نام گنانے کو۔ جو تمھارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں۔ خطرے کا وقت آ جائے تو اس طرح دیدے پھرا پھرا کر تمھاری طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہو رہی ہو مگر جب خطرہ گزر جاتا ہے تو یہی لوگ فائدوں کے حریص بن کر قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبانیں لیے تمھارے استقبال کو آ جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائے۔ اسی طرح اللہ نے ان کے سارے اعمال ضائع کر دیے اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آور گروہ ابھی گئے نہیں ہیں۔ اور اگر وہ پھر حملہ آور ہو جائیں تو ان کا جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر یہ کہیں صحرا میں بدوؤں کے درمیان جا بیٹھیں اور وہیں سے تمھارے حالات پوچھتے رہیں، تاہم اگر یہ تمھارے درمیان رہے بھی تو لڑائی میں کم ہی حصہ لیں گے۔

Marfat.com

آیات بالا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے منافقین کی ایسی تصویر کشی کی ہے جس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر کی بجائے عارضی دنیا کے فائدے اور مادی منفعت حاصل کرنے کے درپے ہیں۔ ان کے ظاہری نیک اعمال اس منافقت کی وجہ سے کسی اجر کے مستحق قرار نہیں پائیں گے۔ نیز وہ تمھارا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں تو تمھیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ خس کم جہاں پاک۔

اسوۂ حسنہ

نبی اکرم ﷺ اہل ایمان کے لیے زندگی کے ہر معاملے میں بہترین نمونہ ہیں۔ قرآن مجید نے آپ کے اسوۂ حسنہ کو جنگ احزاب کے تناظر میں خاص طور پر بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۲۱ میں رسول رحمت ﷺ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا: ''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

اس آیت کی تفسیر میں سید مودودی تحریر فرماتے ہیں: ''جس سیاق وسباق میں یہ آیت ارشاد ہوئی ہے اس کے لحاظ سے رسول پاک ﷺ کے طرز عمل کو اس جگہ نمونے کے طور پر پیش کرنے سے مقصود ان لوگوں کو سبق دینا تھا جنھوں نے جنگ احزاب کے موقع پر مفاد پرستی وعافیت کوشی سے کام لیا تھا۔ ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم ایمان واسلام اور اتباع رسول ﷺ کے مدعی تھے۔ تم کو دیکھنا چاہیے تھا کہ جس رسول کے پیروکاروں میں تم شامل ہوئے ہو، اس کا اس موقع پر کیا رویہ تھا۔ اگر کسی گروہ کا لیڈر خود عافیت کوش ہو، خود آرام طلب ہو، خود اپنے ذاتی مفاد کی حفاظت کو مقدم رکھتا ہو، خطرے کے وقت خود بھاگ نکلنے کی تیاریاں کر رہا ہو، پھر تو اس کے پیروکاروں کی طرف سے ان کمزوریوں کا اظہار معقول ہو سکتا ہے مگر یہاں تو رسول اللہ ﷺ کا حال یہ تھا کہ ہر مشقت جس کا آپ نے دوسروں سے مطالبہ کیا اسے برداشت کرنے میں آپ خود سب کے ساتھ شریک تھے، بلکہ دوسروں سے بڑھ کر ہی آپ نے حصہ لیا۔ کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو دوسروں نے اٹھائی ہو اور

Marfat.com

آپ نے نہ اٹھائی ہو۔ خندق کھودنے والوں میں آپ خود شامل تھے۔ بھوک اور سردی کی تکلیفیں اٹھانے میں ایک ادنیٰ مسلمان کے ساتھ آپ کا حصہ بالکل برابر تھا۔ محاصرے کے دوران میں آپ ہر وقت محاذِ جنگ پر موجود رہے اور ایک لمحے کے لیے بھی دشمن کے مقابلے سے نہ ہٹے۔ بنو قریظہ کی غداری کے بعد جس خطرے میں سب مسلمانوں کے بال بچے مبتلا تھے اسی میں آپ کے بال بچے بھی مبتلا تھے۔ آپ نے اپنی حفاظت اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ کیا جو دوسرے مسلمانوں کے لیے نہ ہو جس مقصدِ عظیم کے لیے آپ دوسروں سے قربانیوں کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس پر سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر آپ خود اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار تھے۔ اس لیے جو کوئی بھی آپ کے اتباع کا مدعی تھا اسے یہ نمونہ دیکھ کر اس کی پیروی کرنا چاہیے تھی۔

یہ تو موقع و محل کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم ہے مگر اس کے الفاظ عام ہیں اور اس کی منشا کو صرف اسی معنی تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ صرف اسی لحاظ سے اس کے رسول کی زندگی مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے بلکہ مطلقاً اسے نمونہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر معاملے میں آپ کی زندگی کو اپنے لیے نمونے کی زندگی سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی سیرت و کردار کو ڈھالیں۔'' (تفہیم القرآن جلد چہارم ص ۸۰-81 حاشیہ ۳۴)

آیت کے دوسرے حصے کی تشریح کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے یہی مفسر تحریر فرماتے ہیں:

اللہ سے غافل آدمی کے لیے تو یہ زندگی نمونہ نہیں ہے مگر اس شخص کے لیے ضرور نمونہ ہے جو کبھی کبھار اتفاقاً خدا کا نام لے لینے والا نہیں بلکہ کثرت سے اس کو یاد کرنے اور یاد رکھنے والا ہو۔ اسی طرح یہ زندگی اس شخص کے لیے تو نمونہ نہیں ہے جو اللہ سے کوئی امید اور آخرت کے آنے کی توقع نہ رکھتا ہو مگر اس شخص کے لیے ضرور نمونہ ہے جو اللہ کے فضل اور اس کی عنایات کا امیدوار ہو اور جسے یہ بھی خیال ہو کہ کوئی

Marfat.com

آخرت آنے والی ہے جہاں اس کی بھلائی کا سارا انحصار ہی اسی پر ہے کہ دنیا کی زندگی میں اس کا رویہ رسول خدا کے رویئے سے کس حد تک قریب تر رہا ہے۔

(تفہیم القرآن جلد چہارم ص ۸۰، ۸۱ حاشیہ ۳۵)

صادق الایمان لوگوں کا تذکرہ

مخلص مومنین خطرے کے وقت دشمن کے مقابلے پر جس عزم و ہمت کے ساتھ ڈٹ گئے تھے وہ ایسا تاریخ ساز واقعہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اپنی وفاداری کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا کہ انھیں اللہ کی طرف سے لازوال تمغہ عطا فرمایا گیا۔ ارشاد باری ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ (الاحزاب ۳۳: ۲۲)

اور سچے مومنوں نے جب حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ ”یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات بالکل سچی تھی۔“ اس واقعہ نے ان کے ایمان اور ان کی سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔

ہر آدمی بخوبی دیکھ سکتا ہے کہ یہ نمونہ اس نمونے سے کتنا مختلف ہے جو اوپر کی سطور میں منافقین کے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ ظاہری طور پر منافقین بھی اسی طرح نماز روزے کا اہتمام کرتے تھے جس طرح مخلص اہل ایمان مگر دونوں گروہوں کی حقیقی تصویر ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد تھی۔ اہل ایمان کو شروع ہی سے یہ معلوم تھا کہ اس راہ میں آزمائشیں اور مشکلات لازماً آئیں گی چنانچہ یہ کٹھن مرحلہ ان کے لیے ہرگز تعجب کا موجب نہیں تھا۔ جنگ احزاب میں جو سیلابِ بلا مدینہ کی بستی پر نازل ہوا، اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کئی گنا بڑھ گئے اور انھوں نے تسلیم و رضا کا حقیقی ذائقہ چکھ لیا۔

اہل ایمان میں کچھ لوگ وہ تھے جو جانوں کے نذرانے پیش کر کے شہداء کی صف میں شامل

Marfat.com

ہو چکے تھے اور کچھ وہ تھے جو اپنے سر ہتھیلی پر رکھے اپنی نذر پوری کرنے کے لیے تیار اور مستعد تھے۔شہدائے مقربین اور غازیان صف شکن کا کتنا پیارا ذکر اس آیتؐ میں ہمارے سامنے آتا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (الاحزاب ۳۳:۲۳)

ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔انھوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

اعمال کا بدلہ

مومنین صادقین اور منافقین کا طرزِ عمل بیان کرنے کے بعد دونوں گروہوں کی جزائیوں بیان کی گئی ہے:

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ (الاحزاب ۳۳:۲۴)

یہ سب کچھ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرلے بے شک اللہ غفور ورحیم ہے۔

مومنین کی جزا کا تذکرہ تو یقینی الفاظ میں کیا گیا ہے جبکہ منافقین کی جزا وسزا کو مشروط الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔بعض منافقین کو اللہ نے مہلت دی اور توبہ کی توفیق بھی۔ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے مغفرت کا راستہ کھل گیا جبکہ ان کی اکثریت اپنے نفاق پر قائم رہی اور وہ لوگ اس حال میں دنیا سے اٹھے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نافرمان تھے۔ان باغیوں کا انجام ان کے اعمال وکردار ہی کے مطابق ہوگا۔

کافروں کی ہزیمت اور نامرادی

کافر بڑی تیاری اور گھمنڈ کے ساتھ آئے تھے۔بزعم خویش وہ اس مرتبہ مدینہ کو ملیامیٹ کر

Marfat.com

دینے کے ناپاک عزائم پورے ہونے کا یقین رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ (الاحزاب ۳۳:۲۵)

اللہ نے کفار کا منہ پھیر دیا، وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اپنے دل کی جلن لیے یوں ہی پلٹ گئے اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لیے کافی ہو گیا، اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

کائنات میں اللہ کا تصرف مطلقاً کارفرما ہے۔ وہ جو چاہے وہی ہوتا ہے اور جس کام کو وہ نہ چاہے وہ کسی صورت وقوع پذیر نہیں ہو سکتا۔ اس جنگ کے بعد آنحضور ﷺ نے تسلسل اور تکرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح بیان کی اور لشکروں کی شکست کا سبب اسی وحدہٗ لاشریک کی نصرت کو قرار دیا۔ اللہ کی قوت کا کوئی ٹھکانہ نہیں اور یہ انھی لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو اپنی طرف سے جنگ کی پوری تیاری بھی کریں اور پھر نتائج کو اللہ ہی پر چھوڑ دیں، جن کا مقصدِ وحید کلمۃ اللہ کی سربلندی اور رضائے ربانی کا حصول ہو۔ صحابہؓ کی پوری جماعت کی یہی شان تھی اور یہی پہچان!

غزوہ احزاب سورۂ نور میں

غزوہ احزاب پر سورہ احزاب نے جو تبصرہ کیا ہے وہ گزشتہ صفحات میں آپ دیکھ چکے ہیں۔ سورہ احزاب کے علاوہ سورنور میں بھی ضمناً غزوہ خندق کے کچھ احوال بیان کیے گئے ہیں۔ خندق کی کھدائی اور دشمن کے محاصرے کے دوران خط دفاع کے اوپر ثابت قدمی بڑا مشکل اور کٹھن کام تھا۔ ان مراحل میں مومنین ثابت قدم تھے مگر کبھی حقیقی ضرورت کے لیے وہ بھی اجازت لے کر اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ اس کے برعکس منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ وہ جھوٹے بہانے پیش کر کے رخصت مانگتے یا بلغیر رخصت مانگے کھسک جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ

Marfat.com

يَذْهَبُوا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ (النور ۲۴: ۶۲)

مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں۔ جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں پس جب وہ اپنے کسی کام سے اجازت مانگیں تو جسے تم چاہو اجازت دے دیا کرو اور ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کیا کرو، اللہ یقیناً غفور و رحیم ہے۔

اہل ایمان کا ذکر کرنے کے بعد پوری امت کو آنحضور ﷺ کے مقام و مرتبہ سے روشناس کرانے کے لیے فرمایا گیا کہ

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ (النور ۲۴: ۶۳)

مسلمانو! اپنے درمیان رسول ﷺ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔

یعنی آنحضور ﷺ کی پکار اللہ کی پکار ہے۔ ان کا حکم غیر مشروط طور پر واجب الاتباع ہے۔

اسی آیت میں منافقین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ (النور ۲۴: ۶۳)

اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے کہ جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے سٹک جاتے ہیں۔ رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔

مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن میں ان آیات کی تفسیر قرطبی اور مظہری کے

Marfat.com

حوالے سے بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیات غزوۂ خندق کے موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ منافقین کو سرزنش اور تنبیہہ کی گئی ہے کہ ان کی یہ روش ان کے حق میں مفید نہیں بلکہ انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس سورہ کی آخری آیت میں فرمایا: خبردار رہو آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ تم جس روش پر بھی ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ جس روز لوگ اس کی طرف پلٹیں گے وہ ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے: معارف القرآن جلد ششم ص ۴۵۴-۴۵۵)

Marfat.com

غزوۂ الاحزاب اور حدیث رسول مقبول ﷺ

جنگ خندق کا تذکرہ حدیث رسول میں

جس طرح قرآن مجید میں جنگ خندق کا تذکرہ سورۃ الاحزاب اور سورہ نور میں وحی ربانی کے الفاظ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ کے بارے میں جو کچھ فرمایا اس عرصے میں صحابہ کرام نے آپ کو مختلف اعمال کرتے دیکھا اس کی پوری تفصیلات حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔ یوں تو حدیث کے تمام مجموعوں میں یہ روداد محفوظ ہے مگر ہم صحیح البخاری سے جو اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ مستند اور صحیح کتاب ہے، یہ تفصیلات نذر قارئین کر رہے ہیں۔

خندق کا ننھا مجاہد

۱۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: میں جنگ احد کے دن آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا (تاکہ مجاہدین میں شریک ہوں) میری عمر چودہ برس کی تھی۔ آپ نے منظور نہ کیا۔ جنگ خندق میں پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر پندرہ برس کی تھی، منظور کر لیا گیا۔ (صحیح بخاری، باب غزوۂ خندق، حدیث ۴۰۹۷)

شدائد ومحن اور عزم وثبات

۲۔ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم جنگ خندق میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہم لوگ مٹی اپنے کندھوں پر ڈھو رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: زندگی جو کچھ کہ ہے وہ آخرت کی زندگی ہے۔ بخش دے انصار اور مہاجرین کو اے خدا۔ (ایضاً، حدیث ۴۰۹۸)

Marfat.com

۳- حضرت انس بن مالک کہتے تھے: ''آنحضرت ﷺ جنگ خندق کے لیے نکلے تو مہاجرین اور انصار سردی کے دن صبح کے وقت خندق کھود رہے تھے۔ ان کے پاس غلام (خدمت گار) نہ تھے جو یہ کام کر لیتے (اس لیے اپنے ہاتھوں سے کھود رہے تھے) جب آپ ﷺ نے ان کی تکلیف اور بھوک کی حالت دیکھی تو یوں فرمانے لگے: ''زندگی جو کچھ کہ ہے وہ آخرت کی زندگی ہے۔ اے اللہ انصار و مہاجرین کو بخش دے۔ صحابہ نے یہ جواب دیا:

ہم تو پیغمبر محمدؐ سے یہ بیعت کر چکے
جان جب تک ہے لڑیں گے کافروں سے ہم سدا

(ایضاً، حدیث ۴۰۹۹)

۴- ہم سے ابو معمر (عبداللہ بن عمر عقدی) نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالوارث بن سعید نے، انھوں نے عبدالعزیز بن صہیب سے، انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے کہا: مہاجرین اور انصار نے مدینہ کے گرد خندق کھودنا شروع کی۔ مٹی اپنی پیٹھ پر ڈھو رہے تھے اور اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا اس وقت (خوراک کا یہ حال تھا) ایک مٹھی (یا دو مٹھی) جو معمولی درجے کی چربی ملا کر پکاتے، ان کے سامنے رکھتے، وہ بھوکے ہوتے (اسی کو کھا لیتے)۔ حالانکہ وہ چربی اتنی بدمزہ ہوتی کہ حلق پکڑ لیتی اور اس میں سے خراب بو آتی تھی۔ (ایضاً، حدیث ۴۱۰۰)

پیٹ پر پتھر، زبان پر نام خدا

۵- ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا' کہا ہم سے عبدالواحد بن ایمن نے، انھوں نے اپنے والد ایمن حبشی سے، انھوں نے کہا، میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، انھوں نے بیان کیا: ''ہم خندق کے دن زمین کھود رہے تھے اتنے میں ایک قطعہ سخت نکلا (جو کدال سے کھد نہ سکا) لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، آپ سے عرض کیا: یہ ایک قطعہ سخت ہے جو خندق میں نکل آیا (اب کیا کریں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: (ٹھہرو) میں خود اترتا ہوں (اس کو کھودتا ہوں)۔ پھر

Marfat.com

آپ کھڑے ہوئے بھوک کی وجہ سے آپ کے پیٹ پر پتھر تھا اور ہم لوگوں نے بھی تین دن سے کوئی کھانے کی چیز چکھی تک نہ تھی۔ آپ نے کدال (پکاس) ہاتھ میں لی اور اس قطعہ پر ماری وہ بہتی ریت ہو گیا۔ (یا تو اتنا سخت تھا یا اتنا نرم ہو گیا)۔ راوی کو شک ہے اھیل کا لفظ کہا یا اھیم کا۔ معنی ایک ہی ہیں یعنی بہتی پھسلتی ریت۔ آخر میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو گھر تک کی پروانگی دیجیے۔'' (آپ ﷺ نے اجازت دی) میں نے گھر آن کر اپنی بیوی (سہیلہ بنت مسعود) سے کہا: ''آنحضرت ﷺ کو میں نے ایسی حالت میں دیکھا ہے جس پر صبر نہیں ہو سکتا (یعنی آپ بہت بھوکے ہیں) تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں تھوڑے سے جو ہیں (ایک صاع) اور ایک بکری کا بچہ ہے۔'' میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جو پیسے۔ جب گوشت ہانڈی میں ڈال چکے اور آٹا خمیر ہو گیا اور گوشت پک جانے کے قریب تھا اس وقت میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور چپکے سے آپ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ تھوڑا سا کھانا میرے پاس تیار ہے۔ آپ تشریف لے چلیے اور ایک یا دو آدمی اپنے ساتھ لے لیجیے۔'' آپ نے پوچھا: ''کتنا کھانا ہے؟'' میں نے بیان کیا: ''ایک صاع جو اور ایک بکری کا بچہ۔'' آپ نے فرمایا: ''بہت ہے اور عمدہ ہے۔ تو جا اور اپنی بیوی سے کہہ دے جب تک میں نہ آؤں ہانڈی چولہے پر سے نہ اتارے اور روٹی تنور میں سے نہ نکالے، میں آتا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھو (جابر کی دعوت میں چلو)'' یہ سن کر مہاجرین اور انصار کھڑے ہوئے۔ جابر اپنی اہلیہ کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: ''ہائے اب کیا ہوگا؟ آنحضرت ﷺ تو مہاجرین اور انصار اور ان کے ساتھ والوں سب کو لے کر آ رہے ہیں۔'' ان کی اہلیہ نے کہا: ''آنحضرت ﷺ نے تم سے کچھ پوچھا تھا؟'' انھوں نے کہا: ''ہاں پوچھا تھا۔''........

آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''اندر چلو یہ دھکم دھکا نہ کرو۔'' آپ نے روٹیاں توڑ توڑ کر ان پر گوشت رکھ رکھ کر لوگوں کو دینا شروع کیا۔ جب ہانڈی اور تنور میں سے کچھ لے چکتے تو ان کو ڈھانپ دیتے آپ اسی طرح برابر روٹیاں توڑ توڑ کر دیتے رہے اور ہانڈی میں سے گوشت لیتے

Marfat.com

رہے یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور تھوڑا کھانا بچ رہا۔ آپ نے جابر کی زوجہ سے فرمایا: ''تو بھی کھا اور (اور اپنے لوگوں کو) حصہ بھیج کیونکہ آج کل لوگ بھوکے ہو رہے ہیں۔'' (ایضاً، حدیث ۴۱۰۱)

میر کارواں کی جان پرسوز

۶- ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا کہ ہم سے شعبہ بن حجاج نے، انھوں نے ابو اسحاق سبیعی سے، انھوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے کہا: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق کے دن بنفس نفیس مٹی ڈھو رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا پیٹ گرد سے چھپ گیا یا گرد آلود ہو گیا۔'' (ایضاً، حدیث ۴۱۰۴)

۷- ہم سے مدد بن مسرہد نے بیان کیا کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے، انھوں نے شعبہ سے، انھوں نے کہا مجھ سے حکم بن عتیبہ نے بیان کیا، انھوں نے مجاہد سے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا: ''مجھ کو پوروا ہوا سے مدد ملی اور عاد کی قوم پچھوا سے ہلاک ہوئی۔ (یہ غزوہ احزاب کے دوران چلنے والی تیز ہوا کا ذکر ہے)۔'' (ایضاً، حدیث ۴۱۰۵)

۸- مجھ سے احمد بن عثمان نے بیان کیا، کہا ہم سے شریح بن مسلمہ نے، کہا مجھ سے ابراہیم بن یوسف نے، کہا مجھ سے میرے والد یوسف بن اسحاق نے، انھوں نے اپنے دادا ابو اسحاق سبیعی سے انھوں نے کہا کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے: ''جنگ احزاب یعنی خندق کی لڑائی کے دن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ خندق کی مٹی ڈھو رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پیٹ کی کھال گرد میں چھپ گئی تھی اور آپ کے سینہ مبارک پر بال بہت تھے۔ آپ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے شعر پڑھ رہے تھے اور مٹی ڈھوتے جاتے تھے۔'' (ایضاً، حدیث ۴۱۰۶)

کفر کی آخری چڑھائی

۹- ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے، انھوں نے ابو اسحاق سبیعی

Marfat.com

سے، انھوں نے سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے، وہ کہتے تھے: ''جب جنگ احزاب میں کافر بھاگ گئے تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: اب آج سے ہم ان پر (چڑھ کر) جائیں گے وہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے۔'' (ایضاً، حدیث ۴۱۰۹)

۱۰- ہم سے عبداللہ بن محمد مسندی نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن آدم نے، کہا ہم سے اسرائیل بن یونس نے، انھوں نے ابواسحاق سے، وہ کہتے تھے میں نے سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے: ''جب جنگ خندق میں کافروں کے گروہ (اپنے اپنے علاقوں کو) لوٹ گئے، مطلع صاف ہوگیا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب ہم ان سے لڑیں گے۔ یعنی ان پر چڑھ کر جائیں گے وہ ہم پر چڑھائی نہیں کرسکیں گے۔'' (ایضاً، حدیث ۴۱۱۰)

کافروں کے لیے بددعا

۱۱- ہم سے اسحاق بن منصور نے بیان کیا کہ ہم سے روح بن عبادہ نے کہا، ہم سے ہشام بن حسان نے، انھوں نے محمد بن سیرین سے، انھوں نے عبیدہ سلمانی سے، انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن فرمایا: ''اللہ ان کافروں کے گھر اور قبریں آگ سے بھر دے جیسے انھوں نے ہم کو سورج ڈوبنے تک بیچ والی نماز (عصر) نہ پڑھنے دی (لڑائی میں مشغول رکھا)۔'' (ایضاً، حدیث ۴۱۱۱)

۱۲- ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا ہم سے ہشام بن حسان نے انھوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے، انھوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، انھوں نے جابر بن عبداللہ انصاری سے، ''حضرت عمر خندق کے دن (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) اس وقت آئے جب سورج ڈوب گیا تھا۔ وہ قریش کے کافروں کو گالیاں دینے اور کہنے لگے: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مردود کافروں نے مجھ کو (عصر کی) نماز نہ پڑھنے دی، سورج ڈوبنے ہی کو تھا کہ اس وقت میں نے عصر پڑھی۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''واللہ میں نے تو اب تک نہیں پڑھی۔'' پھر ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطحان میں گئے۔ وہاں آپ نے نماز کے لیے وضو کیا، ہم نے بھی وضو کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے عصر کی نماز پڑھائی۔ اس وقت سورج ڈوب گیا تھا۔ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھائی۔"
(ایضاً، حدیث ۴۱۱۲)

۱۳۔ ہم سے محمد بن کثیر نے بیان کیا، کہا ہم کو سفیان ثوری نے خبر دی، انھوں نے محمد بن منکدر سے، انھوں نے کہا، میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے: "آنحضرت ﷺ نے جنگ خندق میں فرمایا" (لوگو) بنی قریظہ کے یہودیوں کی کون جا کر خبر لاتا ہے؟" زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "میں لاتا ہوں۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "بنی قریظہ کی کون خبر لاتا ہے؟" زبیر نے کہا: "میں لاتا ہوں۔" اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر پیغمبر کا ایک حواری (خاص رفیق یا وزیر) ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔" (ایضاً، حدیث ۴۱۱۳)

۱۴۔ ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم سے لیث بن سعد نے، انھوں نے سعید بن ابی سعید سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے کہا: "آنحضرت ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے۔ لا اله الا الله وحده اعز جنده و نصر عبده و غلب الاحزاب وحده فلا شئی بعده۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی سچا خدا نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنی فوج (مسلمانوں) کو عزت دی اور اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد کی اور کافروں کی فوجوں پر وہ اکیلا خداوند غالب آیا (سب کو بھگایا) اس کی سی ہستی کسی کی نہیں (سب نیست ہیں وہی ہست ہے)۔" (ایضاً، حدیث ۴۱۱۴)

۱۵۔ ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، ہم سے مروان بن معاویہ فزاری نے، انھوں نے اسماعیل بن ابی خالد سے، انھوں نے کہا میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے، سنا وہ کہتے تھے: "آنحضرت ﷺ نے (خندق کے دن) کافروں کی فوجوں پر بددعا کی۔ فرمایا: "یا اللہ کتاب (قرآن) اتارنے والے، جلد حساب لینے والے ان فوجوں کو بھگا دے، یا اللہ ان کو شکست دے، ان کے قدم اکھیڑ دے۔" (ایضاً، حدیث ۴۱۱۵)

Marfat.com

جہاد اور سفر سے واپسی کی دعا

۱۶- ہم سے محمد بن مقاتل نے بیان کیا، کہا ہم سے عبداللہ بن مبارک نے، کہا ہم کو موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی، انھوں نے سالم بن عبداللہ بن عمر اور نافع سے، ان دونوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انھوں نے کہا: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد یا حج یا عمرے سے لوٹ کر آتے تو پہلے تین بار اللہ اکبر کہتے پھر یوں فرماتے ''اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں اس کی بادشاہت ہے، اسی کو تعریف بجتی ہے۔ وہ سب کچھ کرسکتا ہے، ہم لوٹ کر آرہے ہیں، توبہ کرتے ہیں، بندگی کرتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں، اپنے مالک کے شکر گزار ہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کی، کافروں کی فوجوں کو اکیلے اسی نے شکست دی۔''

(ایضاً، حدیث ۴۱۱۶)

Marfat.com

رسول رحمت ﷺ اور اعصابی جنگ کا محاذ

اس کتاب میں ہم نے رسول رحمت ﷺ کی سیرت کا وہ حصہ مرتب کیا ہے جس میں آپ تلواروں کی چھاؤں میں کلمہ حق کی سربلندی کے لیے سربکف میدان میں اترے اور حرب وضرب کا حق ادا کیا۔ معرکہ حق و باطل میں شمشیر وسناں کی جنگ کے ساتھ ساتھ اعصابی جنگیں بھی جاری رہتی ہیں۔ بسا اوقات اعصابی جنگ زیادہ خطرناک اور تھکا دینے والی ہوتی ہے۔ حضور پاک ﷺ کے دشمنوں نے آپ کے خلاف بہت سی مہمات چلائیں اور آپ کو زچ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ان مہمات میں سے دو واقعات اپنی اہمیت اور نزاکت کے لحاظ سے بہت نمایاں ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات بھی نازل فرمائیں اور حضور کے مجموعہ ہائے حدیث میں محدثین نے ان سے متعلقہ احادیث کو بھی جمع کیا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ آنحضور ﷺ کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہے اور دوسرا واقعہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر فتنہ پردازوں کا بہتان ہے جسے افک کہا جاتا ہے۔

واقعہ افک تو عین سفر جنگ میں پیش آیا اور تمام مؤرخین نے اسے غزوات ہی کے باب میں شمار کیا ہے۔ نکاح زینب کا واقعہ غزوہ خندق کے دور سے متصل رونما ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ سورہ احزاب میں جنگ خندق کے واقعات کے ساتھ یوں منسلک کیا ہے کہ انھی کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ بدر وحنین اور احد وخیبر کی جنگیں تو تاریخ اور ماضی کا حصہ بن چکی ہیں مگر یہ واقعہ تو آج تک دشمنان اسلام کی زہر افشانی اور خبث باطن کے اظہار کا ذریعہ بنتا رہتا ہے۔ اس وجہ سے ہم اسے بھی غزوات کا حصہ سمجھتے ہیں اور اپنی اس کتاب میں شامل کر رہے ہیں۔ اس کی تفصیلات اگلے ابواب میں ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

رسول رحمت ﷺ کی کردار کشی

رسول اعظم ﷺ کے کمینے دشمن

حضور اکرم ﷺ نے دین حق کی خاطر بے پناہ مشکلات جھیلیں اور کھلے اور چھپے دشمنوں کے ہاتھوں ناقابل بیان ایذائیں برداشت کیں۔ آپ کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے، بہتان تراشی اور کردار کشی کی ایسی مہمیں چلائی گئیں کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ کے الفاظ میں ''کمینہ خصلت لوگوں کا خاصہ ہوتا ہے کہ جب وہ دوسرے کی خوبیاں اور اپنی خامیاں صریح طور پر دیکھ لیتے ہیں اور یہ بھی جان لیتے ہیں کہ اس کی خوبیاں اسے بڑھا رہی ہیں اور ان کی اپنی کمزوریاں انھیں گرا رہی ہیں تو انھیں یہ فکر لاحق نہیں ہوتی کہ اپنی کمزوریاں دور کریں اور اس کی خوبیاں اخذ کریں بلکہ وہ اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو سکے اس کے اندر بھی اپنے ہی جیسی برائیاں پیدا کر دیں اور یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس کے اوپر خوب گندگی اچھالیں تاکہ دنیا کو اس کی خوبیاں بے داغ نظر نہ آئیں۔ یہی ذہنیت تھی جس نے اس مرحلے پر دشمنانِ اسلام کی سرگرمیوں کا رخ جنگی کارروائیوں سے ہٹا کر رذیلانہ حملوں اور داخلی فتنہ انگیزیوں کی طرف پھیر دیا۔ اور چونکہ یہ خدمت باہر کے دشمنوں کی بہ نسبت خود مسلمانوں کے اندر کے منافقین زیادہ اچھی طرح انجام دے سکتے تھے اس لیے بالارادہ یا بلا ارادہ طریق کار یہ قرار پایا کہ مدینہ کے منافقین اندر سے فتنے اٹھائیں اور یہود و مشرکین باہر سے ان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔'' (تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۳۰۸)

Marfat.com

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آنحضور ﷺ کا نکاح

اس معاملے میں مزید تفصیلات لکھتے ہوئے مولانا مودودی رحمہ اللہ رسول رحمت ﷺ کے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ذکر کرتے ہیں: ''یہ نکاح حقیقت میں زمین پر نہیں آسمان پر ہوا تھا کیونکہ قرآن مجید کی سورہ احزاب میں خود اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں: زوجنکھا یعنی ''ہم نے آپ کا نکاح اس (زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا) سے کردیا'' (آیت نمبر ۳۷) اس کے باوجود اسلام دشمن قوتوں نے جو فتنہ کھڑا کیا اس کی صدائے بازگشت آج تک سنائی دے رہی ہے۔''

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں جن کا نکاح آپ نے خود اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردیا تھا۔ عرب کے جاہلی معاشرے میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا اور اس کی بیوی کو حقیقی بہو سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی رسم کو باطل قرار دیا اور اس کا بطلان مزید واضح کرنے کے لیے خود آنحضور ﷺ کو عملی نمونہ پیش کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ رسول رحمت ﷺ نے خالق کائنات کے حکم کی تعمیل کی مگر اسلام دشمن قوتوں نے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر ایک بہت بڑا طوفان بدتمیزی برپا کردیا۔ اس کی تفصیلات تاریخ کی کتابوں کے علاوہ حدیث کے تمام مجموعوں اور جملہ تفاسیر قرآن میں بھی ملتی ہیں۔ ہم آگے چل کر اس واقعہ کا خلاصہ مفسر قرآن سید مودودی کے الفاظ میں نذر قارئین کریں گے اس کے اندر بیش بہا اخلاقی دروس پنہاں ہے۔

معاشرتی اصلاحات

جنگ احد اور جنگ احزاب کے درمیان، دو سال کا یہ زمانہ اگرچہ ایسے ہنگاموں کا زمانہ تھا جن کی بدولت نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کو ایک دن کے لیے بھی امن اور اطمینان نصیب نہ ہوا لیکن اس پوری مدت میں نئے مسلم معاشرے کی تعمیر اور ہر پہلو میں زندگی کی اصلاح کا کام برابر جاری رہا۔ یہی زمانہ تھا جس میں مسلمانوں کے قوانین نکاح وطلاق قریب قریب مکمل ہوگئے، وراثت کا قانون بنا، شراب اور جوئے کو حرام کیا گیا اور معیشت ومعاشرت کے دوسرے بہت سے

Marfat.com

پہلوؤں میں نئے ضابطے نافذ کیے گئے۔

اس سلسلے کا ایک اہم مسئلہ جو اصلاح کا تقاضا کر رہا تھا تبنیت (گود لینے یا بیٹا بنانے) کا مسئلہ تھا۔عرب کے لوگ جس بچے کو متبنیٰ بنا لیتے تھے وہ بالکل ان کی حقیقی اولاد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔اسے وراثت ملتی تھی۔اس سے منہ بولی ماں اور منہ بولی بہنیں وہی خلا ملا رکھتی تھیں جو حقیقی بیٹے اور بھائی سے رکھا جاتا ہے۔اس کے ساتھ منہ بولے باپ کی بیٹیوں کا اور اس باپ کے مرجانے کے بعد اس کی بیوہ کا نکاح اسی طرح ناجائز سمجھا جاتا تھا جس طرح سگی بہن اور حقیقی ماں کے ساتھ کسی کا نکاح حرام ہوتا ہے اور یہی معاملہ اس صورت میں بھی کیا جاتا تھا جب منہ بولا بیٹا مرجائے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔منہ بولے باپ کے لیے وہ عورت سگی بہو کی طرح سمجھی جاتی تھی۔یہ رسم قدم قدم پر نکاح اور طلاق اور وراثت کے ان قوانین سے ٹکراتی تھی جو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں مقرر فرمائے تھے۔ان کی رو سے جو لوگ حقیقت میں وراثت کے حق دار تھے یہ رسم ان کا حق مار کر ایک ایسے شخص کو دلواتی تھی جو سرے سے کوئی حق نہ رکھتا تھا۔ان کی رو سے جن عورتوں اور مردوں کے درمیان رشتہ نکاح حلال تھا، یہ رسم ان کے باہمی نکاح کو حرام کرتی تھی اور سب سے زیادہ یہ کہ اسلامی قانون جن بداخلاقیوں کا سدباب کرنا چاہتا تھا، یہ رسم ان کے پھیلنے میں مددگار تھی کیونکہ رسم کے طور پر منہ بولے رشتے میں خواہ کتنا ہی تقدس پیدا کر دیا جائے، بہر حال منہ بولی ماں، منہ بولی بہن اور منہ بولی بیٹی حقیقی ماں، بہن اور بیٹی کی طرح نہیں ہو سکتی۔ان مصنوعی رشتوں کے رسمی تقدس پر بھروسہ کر کے مردوں اور عورتوں کے درمیان جب حقیقی رشتہ داروں کا سا خلا ملا ہو تو وہ برے نتائج پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ان وجوہ سے اسلامی قانونِ نکاح وطلاق، قانونِ وراثت اور قانونِ حرمت زنا کا یہ تقاضا تھا کہ متبنیٰ کو حقیقی اولاد کی طرح سمجھنے کے تخیل کا قطعی استیصال کر دیا جائے۔

لیکن یہ تخیل محض ایک قانونی حکم کے طور پر اتنی سی بات کہہ دینے سے ختم نہیں ہو سکتا تھا کہ ''منہ بولا رشتہ کوئی حقیقی رشتہ نہیں ہے۔'' صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات اور اوہام محض اقوال

Marfat.com

سے نہیں بدل جاتے۔ حکماً لوگ اس بات کو مان بھی لیتے کہ یہ رشتے حقیقی رشتے نہیں ہیں، پھر بھی منہ بولی ماں اور منہ بولے بیٹے کے درمیان منہ بولے بھائی اور بہن کے درمیان، منہ بولے باپ اور بیٹی کے درمیان، منہ بولے خسر اور بہو کے درمیان نکاح کو لوگ مکروہ ہی سمجھتے رہتے۔ نیز ان کے درمیان خلا ملا بھی کچھ نہ کچھ باقی رہ جاتا۔ اس لیے ناگزیر تھا کہ یہ رسم عملاً توڑی جائے، اور خود رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس اس کو توڑیں کیونکہ جو کام حضور ﷺ نے خود کیا ہو، اور اللہ کے حکم سے کیا ہو، اس کے متعلق کسی مسلمان کے ذہن میں کراہت کا تصور باقی نہ رہ سکتا تھا۔ اسی بنا پر جنگ احزاب سے کچھ پہلے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ کیا گیا کہ آپ اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی سے خود نکاح کر لیں اور اس حکم کی تعمیل آپ نے محاصرہ بنی قریظہ کے زمانے میں فرمائی (غالباً تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ عدت ختم ہونے کا انتظار تھا، اور اسی دوران میں جنگی مصروفیات پیش آگئی تھیں)

نکاح زینب پر پروپیگنڈے کا طوفان

یہ کام ہونا تھا کہ حضور ﷺ کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک طوفان یکلخت اٹھ کھڑا ہوا۔ مشرکین اور منافقین اور یہود سب آپ کی پے در پے کامیابیوں سے جلے بیٹھے تھے۔ احد کے بعد احزاب اور بنی قریظہ تک دو سال کی مدت میں جس طرح وہ زک پر زک اٹھاتے چلے گئے تھے اس کی وجہ سے ان کے دلوں میں آگ لگ رہی تھی۔ وہ اس بات سے بھی مایوس ہو چکے تھے کہ اب وہ کھلے میدان میں لڑ کر کبھی آپ کو زیر کر سکیں گے۔ اس لیے انھوں نے اس نکاح کے معاملے کو اپنے لیے ایک خداداد موقع سمجھا اور خیال کیا کہ اب ہم محمد ﷺ کی اس اخلاقی برتری کو ختم کر سکیں گے جو ان کی طاقت اور ان کی کامیابیوں کا اصل راز ہے۔ چنانچہ یہ افسانے تراشے گئے کہ (معاذ اللہ) محمد ﷺ بہو کو دیکھ کر عاشق ہو گئے تھے، بیٹے کو اس تعلق خاطر کا علم ہو گیا، اس نے بیوی کو طلاق دے دی اور باپ نے اس کے بعد بہو سے بیاہ رچا لیا۔ حالانکہ یہ بات صریحاً لغو تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ بچپن سے جوانی تک ان کی ساری عمر آپ کے

Marfat.com

سامنے گزری تھی۔ کسی وقت ان کو دیکھ کر عاشق ہو جانے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا تھا۔ پھر آپ نے خود اصرار کر کے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرایا تھا۔ ان کا سارا خاندان اس پر راضی نہ تھا کہ قریش کے اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی ایک آزاد کردہ غلام سے بیاہی جائے۔ خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اس رشتے سے ناخوش تھیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سب مجبور ہو گئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی شادی کر کے عرب میں اس امر کی پہلی مثال پیش کر دی گئی کہ اسلام ایک آزاد کردہ غلام کو اٹھا کر شرفائے قریش کے برابر لے آیا ہے۔ اگر فی الواقع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی میلان حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی جانب ہوتا تو زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، آپ خود ان سے نکاح کر سکتے تھے لیکن بے حیا مخالفین نے ان سارے حقائق کے موجود ہوتے ہوئے بھی یہ عشق کے افسانے تصنیف کیے، خوب نمک مرچ لگا لگا کر ان کو پھیلایا اور اس پروپیگنڈے کا صور اس زور سے پھونکا کہ خود مسلمانوں کے اندر بھی ان کی گھڑی ہوئی روایات پھیل گئیں۔

پردے کے ابتدائی احکام

یہ بات کہ دشمنوں کے تصنیف کیے ہوئے یہ افسانے مسلمانوں کی زبانوں پر چڑھنے سے بھی نہ رکے، اس امر کی کھلی ہوئی علامت تھی کہ معاشرے میں شہوانیت کا عنصر حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا تھا۔ یہ خرابی اگر موجود نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ذہن ایسی پاک ہستی کے متعلق ایسے بے سروپا اور اس قدر گھناؤنے افسانوں کی طرف ادنیٰ التفات بھی کرتے، کجا کہ زبانیں ان کو دہرانے لگتیں۔ یہ ٹھیک موقع تھا جبکہ اسلامی معاشرے میں ان اصلاحی احکام کے نفاذ کی ابتدا کی گئی جو ''حجاب'' (پردے) کے عنوان سے بیان کیے جاتے ہیں۔ ان اصلاحات کا آغاز اس سورہ سے کیا گیا، اور ان کی تکمیل ایک سال بعد سورۂ نور میں کی گئی جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کا فتنہ کھڑا ہوا۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن، تفسیر سورۂ نور، دیباچہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی کے معاملات

سیّد مودودیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''اسی زمانے میں دو مسئلے اور بھی توجہ طلب تھے۔ اگرچہ

Marfat.com

بظاہر ان کا تعلق نبی ﷺ کی خانگی زندگی سے تھا، مگر جو ذات اپنی جان خدا کے دین کو پروان چڑھانے کے لیے کھپا رہی تھی اور ہمہ تن اس کارِ عظیم میں منہمک تھی اس کے لیے خانگی زندگی کا سکون فراہم کرنا اور اس کو پریشانیوں سے بچانا، اور اس کو لوگوں کے شکوک و شبہات سے محفوظ رکھنا بھی خود دین ہی کے مفاد کے لیے ضروری تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سرکاری طور پر ان دونوں مسئلوں کو بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

پہلا مسئلہ

پہلا مسئلہ یہ تھا کہ نبی ﷺ اس وقت مالی حیثیت سے انتہائی تنگ حال تھے۔ ابتدائی چار سال تک تو آپ کا کوئی ذریعہ آمدنی تھا ہی نہیں۔ ۴ھ میں بنی نضیر کی جلاوطنی کے بعد ان کی متروکہ زمینوں کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کی ضروریات کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ مگر وہ آپ کے کنبے کے لیے کافی نہ تھا۔ ادھر منصب رسالت کے فرائض اتنے بھاری تھے کہ آپ ﷺ کے جسم اور دل و دماغ کی ساری طاقتیں اور آپ کے اوقات کا ایک ایک لمحہ انھی کی ادائیگی میں صرف ہو رہا تھا۔ اور آپ اپنی معاش کے لیے ذرّہ برابر بھی کوئی فکر یا کوشش نہ کر سکتے تھے۔ ان حالات میں جب آپ کی ازواج مطہرات خرچ کی تنگی کے باعث آپ کے سکون طبع میں خلل انداز ہوتی تھیں تو اس سے آپ کے ذہن پر دہرا بار پڑ جاتا تھا۔

دوسرا مسئلہ

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے آپ کی چار بیویاں موجود تھیں۔ حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہن۔ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی پانچویں بیوی تھیں۔ اس پر مخالفین نے یہ اعتراض اٹھایا اور مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس سے شبہات ابھرنے لگے کہ دوسروں کے لیے تو بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنا ممنوع ٹھہرا دیا گیا ہے مگر خود نبی ﷺ نے یہ پانچویں بیوی کیسے کر لی؟'' (تفہیم القرآن، جلد چہارم ص ۶۳-۶۶)

Marfat.com

اللہ کی طرف سے جواب

قرآن مجید میں خالق ارض وسماء نے خود اس کا بھی شافی جواب دے دیا ہے۔سورۂ احزاب آیت نمبر ۵۰ تا ۵۲ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

(الاحزاب ۳۳:۵۰-۵۲)

اے نبی ﷺ! ہم نے تمھارے لیے حلال کر دیں، تمھاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کیے ہیں اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمھاری ملکیت میں آئیں اور تمھاری وہ چچا زاد اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنھوں نے تمھارے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کر دیا ہو اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے، یہ رعایت خالصتاً تمھارے لیے ہے۔دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے۔ہم کو معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ہم نے کیا حدود عائد کیے ہیں۔(تمھیں ان حدود سے ہم نے اس لیے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تمھارے اوپر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ غفور و رحیم ہے۔تم کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے الگ رکھو، جسے چاہو اپنے ساتھ رکھو اور جسے چاہو الگ رکھنے کے بعد اپنے پاس بلالو۔اس معاملے میں تم پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اس طرح زیادہ متوقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی تم ان کو دوگے اس پر وہ سب راضی رہیں گی۔اللہ جانتا ہے جو کچھ تم لوگوں کے دلوں میں ہے اور اللہ علیم و حلیم ہے۔اس کے بعد تمھارے لیے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ ان کا حسن تمھیں کتنا ہی پسند ہو، البتہ لونڈیوں کی تمھیں اجازت ہے۔اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔

استثناء اور اس کی حکمتیں

یہ ایک استثنا ہے جو اللہ نے اپنے نبی کو عطا فرمایا۔اس میں بڑی حکمتیں پنہاں ہیں۔دور

Marfat.com

جدید کے فتنہ پرداز اسلام دشمن جہلا ہوں یا دورِ قدیم کے مفسدین و معاندین، سب کا شافی جواب ان آیات میں موجود ہے۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ اپنے تفسیری حاشیہ نمبر ۸۷ میں لکھتے ہیں کہ کفار و منافقین بے شک اس جواب سے مطمئن نہیں ہوں گے مگر اہلِ ایمان کا اطمینان ہو جائے گا۔ ''یہ دراصل جواب ہے ان لوگوں کے اعتراض کا جو کہتے تھے کہ محمد ﷺ دوسرے لوگوں کے لیے تو بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں ممنوع قرار دیتے ہیں، مگر خود انھوں نے یہ پانچویں بیوی کیسے کر لی۔ اس اعتراض کی بنیاد یہ تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت نبی ﷺ کی چار بیویاں موجود تھیں۔ ایک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جن سے ۳ قبل ہجرت میں آپ نے نکاح کیا تھا۔ دوسری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن سے نکاح تو ۳ قبل ہجرت میں ہو چکا تھا مگر ان کی رخصتی شوال ۱ھ میں ہوئی تھی، تیسری حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جن سے شعبان ۳ھ میں آپ کا نکاح ہوا اور چوتھی حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا جنھیں حضور ﷺ نے شوال ۴ھ میں زوجیت کا شرف عطا فرمایا۔ اس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی پانچویں بیوی تھیں۔ اس پر کفار و منافقین جو اعتراض کر رہے تھے اس کا جواب اللہ تعالیٰ یہ دے رہا ہے کہ اے نبی، تمھاری یہ پانچوں بیویاں جنھیں مہر دے کر تم اپنے نکاح میں لائے ہو ہم نے تمھارے لیے حلال کی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لیے چار کی قید لگانے والے بھی ہم ہی ہیں اور اپنے نبی کو اس قید سے مستثنیٰ کرنے والے بھی ہم خود ہیں۔ اگر وہ قید لگانے کے ہم مجاز تھے تو آخر اس استثناء کے مجاز ہم کیوں نہیں ہیں۔

اس جواب کے بارے میں یہ بات پھر ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ اس سے مقصود کفار و منافقین کو مطمئن کرنا نہیں تھا بلکہ ان مسلمانوں کو مطمئن کرنا تھا جن کے دلوں میں مخالفین اسلام وسوسے ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انھیں چونکہ یقین تھا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے اپنے الفاظ میں نازل ہوا ہے، اس لیے قرآن کی ایک محکم آیت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ نبی نے چار بیویوں کے عام قانون سے اپنے آپ کو خود مستثنیٰ نہیں کر لیا ہے بلکہ یہ استثناء کا فیصلہ ہمارا کیا ہوا ہے۔'' (تفہیم القرآن، جلد سوم ص ۱۱۲-۱۱۳)

Marfat.com

استثناء کی تفاصیل

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے جو رعایت اور استثناء بیان کیا ہے اس کی تین اقسام ہیں۔ان کی تفصیل تحریر کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن فرماتے ہیں:

''پانچویں بیوی کو حضور ﷺ کے لیے حلال کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور ﷺ کو چند مزید اقسام کی عورتوں سے بھی نکاح کی اجازت عطا فرمائی:

۱- ملک یمین:

وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے آپ ﷺ کی ملکیت میں آئیں۔اس اجازت کے مطابق حضور ﷺ نے غزوۂ بنی قریظہ کے سبایا میں سے حضرت ریحانہؓ، غزوۂ بنی المصطلق کے سبایا میں سے حضرت جویریہؓ، غزوۂ خیبر کے سبایا میں سے حضرت صفیہؓ اور مقوقس مصر کی بھیجی ہوئی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے مخصوص فرمایا۔ان میں سے مقدم الذکر تین کو آپ ﷺ نے آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تھا، لیکن حضرت ماریہؓ سے بر بنائے ملک یمین تمتع فرمایا، ان کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا ہو۔

۲-رشتہ دار خواتین

آپ ﷺ کی چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد بہنوں میں سے وہ خواتین جنھوں نے ہجرت میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا ہو۔آیت میں آپ کے ساتھ ''ہجرت کرنے'' کا جو ذکر آیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہجرت کے سفر میں آپ کے ساتھ رہی ہوں۔ بلکہ یہ تھا کہ وہ بھی اسلام کی خاطر راہ خدا میں ہجرت کر چکی ہوں۔حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ ان رشتہ دار مہاجر خواتین میں سے بھی آپ ﷺ جس سے چاہیں نکاح کر سکتے ہیں۔چنانچہ اس اجازت کے مطابق آپ ﷺ نے ۷ ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔(ضمناً اس آیت میں یہ صراحت بھی ہے کہ چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ کی بیٹیاں ایک مسلمان کے لیے حلال ہیں۔اس

Marfat.com

معاملے میں اسلامی شریعت عیسائی اور یہودی، دونوں مذہبوں سے مختلف ہے۔عیسائیوں کے ہاں کسی ایسی عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا جس سے سات پشت تک مرد کا نسب ملتا ہو اور یہودیوں کے ہاں سگی بھانجی اور بھتیجی تک سے نکاح جائز ہے)

۳-موہب خواتین

وہ مومن عورت جو اپنے آپ کو نبی ﷺ کے لیے ہبہ کرے یعنی بلا مہر اپنے آپ کو حضور ﷺ کے نکاح میں دینے کے لیے تیار ہو اور حضور اسے قبول کرنا پسند فرمائیں۔اس اجازت کی بنا پر آپ ﷺ نے شوال ۷ ھ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لیا لیکن آپ ﷺ نے یہ پسند نہ کیا کہ مہر کے بغیر ان کے ہبہ سے فائدہ اٹھائیں۔اس لیے آپ ﷺ نے ان کی کسی خواہش اور مطالبہ کے بغیر ان کو مہر عطا فرمایا۔بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے نکاح میں کوئی موہوبہ بیوی نہ تھیں۔مگر اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہبہ کرنے والی بیوی کو بھی مہر دیے بغیر نہ رکھا۔" (صفحہ ۱۱۳-۱۱۴)

حضور ﷺ کا مقام منفرد

آیت نمبر ۵۰ میں آنحضور ﷺ کو دی گئی رعایت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ یہ خالصتاً آپ ﷺ ہی کے لیے ہے، کوئی دوسرا مسلمان (امتی) خواہ اس کا مقام و مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، اس رعایت کا مستحق نہیں ہے۔مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اس موقع پر بعض وہ امور بھی بیان فرمائے ہیں جو آنحضور ﷺ پر واجب یا ضروری قرار دیے گئے تھے، ان کے ذریعے آپ پر بعض خصوصی پابندیاں عائد کی گئی تھیں حالانکہ امت کے دیگر افراد پر ان کا وجوب یا پابندی نہیں ہے۔

"اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کچھ احکام نبی ﷺ کے لیے خاص ہیں جن میں امت کے دوسرے لوگ آپ کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔قرآن وسنت کے تتبع سے ایسے متعدد احکام کا پتہ چلتا ہے۔مثلاً حضور ﷺ کے لیے نماز تہجد فرض

Marfat.com

تھی اور باقی تمام امت کے لیے وہ نفل ہے۔ آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کے خاندان والوں کے لیے صدقہ لینا حرام ہے اور کسی دوسرے کے لیے وہ حرام نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی میراث تقسیم نہ ہوسکتی تھی، باقی سب کی میراث کے لیے وہ احکام ہیں جو سورۂ نساء میں بیان ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کے لیے چار سے زائد بیویاں حلال کی گئیں، بیویوں کے درمیان عدل آپ ﷺ پر واجب نہیں کیا گیا، اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت سے بلا مہر نکاح کرنے کی آپ کو اجازت دی گئی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی بیویاں تمام امت پر حرام کردی گئیں۔ ان میں سے کوئی خصوصیت بھی ایسی نہیں ہے جو حضور ﷺ کے علاوہ کسی مسلمان کو حاصل ہو۔ مفسرین نے آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی ہے کہ آپ کے لیے کتابیہ عورت سے نکاح ممنوع تھا، حالانکہ باقی امت کے لیے وہ حلال ہے۔" (صفحہ ۱۱۴-۱۱۵)

مصلحت ربانی

آنحضور ﷺ کو جو استثناء دیا گیا ہے وہ اندھی بانٹ نہیں بلکہ حکیم مطلق کی حکمت بالغہ کا تقاضا تھا کہ یہ استثناء اور رعایت دے کر دین حق کے غلبے کا راستہ ہموار کیا جاتا۔ اس مصلحت کی تشریح سید مودودی کے الفاظ میں پڑھیے۔

"یہ وہ مصلحت ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو عام قاعدے سے مستثنیٰ فرمایا: "تنگی نہ رہے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کی خواہشات نفسانی بہت بڑھی ہوئی تھیں اس لیے آپ کو بہت سی بیویاں کرنے کی اجازت دے دی گئی تاکہ آپ صرف چار بیویوں تک محدود رہنے میں تنگی محسوس نہ فرمائیں۔ اس فقرے کا یہ مطلب صرف وہی شخص لے سکتا ہے جو تعصب میں اندھا ہو کر اس بات کو بھول جائے کہ محمد ﷺ نے ۲۵ سال کی عمر میں ایک ایسی خاتون سے شادی کی تھی جن کی عمر اس وقت ۴۰ سال تھی اور پورے ۲۵ برس تک آپ ﷺ ان

Marfat.com

کے ساتھ خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر جب ان کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے ایک اور سن رسیدہ خاتون حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور پورے چار سال تک تنہا وہی آپ ﷺ کی بیوی رہیں۔ اب آخر کون صاحب عقل اور ایمان دار آدمی یہ تصور کرسکتا ہے کہ ۵۳ سال کی عمر سے گزر جانے کے بعد یکا یک حضور ﷺ کی خواہشات نفسانی بڑھتی چلی گئیں اور آپ کو زیادہ سے زیادہ بیویوں کی ضرورت پیش آنے لگی۔ دراصل ''تنگی نہ رہنے'' کا مطلب سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ایک طرف تو اس کار عظیم کو نگاہ میں رکھے جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر ڈالی تھی اور دوسری طرف ان حالات کو سمجھے جن میں یہ کار عظیم انجام دینے کے لیے آپ کو مامور کیا گیا تھا۔ تعصب سے ذہن کو پاک کر کے جو شخص بھی ان دونوں حقیقتوں کو سمجھ لے گا وہ بخوبی جان لے گا کہ بیویوں کے معاملے میں آپ ﷺ کو کھلی اجازت دینا کیوں ضروری تھا اور چار کی قید میں آپ ﷺ کے لیے کیا ''تنگی'' تھی۔

ناتراشیدہ قوم کی تربیت

حضور ﷺ کے سپرد جو کام کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ آپ ایک ان گھڑ قوم کو جو اسلامی نقطہ نظر ہی سے نہیں بلکہ عام تہذیب وتمدن کے نقطہ نظر سے بھی ناتراشیدہ تھی، ہر شعبہ زندگی میں تعلیم وتربیت دے کر ایک اعلیٰ درجے کی مہذب وشائستہ اور پاکیزہ قوم بنائیں۔ اس غرض کے لیے صرف مردوں کو تربیت دینا کافی نہ تھا، بلکہ عورتوں کی تربیت بھی اتنی ہی ضروری تھی مگر جو اصولِ تمدن و تہذیب سکھانے کے لیے آپ مامور کیے گئے تھے ان کی رو سے مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط ممنوع تھا اور اس قاعدے کو توڑے بغیر آپ ﷺ کے لیے عورتوں کو براہ راست خود تربیت دینا ممکن نہ تھا۔ اس بنا پر عورتوں میں کام کرنے کی صرف یہی ایک صورت آپ ﷺ کے لیے ممکن تھی کہ مختلف عمروں اور ذہنی صلاحیتوں کی متعدد خواتین سے آپ نکاح کریں، ان کو براہ راست خود تعلیم وتربیت دے کر اپنی مدد کے لیے تیار کریں اور پھر ان سے شہری اور بدوی اور جوان اور ادھیڑ اور بوڑھی، ہر قسم کی عورتوں کو دین سکھانے اور اخلاق وتہذیب کے نئے اصول

Marfat.com

سمجھانے کا کام لیں۔

قبائلی نظام کے تقاضے

اس کے علاوہ نبی ﷺ کے سپرد یہ خدمت بھی کی گئی تھی کہ پرانے جاہلی نظام زندگی کو ختم کر کے اس کی جگہ اسلامی نظام زندگی عملاً قائم کر دیں۔ اس خدمت کی انجام دہی میں جاہلی نظام کے علمبرداروں سے جنگ ناگزیر تھی اور یہ کشمکش ایک ایسے ملک میں پیش آ رہی تھی جہاں قبائلی طرز زندگی اپنی مخصوص روایات کے ساتھ رائج تھا۔ ان حالات میں دوسری تدابیر کے ساتھ آپ ﷺ کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ آپ مختلف خاندانوں میں نکاح کر کے بہت سی دوستیوں کو پختہ اور بہت سی عداوتوں کو ختم کر دیں۔ چنانچہ جن خواتین سے آپ ﷺ نے شادیاں کیں ان کے ذاتی اوصاف کے علاوہ ان کے انتخاب میں یہ مصلحت بھی کم و بیش شامل تھی۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکاح کر کے آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو اور زیادہ گہرا اور مستحکم کر لیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس خاندان کی بیٹی تھیں جس سے ابوجہل اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا تعلق تھا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ ان شادیوں نے بہت بڑی حد تک ان خاندانوں کی دشمنی کا زور توڑ دیا، بلکہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور ﷺ کا نکاح ہونے کے بعد تو ابوسفیان پھر کبھی حضور ﷺ کے مقابلے پر نہ آیا۔ حضرت صفیہ، جویریہ اور ریحانہ رضی اللہ عنہن یہودی خاندان سے تھیں۔ انھیں آزاد کر کے جب حضور ﷺ نے ان سے نکاح کیے تو آپ کے خلاف یہودیوں کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں، کیونکہ اس زمانے کی عربی روایات کے مطابق جس شخص سے کسی قبیلے کی بیٹی بیاہی جاتی تھی وہ صرف لڑکی کے خاندان ہی کا نہیں بلکہ پورے قبیلے کا داماد سمجھا جاتا تھا اور داماد سے لڑنا بڑے عار کی بات تھی۔

معاشرے کی عملی اصلاح اور اس کی جاہلانہ رسوم کو توڑنا بھی آپ ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ چنانچہ ایک نکاح آپ ﷺ کو اس مقصد کے لیے بھی کرنا پڑا، جیسا کہ اسی سورۃ الاحزاب میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔

Marfat.com

یہ مصلحتیں اس بات کی مقتضی تھیں کہ نبی ﷺ کے لیے نکاح کے معاملے میں کوئی تنگی باقی نہ رکھی جائے تاکہ جو کارِ عظیم آپ کے سپرد کیا گیا تھا اس کی ضروریات کے لحاظ سے آپ جتنے نکاح کرنا چاہیں کرلیں۔

تعدد ازواج کی اصل حقیقت

اس بیان سے ان لوگوں کے خیال کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ تعدد ازواج صرف چند خاص شخصی ضرورتوں کی خاطر ہی جائز ہے اور ان کے ماسوا کوئی غرض ایسی نہیں ہو سکتی جس کے لیے یہ جائز ہو۔ ظاہر بات ہے کہ نبی ﷺ نے جو ایک سے زائد نکاح کیے ان کی وجہ یہ نہ تھی کہ بیوی بیمار تھی، یا بانجھ، یا اولاد نرینہ نہ تھی یا کچھ یتیموں کی پرورش کا مسئلہ درپیش تھا۔ ان محدود شخصی ضروریات کے بغیر آپ ﷺ نے نکاح یا تو تبلیغی و تعلیمی ضروریات کے لیے کیے یا اصلاح معاشرہ کے لیے یا سیاسی و اجتماعی مقاصد کے لیے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ نے خود تعدد ازواج کو ان چندگنی چنی مخصوص اغراض تک، جن کا آج نام لیا جارہا ہے، محدود نہیں رکھا اور اللہ کے رسول نے ان کے سوا بہت سے دوسرے مقاصد کے لیے متعدد نکاح کیے، تو کوئی دوسرا شخص کیا حق رکھتا ہے کہ قانون میں اپنی طرف سے چند قیود تجویز کرے اور اوپر سے دعویٰ یہ کرے کہ یہ حد بندیاں وہ شریعت کے مطابق کر رہا ہے۔ دراصل ان ساری حد بندیوں کی جڑ یہ مغربی تخیل ہے کہ تعدد ازواج بجائے خود ایک برائی ہے۔ اس تخیل کی بنا پر یہ نظریہ پیدا ہوا ہے کہ یہ فعل حرام اگر کبھی حلال ہو بھی سکتا ہے تو صرف شدید ناگزیر ضروریات کے لیے ہو سکتا ہے۔ اب اس درآمد شدہ تخیل پر اسلام کا جعلی ٹھپہ لگانے کی چاہے کتنی ہی کوشش کی جائے، قرآن وسنت اور پوری امت مسلمہ کا لٹریچر اس سے قطعاً ناآشنا ہے۔'' (صفحہ ۱۱۵-۱۱۷)

حضور ﷺ کا اختیار اور عدل ومساوات

ازدواجی اور خانگی معاملات ومسائل میں بعض اوقات بہت سی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے خلق عظیم پر تو خود قرآن گواہ ہے۔ اس کے باوجود انسانی فطرت کی جو

Marfat.com

محدودیت اور کمزوریاں عام انسانوں میں تخلیقی طور پر خالق نے رکھی ہیں ان سے مفر ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو ایسی ہدایات دیں کہ جن پر عملدرآمد سے آنحضور ﷺ کو سکون مل سکتا تاکہ آپ یکسوئی سے دینِ حق کی جدوجہد میں مصروف ہو سکتے۔ آنحضور ﷺ کے خانگی معاملات پر اوپر نقل کی گئی آیات میں جو ہدایات آپ نے دیکھی ہیں ان کی تشریح سید مودودیؒ کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

''اس آیت سے مقصود نبی ﷺ کو خانگی زندگی کی الجھنوں سے نجات دلانا تھا تاکہ آپ ﷺ پورے سکون کے ساتھ اپنا کام کر سکیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں حضور ﷺ کو پورے اختیارات دے دیے کہ ازواج مطہرات میں سے جس کے ساتھ جو برتاؤ چاہیں کریں تو اس بات کا کوئی امکان نہ رہا کہ یہ مومن خواتین آپ کو کسی طرح پریشان کرتیں یا آپس میں مسابقت اور رقابت کے جھگڑے پیدا کر کے آپ کے لیے الجھنیں پیدا کرتیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے یہ اختیار پا لینے کے بعد بھی حضور ﷺ نے تمام ازواج کے درمیان پورا پورا عدل فرمایا، کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی اور باقاعدہ باری مقرر کر کے آپ سب کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔ محدثین میں سے صرف ابورزین یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صرف چار بیویوں (حضرت عائشہ، حضرت حفصہ حضرت زینب اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن) کو باریوں کی تقسیم میں شامل کیا تھا اور باقی ازواج کے لیے کوئی باری مقرر نہ کی تھی لیکن دوسرے تمام محدثین و مفسرین اس کی تردید کرتے ہیں اور نہایت قوی روایات سے اس امر کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ اس اختیار کے بعد بھی حضور ﷺ تمام ازواج کے ہاں باری باری سے جاتے تھے اور سب سے یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ بخاری، مسلم، نسائی اور ابوداؤد وغیرہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''اس آیت کے نزول کے بعد بھی حضور ﷺ کا طریقہ یہی رہا کہ آپ ﷺ ہم میں سے کسی بیوی کی باری کے دن دوسری بیوی کے ہاں جاتے تو اس سے اجازت لے کر جاتے تھے۔'' ابوبکر جصاص عروہ بن زبیر کی روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ باریوں کی تقسیم میں ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ اگرچہ کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ

Marfat.com

آپ کسی روز اپنی سب بیویوں کے ہاں نہ جاتے ہوں، مگر جس بیوی کی باری کا دن ہوتا تھا، اس کے سوا کسی اور دوسری بیوی کو چھوتے تک نہ تھے۔'' اور یہ روایت بھی حضرت عائشہ ہی کی ہے کہ جب حضور ﷺ اپنی آخری بیماری میں مبتلا ہوئے اور نقل وحرکت آپ ﷺ کے لیے مشکل ہوگئی تو آپ نے سب بیویوں سے اجازت طلب کی کہ مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہنے دو اور جب سب نے اجازت دے دی تب آپ ﷺ نے آخری زمانہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزارا۔ ابن ابی حاتم امام زہری کا قول نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا کسی بیوی کو باری سے محروم کرنا ثابت نہیں ہے۔ اس سے صرف حضرت سودہ رضی اللہ عنہا مستثنیٰ ہیں جنھوں نے خود اپنی باری بخوشی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخش دی تھی کیونکہ وہ بہت سن رسیدہ ہوچکی تھیں۔

اس مقام پر کسی کے دل میں یہ شبہ نہ رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے معاذ اللہ اس آیت میں اپنے نبی کے ساتھ کوئی بے جا رعایت کی تھی اور ازواج مطہرات کے ساتھ حق تلفی کا معاملہ فرمایا تھا۔ دراصل جن عظیم مصالح کی خاطر نبی ﷺ کو بیویوں کی تعداد کے معاملے میں عام قاعدے سے مستثنیٰ کیا گیا تھا انھی مصالح کا تقاضا یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ کو خانگی زندگی کا سکون بہم پہنچایا جائے اور ان اسباب کا سدباب کیا جائے جو آپ ﷺ کے لیے پریشان خاطری کے موجب ہو سکتے ہوں۔ ازواج مطہرات کے لیے یہ ایک بہت بڑا شرف تھا کہ انھیں نبی ﷺ جیسی بزرگ ترین ہستی کی زوجیت حاصل ہوئی اور اس کی بدولت ان کو یہ موقع نصیب ہوا کہ دعوت واصلاح کے اس عظیم الشان کام میں آپ کی رفیق کار بنیں، جو رہتی دنیا تک انسانیت کی فلاح کا ذریعہ بننے والا تھا۔ اس مقصد کے لیے جس طرح نبی ﷺ غیر معمولی ایثار وقربانی سے کام لے رہے تھے اور تمام صحابہ کرام اپنی حد استطاعت تک قربانیاں کررہے تھے اسی طرح ازواج مطہرات کا بھی یہ فرض تھا کہ ایثار سے کام لیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کو تمام ازواج مطہرات رسول ﷺ نے بخوشی قبول کیا۔'' (صفحہ ۱۱۷-۱۱۸)

......✿......✿......✿......

Marfat.com

نکاحِ زینب پر قرآن مجید کا تبصرہ

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے آنحضور ﷺ کا نکاح سیرت پاک کے اہم واقعات میں سے ایک واقعہ ہے۔ اگرچہ یہ خالص نجی مسئلہ ہے مگر حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا کوئی گوشہ اندھیرے میں نہیں رہنے دیا گیا۔ بدطینت دشمنوں نے بدر منیر پر تھوکنے کی گھٹیا حرکت کی مگر خالق رحمت نے ان کے تمام حملوں کو انھی پر الٹ دیا۔ رسول رحمت ﷺ کا کردار یوں نکھر کر سامنے آ گیا کہ آپ کے دامن پر کوئی دھبہ نظر نہیں آتا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ آپ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام، منہ بولے بیٹے اور عظیم صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶

(الاحزاب ۳۳:۳۶)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا رشتہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے

اس آیت کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عکرمہ اور مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل

Marfat.com

ہوئی تھی جب نبی ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے رشتہ داروں نے اسے نامنظور کر دیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے یہ پیغام دیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: انا خیر منه نسباً میں اس سے نسب میں بہتر ہوں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ انھوں نے جواب میں یہ بھی کہا تھا کہ لا ارضاہ لنفسی و انا ایم قریش میں اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتی، میں قریش کی شریف زادی ہوں۔ اسی طرح کا اظہار نارضامندی ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا۔ اس لیے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی پھوپھی (امیمہ بنت عبدالمطلب) کی صاحبزادی تھیں۔ ان لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی اور وہ بھی کوئی غیر نہیں بلکہ حضور ﷺ کی اپنی پھوپھی زاد بہن ہے اور اس کا پیغام آپ اپنے آزاد کردہ غلام کے لیے دے رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اسے سنتے ہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے سب خاندان والوں نے بلا تامل سرِ اطاعت خم کر دیا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے ان کا نکاح پڑھایا، خود حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طرف سے دس دینار اور ۶۰ درہم مہر ادا کیا، چڑھاوے کے کپڑے دیے اور کچھ سامان خوراک گھر کے خرچ کے لیے بھجوا دیا۔

آیت کا عمومی اطلاق

یہ آیت اگرچہ ایک خاص موقع پر نازل ہوئی ہے مگر جو حکم اس میں بیان کیا گیا ہے وہ اسلامی آئین کا اصل الاصول ہے اور اس کا اطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے۔ اس کی رو سے کسی مسلمان فرد، یا قوم یا ادارے یا عدالت یا پارلیمنٹ یا ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم ثابت ہو اس میں وہ خود اپنی آزادی رائے استعمال کرے۔ مسلمان ہونے کے معنی ہی خدا اور رسول ﷺ کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانے کے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مسلمان بھی ہونا اور اپنے لیے اس اختیار کو محفوظ بھی رکھنا، دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان ان دونوں رویوں کو جمع کرنے کا

Marfat.com

تصور نہیں کر سکتا۔ جسے مسلمان رہنا ہو اس کو لازماً حکم خدا اور رسول کے آگے جھک جانا ہوگا اور جسے نہ جھکنا ہو اس کو سیدھی طرح ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ نہ مانے گا تو چاہے اپنے مسلمان ہونے کا وہ کتنا ہی ڈھول پیٹے، خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد چہارم، حاشیہ نمبر ٦٦، ص ۹۸-۹۹)

سنت اللہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نباہ نہ ہو سکا حالانکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کافی نصیحت اور تلقین کی کہ باہمی افہام و تفہیم سے ازدواجی زندگی کو جاری رکھیں۔ بالآخر جب یہ نکاح طلاق پر منتج ہوا تو اللہ کے حکم سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے خود نکاح کر لیا۔ اس سارے دور اور بعد کے فتنوں کا احاطہ قرآن مجید کی آیت نمبر ۳۷ تا ۳۹ میں کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾ (الاحزاب ۳۳: ۳۷-۳۹)

''اے نبی یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ ''اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر'' اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم

Marfat.com

نے اس (مطلقہ خاتون یعنی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔ نبی پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہو۔ یہی اللہ کی سنت ان سب انبیا کے معاملے میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ (یہ اللہ کی سنت ہے ان لوگوں کے لیے) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور ایک خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور محاسبے کے لیے بس اللہ ہی کافی ہے۔

اہل ایمان کا اطمینان

ان آیات کی تفسیر میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے نہایت ایمان افروز انداز میں سارے واقعات کی تفصیل لکھی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

"یہاں سے آیت ۴۸ تک کا مضمون اس وقت نازل ہوا جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کر چکے تھے اور اس پر منافقین، یہود اور مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک طوفان عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ان آیات کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات ان دشمنوں کی تفہیم کے لیے نہیں تھے جو قصداً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے اور اپنے دل کی جلن نکالنے کے لیے جھوٹ اور بہتان اور طعن و تشنیع کی مہم چلا رہے تھے، بلکہ اصل مقصود مسلمانوں کو ان کی اس مہم کے اثرات سے بچانا اور ان کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات سے محفوظ کرنا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ کا کلام منکرین کو مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے اگر اطمینان نصیب ہو سکتا تھا تو انھی لوگوں کو جو جانتے اور مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ ان بندگان حق کے متعلق اس وقت یہ

Marfat.com

خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ دشمنوں کے اعتراضات کہیں ان کے دلوں میں بھی شک اور ان کے دماغوں میں بھی الجھن نہ پیدا کر دیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تمام امکانی شبہات کا ازالہ فرمایا، اور دوسری طرف مسلمانوں کو بھی اور خود نبی ﷺ کو بھی یہ بتایا کہ ان حالات میں ان کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔'' (حاشیہ نمبر ۶۷ صفحہ ۹۹)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

آیت میں ''اس شخص'' کا ذکر ہے۔ اس شخص سے مراد سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ قرآن مجید میں جس واحد صحابی کا ذکر ان کے نام کے ساتھ آیا ہے وہ یہی بزرگ ہیں۔ سید مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مراد ہیں حضرت زید، جیسا کہ آگے بصراحت بیان فرما دیا گیا ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا احسان کیا تھا اور نبی ﷺ کا احسان کیا؟ اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مختصراً یہاں ان کا قصہ بیان کر دیا جائے۔ یہ دراصل قبیلہ کلب کے ایک شخص حارثہ بن شراحیل کے بیٹے تھے اور ان کی ماں سعدیٰ بنت ثعلبہ قبیلہ طے کی شاخ بنی معن سے تھیں۔ جب یہ آٹھ سال کے بچے تھے اس وقت ان کی ماں انھیں اپنے میکے لے کر گئیں۔ وہاں بنی قین بن جسر کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کیا اور لوٹ مار کے ساتھ جن آدمیوں کو وہ پکڑ لے گئے ان میں حضرت زید بھی تھے۔ پھر انھوں نے طائف کے قریب عکاظ کے میلے میں لے جا کر ان کو بیچ دیا۔ خریدنے والے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ انھوں نے مکہ لا کر اپنی پھوپھی صاحبہ کی خدمت میں نذر کر دیا۔ نبی ﷺ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا تو حضور ﷺ نے ان کے ہاں زید کو دیکھا اور ان کی عادات واطوار آپ ﷺ کو اس قدر پسند آئیں کہ آپ نے انھیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مانگ لیا۔ اس طرح یہ خوش قسمت لڑکا اس خیر الخلائق ہستی کی خدمت میں پہنچ گیا جسے چند سال بعد اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نبی بنانے والا تھا۔اس وقت حضرت زید کی عمر ۱۵ سال تھی۔کچھ مدت بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ہمارا بچہ مکہ میں ہے۔وہ انھیں تلاش کرتے ہوئے نبی ﷺ تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو فدیہ چاہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، آپ ہمارا بچہ ہمیں دے دیں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اسی کی مرضی پر چھوڑے دیتا ہوں کہ وہ تمھارے ساتھ جانا چاہتا ہے یا میرے پاس رہنا پسند کرتا ہے۔اگر وہ تمھارے ساتھ جانا چاہے گا تو میں کوئی فدیہ نہ لوں گا اور اسے یوں ہی چھوڑ دوں گا لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو شخص میرے پاس رہنا چاہتا ہو اسے خواہ مخواہ نکال دوں۔انھوں نے کہا یہ تو آپ ﷺ نے انصاف سے بھی بڑھ کر درست بات فرمائی ہے۔آپ بچے کو بلا کر پوچھ لیجیے۔حضور ﷺ نے زید کو بلایا اور ان سے کہا ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں، یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی۔اب تمھیں پوری آزادی ہے کہ چاہو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو میرے ساتھ رہو۔انھوں نے جواب دیا کہ میں آپ ﷺ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ان کے باپ اور چچا نے کہا، زید، کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اس شخص کے جو اوصاف دیکھے ہیں ان کا تجربہ کر لینے کے بعد میں اب دنیا میں کسی کو بھی اس پر ترجیح نہیں دے سکتا۔زید کا یہ جواب سن کر ان کے باپ اور چچا بخوشی راضی ہو گئے۔حضور ﷺ نے اسی وقت زید کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش مکہ کے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ آپ سب لوگ گواہ رہیں، آج سے زید میرا بیٹا ہے، یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔اسی بنا پر لوگ ان کو زید بن محمد ﷺ کہنے لگے۔یہ سب واقعات نبوت سے پہلے کے ہیں پھر جب نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

طرف سے منصب نبوت پر سرفراز ہوئے تو چار ہستیاں ایسی تھیں جنھوں نے ایک لمحہ شک وتردد کے بغیر آپ سے نبوت کا دعویٰ سنتے ہی اسے تسلیم کرلیا۔ ایک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، دوسرے حضرت زید رضی اللہ عنہ، تیسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور چوتھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ اس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۰ سال تھی اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہوئے ۱۵ سال گزر چکے تھے۔ ہجرت کے بعد ۴ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا، اپنی طرف سے ان کا مہر ادا کیا اور گھر بسانے کے لیے ان کو ضروری سامان عنایت فرمایا۔ یہی حالات ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں اشارہ فرما رہا ہے کہ جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا۔ (حاشیہ نمبر ۶۸ صفحہ ۹۹-۱۰۰)

ازدواجی انقطاع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرماتے تھے تاکہ وہ صبر وتحمل سے کام لے کر نباہ کرتے رہیں مگر یہ نباہ نہ ہوسکا۔ اس معاملے میں آیت نمبر ۳۷ (سورہ احزاب) کے متعلقہ حصے کی تفسیر صاحب تفہیم القرآن کے قلم معجز رقم سے ملاحظہ فرمائیے:

''یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہوچکے تھے اور انھوں نے بار بار شکایات پیش کرنے کے بعد آخر کار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اگرچہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان کر ان کے نکاح میں جانا قبول کرلیا تھا لیکن وہ اپنے دل سے اس احساس کو کسی طرح نہ مٹا سکیں کہ زید ایک آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں اور وہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی بیٹی ہونے کے باوجود اس کم تر درجے کے آدمی سے بیاہی گئی ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں انھوں نے کبھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے برابر کا نہ سمجھا اور اسی وجہ سے دونوں کے درمیان تلخیاں بڑھتی چلی

Marfat.com

گئیں۔ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت گزری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔" (حاشیہ نمبر ۶۹ صفحہ ۱۰۰)

قرآن مجید کے مفاہیم نہایت بلیغ اور عام فہم ہیں مگر جن لوگوں کے ذہنوں میں ٹیڑھ ہوتی ہے وہ اپنی من مانی تاویلوں سے سطرِ قرآن کو چلیپا کرنے میں کوئی باک محسوس کرتے ہیں نہ شرم۔ بات کو دل میں چھپانے اور لوگوں سے ڈرنے کی وجوہات اوپر آیت نمبر ۳۷ میں بیان ہوئی ہے۔ اس کا مفہوم بھی گمراہ عناصر نے اپنی مرضی سے متعین کیا ہے۔ سید مودودی رحمۃ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

دلوں کی ٹیڑھ

"بعض لوگوں نے اس فقرے کا الٹا مطلب یہ نکال لیا ہے کہ نبی ﷺ خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے خواہش مند تھے، اور آپ کا جی چاہتا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دے دیں، مگر جب انھوں نے آ کر عرض کیا کہ میں بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو آپ نے معاذ اللہ اوپری دل سے ان کو منع کیا، اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ "تم دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔" حالانکہ اصل بات اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگر اس سورہ کی آیات نمبر ۱، ۲، ۳ اور ۷ کے ساتھ ملا کر یہ فقرہ پڑھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ جس زمانے میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ کے درمیان تلخی بڑھتی چلی جا رہی تھی اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو یہ اشارہ کر چکا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ جب اپنی بیوی کو طلاق دیں تو ان کی مطلقہ خاتون سے آپ کو نکاح کرنا ہوگا لیکن چونکہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ عرب کی اس سوسائٹی میں منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرنا کیا معنی رکھتا ہے......اور وہ بھی عین اس حالت میں جبکہ مٹھی بھر مسلمانوں کے سوا باقی سارا عرب آپ ﷺ کے خلاف پہلے ہی خار کھائے بیٹھا تھا......اس لیے آپ اس شدید آزمائش میں پڑنے سے ہچکچا رہے تھے۔ اسی بناء پر جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ آپ کا منشا یہ تھا کہ یہ شخص طلاق نہ دے تو میں اس بلا میں پڑنے سے بچ جاؤں، ورنہ اس کے طلاق

Marfat.com

دے دینے کی صورت میں مجھے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی اور پھر مجھ پر وہ کیچڑ اچھالی جائے گی کہ پناہ بخدا۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اولوالعزمی اور رضا بقضا کے جس بلند مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے لحاظ سے حضور ﷺ کی یہ بات اس کو فروتر نظر آئی کہ آپ نے قصداً زید رضی اللہ عنہ کو طلاق سے روکا تاکہ آپ اس کام سے بچ جائیں جس میں آپ کو بدنامی کا اندیشہ تھا، حالانکہ اللہ ایک بڑی مصلحت کی خاطر وہ کام آپ سے لینا چاہتا تھا۔ ''تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو'' کے الفاظ صاف صاف اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

یہی بات اس آیت کی تشریح میں امام زین العابدین حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو خبر دے چکا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا آپ کی بیویوں میں شامل ہونے والی ہیں، مگر جب زید رضی اللہ عنہ نے آکر ان کی شکایت آپ ﷺ سے کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو نہ چھوڑو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمھیں پہلے خبر دے چکا تھا کہ میں تمھارا نکاح زینب رضی اللہ عنہا سے کرنے والا ہوں، تم زید رضی اللہ عنہ سے یہ بات کہتے وقت اس بات کو چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ (ابن جریر، ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)

علامہ آلوسی نے بھی تفسیر روح المعانی میں اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: یہ عتاب ہے ترک اولیٰ پر۔ اس حالت میں اولیٰ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ خاموش رہتے، یا زید رضی اللہ عنہ سے فرما دیتے کہ تم جو کچھ کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ عتاب کا ماحاصل یہ ہے کہ تم نے زید رضی اللہ عنہ سے کیوں کہا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو، حالانکہ میں تمھیں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا تمھاری بیویوں میں شامل ہوں گی۔ (صفحہ ۱۰۱)

کوزے میں سمندر

اوپر نقل کی گئی آیات میں جو اہم مضامین بیان کیے گئے ہیں ان کا جامع احاطہ نہایت اختصار کے ساتھ پانچ تفسیری حاشیوں میں صاحب تفہیم نے اس طرح کیا ہے کہ بلاشبہ سمندر کوزے میں بند نظر آتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ا۔ ''یعنی جب زید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور ان کی عدت پوری ہو

Marfat.com

گئی۔ ''حاجت پوری کر چکا'' کے الفاظ سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ زید کی اس سے کوئی حاجت باقی نہ رہی۔ اور یہ صورت حال محض طلاق دے دینے سے رونما نہیں ہوتی، کیونکہ عدت کے دوران میں شوہر کو اگر کچھ دلچسپی باقی ہوتو وہ رجوع کر سکتا ہے، اور شوہروں کی یہ حاجت بھی مطلقہ بیوی سے باقی رہتی ہے کہ اس کے حاملہ ہونے یا نہ ہونے کا پتہ چل جائے۔ اس لیے مطلقہ بیوی کے ساتھ اس کے سابق شوہر کی حاجت صرف اسی وقت ختم ہوتی ہے جب عدت گزر جائے۔ [فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا۔ پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا۔]

۲ے یہ الفاظ اس باب میں صریح ہیں کہ نبی ﷺ نے یہ نکاح خود اپنی خواہش کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر کیا تھا۔ [زَوَّجْنٰكَهَا۔ تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا۔]

۳ے یہ الفاظ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام نبی ﷺ سے ایک ایسی ضرورت اور مصلحت کی خاطر کرایا تھا جو اس تدبیر کے سوا کسی دوسرے ذریعے سے پوری نہ ہوسکتی تھی۔ عرب میں منہ بولے رشتوں کے بارے میں جو غلط رسوم رائج ہوگئی تھیں، ان کے توڑنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہ تھی کہ اللہ کا رسول خود آگے بڑھ کر ان کو توڑ ڈالے۔ لہٰذا یہ نکاح اللہ تعالیٰ نے محض نبی کے گھر میں ایک بیوی کا اضافہ کرنے کی خاطر نہیں بلکہ ایک اہم ضرورت کی خاطر کروایا۔ [لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ۔ تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے۔]

۴ے ان الفاظ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے لیے تو اس طرح کا نکاح محض مباح ہے مگر نبی ﷺ کے لیے یہ ایک فرض تھا جو اللہ نے آپ پر عائد کیا تھا۔ [فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ۔ نبیؐ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہو۔]

۵ے یعنی انبیا کے لیے ہمیشہ سے یہ ضابطہ مقرر رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم بھی

Marfat.com

آئے اس پر عمل کرنا ان کے لیے قضائے مبرم ہے جس سے کوئی مفر ان کے لیے نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر کوئی کام فرض کر دے تو اسے وہ کام کر کے ہی رہنا ہوتا ہے خواہ ساری دنیا اس کی مخالفت پر تل گئی ہو۔" [وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔ اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔]۔ (ص ۱۰۱-۱۰۲)

خاتم النبیین

حضور نبی اکرم ﷺ خاتم الانبیا ہیں۔ آپ پر نبوت اور رسالت کا سلسلہ مکمل اور ختم ہو چکا ہے۔ سورہ احزاب کی آیت نمبر ۴۰ اسی اہم مضمون کو بیان کرتی ہے۔ ذیل میں پہلے اس آیت کا ترجمہ دیا جا رہا ہے اور پھر سید مودودی رحمہ اللہ کا تفسیری نوٹ!

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ (الاحزاب ۳۳:۴۰)

(لوگو) محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

یہ آیت اپنے مفہوم اور انطباق کے لحاظ سے عام ہے مگر اس کا ایک خاص پس منظر بھی ہے۔ چونکہ نکاح زینب کے تناظر میں یہ نازل ہوئی ہے اس لیے اس کے اندر ان اعتراضات والزامات کا بھی جواب ہے جو حاسدین اور شر پسند دشمنان نے لگائے تھے اور جن کے طوفان دور حاضر میں بھی اعدائے اسلام کبھی کبھی اٹھاتے رہتے ہیں۔ سید مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اس ایک فقرے میں ان تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دی گئی ہے جو مخالفین نبی ﷺ کے اس نکاح پر کر رہے تھے۔"

دشمنوں کا پہلا اعتراض

ان کا اولین اعتراض یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی بہو سے نکاح کیا ہے حالانکہ آپ ﷺ کی شریعت میں بھی بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ "محمد ﷺ

Marfat.com

تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں''، یعنی جس شخص کی مطلقہ سے نکاح کیا گیا ہے وہ بیٹا تھا کب کہ اس کی مطلقہ سے نکاح حرام ہوتا؟ تم لوگ تو خود جانتے ہو کہ محمد ﷺ کا سرے سے کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔

دوسرا اعتراض

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اچھا اگر منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہے تب بھی اس کی چھوڑی ہوئی عورت سے نکاح کر لینا زیادہ سے زیادہ بس جائز ہی ہو سکتا تھا۔ آخر اس کا کرنا کیا ضرور تھا؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا: ''مگر وہ اللہ کے رسول ہیں''، یعنی رسول ہونے کی حیثیت سے ان پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ جس حلال چیز کو تمھاری رسموں نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے اس کے بارے میں تمام تعصبات کا خاتمہ کر دیں اور اس کی حلت کے معاملے میں کسی شک وشبے کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔

پھر مزید تاکید کے لیے فرمایا: ''اور وہ خاتم النبیین ہیں''، یعنی ان کے بعد کوئی رسول تو درکنار کوئی نبی تک آنے والا نہیں ہے کہ اگر قانون اور معاشرے کی کوئی اصلاح ان کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا نبی یہ کسر پوری کر دے، لہٰذا یہ اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ اس رسم جاہلیت کا خاتمہ وہ خود ہی کر کے جائیں۔

آخری نبی کا عالمگیر مقام

اس کے بعد مزید زور دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ: ''اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''، یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ اس وقت محمد ﷺ کے ہاتھوں اس رسم جاہلیت کو ختم کرا دینا کیوں ضروری تھا اور ایسا نہ کرنے میں کیا قباحت تھی۔ وہ جانتا ہے کہ اب اس کی طرف سے کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اپنے آخری نبی کے ذریعے سے اس نے اس رسم کا خاتمہ اب نہ کرایا تو پھر کوئی دوسری ہستی دنیا میں ایسی نہ ہو گی جس کے توڑنے سے یہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جائے۔ بعد کے مصلحین اگر اسے توڑیں گے بھی تو ان میں سے کسی کا فعل بھی اپنے پیچھے ایسا دائمی اور عالمگیر اقتدار نہ رکھے گا کہ ہر ملک اور ہر زمانے میں لوگ اس کا اتباع کرنے لگیں اور ان میں

Marfat.com

سے کسی کی شخصیت بھی اپنے اندر اس تقدس کی حامل نہ ہوگی کہ کسی فعل کا محض اس کی سنت ہونا ہی لوگوں کے دلوں سے کراہیت کے ہر تصور کا قلع قمع کر دے۔

افسوس ہے کہ موجودہ زمانے میں ایک گروہ نے اس آیت کی غلط تاویلات کر کے ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس لیے ختم نبوت کے مسئلے کی پوری توضیح اور اس گروہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کی تردید کے لیے ہم نے اس سورہ کی تفسیر کے آخر میں ایک مفصل ضمیمہ شامل کر دیا ہے۔'' (صفحہ ۱۰۳-۱۰۴)

سید مودودی رحمہ اللہ کا یہ معرکہ آرا ضمیمہ مسئلہ ختم نبوت پر قول فیصل اور حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور جھوٹے مدعیان نبوت کے پیرو کاروں پر ایسی ضرب کاری ہے کہ وہ اس کی کاٹ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

یادِ الٰہی کی تلقین

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نکاح زینب رضی اللہ عنہا کی بنیاد پر فتنہ اٹھایا گیا تو اہل ایمان کو فطری طور پر اس سے بے پناہ اذیت پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس موقع پر تاکید کی کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں، اس سے دل لگائیں اور اسی سے پناہ مانگیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

(الاحزاب ۳۳: ۴۱-۴۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

ان آیات کی دل نشین تشریح صاحب تفہیم القرآن کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

''اس سے مقصود مسلمانوں کو یہ تلقین کرنا ہے کہ جب دشمنوں کی طرف سے اللہ کے رسول پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ ہو رہی ہو اور دین حق کو زک پہنچانے کے لیے ذات رسول کو ہدف بنا کر پروپیگنڈے کا طوفان برپا کیا جا رہا ہو، ایسی حالت میں اہل ایمان کا کام نہ تو یہ ہے کہ ان بے ہودگیوں کو اطمینان کے ساتھ سنتے رہیں، اور نہ یہ کہ خود بھی دشمنوں کے پھیلائے ہوئے شکوک و

Marfat.com

شبہات میں مبتلا ہوں اور نہ یہ کہ جواب میں ان سے گالم گلوچ کرنے لگیں، بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ عام دنوں سے بڑھ کر اس زمانے میں خصوصیت کے ساتھ اللہ کو اور زیادہ یاد کریں۔ ''اللہ کو کثرت سے یاد کرنے'' کا مفہوم حاشیہ نمبر ۶۳ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ صبح وشام تسبیح کرنے سے مراد دائماً تسبیح کرتے رہنا ہے اور تسبیح کے معنی اللہ کی پاکیزگی بیان کرنے کے ہیں نہ کہ محض دانوں والی تسبیح پھرانے کے۔'' (حاشیہ نمبر ۷۸ صفحہ ۱۰۴)

خلاصہ کلام

جیسا کہ ہم نے آغاز میں لکھا تھا، دشمن کی چالیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں۔ تیر وتفنگ کے حملوں سے زیادہ زہر آلود اور مہلک حملے فتنہ پرداز زبانوں اور کینہ پرور ذرائع ابلاغ کے ذریعے منظّم کیے جاتے ہیں۔ تحریک اسلامی کا اصل اثاثہ اس کی اخلاقی برتری اور حقیقی قوت اس کے کارکنان وقائدین کا جوہر کردار ہوتا ہے۔ دشمن بھی اس حقیقت سے واقف ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنا سارا شیطانی زور اس پر صرف کرتا ہے کہ تحریک اور اس کے زعما کی ساکھ کو نقصان پہنچائے۔

سطور بالا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اور ان کی وساطت سے پوری امت کو یہ سبق ذہن نشین کرا دیا ہے کہ کمینہ خصلت دشمنوں کے مقابلے کے لیے بڑے حوصلے اور تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہت سے امور کی وضاحت وقتی حالات کے تناظر میں کی گئی ہے جبکہ بیشتر اصولی حقائق عالمگیر اور ابدی قوانین کی حیثیت سے بشریت کی رہنمائی کے لیے بیان کر دیے گئے ہیں۔ رسول ﷺ رحمت کے نقوش پا پر چلنے والوں اور ان کی شریعت کا احیا کرنے والوں کے لیے ان واقعات میں بڑی عبرت ہے۔ اللہ سے تعلق مضبوط کرنے اور اس کا ذکر صبح وشام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

Marfat.com

باب چہارم

غزوۂ بنو المصطلق

اور واقعہ افک

Marfat.com

غزوہ بنوالمصطلق

غزوہ بنوالمصطلق کے بارے میں مؤرخین کی رائے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ جنگ احزاب سے پہلے وقوع پذیر ہوا یا اس کے بعد۔ جن لوگوں نے اس کا زمانہ غزوہ احزاب سے پہلے بیان کیا ہے ان میں ابن سعد، نورالدین علی بن ابراہیم، ابن سید الناس، واقدی اور حافظ ابن کثیر جیسے علما شامل ہیں جبکہ غزوہ احزاب کے بعد اس کا زمانہ متعین کرنے والوں میں محمد ابن اسحاق، ابوبکر ابن حزم، ابن القیم الجوزیہ اور بعض دیگر اہل علم کے اسمائے گرامی پائے جاتے ہیں۔

سید مودودیؒ کی تحقیق

مفسر قرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے تفہیم القرآن میں اس سلسلے میں جو اپنی تحقیق پیش فرمائی ہے وہ انتہائی قابل قدر اور نہایت مستند ہے۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا یہ غزوہ ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب سے پہلے ہوا تھا یا ۶ ہجری میں غزوۂ احزاب کے بعد۔ اصل واقعہ کیا ہے، اس کی تحقیق اس لیے ضروری ہے کہ پردے کے احکام قرآن مجید کی دو ہی سورتوں میں آئے ہیں، ایک یہ سورت، دوسری سورۂ احزاب جس کا نزول بالاتفاق غزوۂ احزاب کے موقع پر ہوا ہے۔ اب اگر غزوۂ احزاب پہلے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پردے کے احکام کی ابتدا ان ہدایات سے ہوئی جو سورۂ احزاب میں وارد ہوئی ہیں اور تکمیل ان احکام سے ہوئی جو اس سورت میں آئے ہیں اور اگر غزوۂ بنی المصطلق پہلے ہو تو احکام کی ترتیب الٹ جاتی ہے اور آغاز سورۂ نور سے مان کر تکمیل سورۂ احزاب والے احکام پر ماننی پڑتی ہے۔ اس طرح اس حکمت تشریع کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے جو احکام

Marfat.com

حجاب میں پائی جاتی ہے۔اسی غرض کے لیے ہم آگے بڑھنے سے پہلے زمانہ نزول کی تحقیق کر لینا ضروری سمجھتے ہیں"۔

مؤرخ ابن سعد کی رائے

ابن سعد کا بیان ہے کہ غزوہ بنی المصطلق شعبان ۵ ہجری میں پیش آیا اور پھر ذی القعدہ ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب (یا غزوۂ خندق) واقع ہوا۔اس کی تائید میں سب سے بڑی شہادت یہ ہے کہ واقعہ افک کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایات مروی ہیں ان میں سے بعض میں حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کے جھگڑے کا ذکر آتا ہے اور تمام معتبر روایات کی رو سے حضرت سعد بن معاذ کا انتقال غزوۂ بنی قریظہ میں ہوا تھا جس کا زمانہ وقوع غزوۂ احزاب کے متصلاً بعد ہے، لہٰذا ٦ ہجری میں ان کے موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

ابوالمؤرخین محمد بن اسحاق کا بیان

دوسری طرف محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ غزوۂ احزاب شوال ۵ ہجری کا واقعہ ہے اور غزوۂ بنی المصطلق شعبان ٦ ہجری کا۔اس کی تائید وہ کثیر التعداد معتبر روایات کرتی ہیں جو اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے لوگوں سے مروی ہیں۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ افک سے پہلے احکام حجاب نازل ہو چکے تھے اور وہ سورۂ احزاب میں پائے جاتے ہیں۔ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہو چکا تھا اور وہ غزوۂ احزاب کے بعد ذی القعدہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے اور سورۂ احزاب میں اس کا بھی ذکر آتا ہے۔علاوہ بریں ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں محض اس وجہ سے حصہ لیا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بہن کی سوکن تھیں اور ظاہر ہے کہ بہن کی سوکن کے خلاف اس طرح کے جذبات پیدا ہونے کے لیے سوکناپے کا رشتہ شروع ہونے کے بعد کچھ نہ کچھ مدت درکار ہوتی ہے۔یہ سب شہادتیں ابن اسحاق کی روایت کو مضبوط کر دیتی ہیں۔

Marfat.com

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس روایت کو قبول کرنے میں صرف یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ واقعہ افک کے زمانے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موجودگی کا ذکر آیا ہے۔ مگر اس مشکل کو جو چیز رفع کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایات مروی ہیں ان میں سے بعض میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور بعض میں ان کے بجائے حضرت اسید بن حضیر کا۔ اور یہ دوسری روایت ان دوسرے واقعات کے ساتھ پوری طرح مطابق ہو جاتی ہے جو اس سلسلے میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہیں۔ ورنہ محض سعد بن معاذ کے زمانہ حیات سے مطابق کرنے کی خاطر اگر غزوۂ بنی المصطلق اور قصہ افک کو غزوۂ احزاب وقریظہ سے پہلے کے واقعات مان لیا جائے تو اس پیچیدگی کا کوئی حل نہیں ملتا کہ پھر آیت حجاب کا نزول اور نکاح زینب رضی اللہ عنہا کا واقعہ اس سے بھی پہلے پیش آنا چاہیے، حالانکہ قرآن اور کثیر التعداد روایات صحیحہ، دونوں اس پر شاہد ہیں کہ نکاح زینب رضی اللہ عنہا اور حکم حجاب احزاب وقریظہ کے بعد کے واقعات ہیں۔ اسی بنا پر ابن حزم اور ابن قیم اور بعض دوسرے محققین نے محمد بن اسحاق کی روایت ہی کو صحیح قرار دیا ہے، اور ہم بھی اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن، جلد سوم صفحہ ۳۰۶-۳۰۷)

سید الاوس

جو مؤرخین اس غزوے کو جنگ احزاب سے قبل وقوع پذیر سمجھتے ہیں وہ اپنی تاریخوں میں ترتیب کے لحاظ سے اس کا ذکر پہلے کرتے ہیں۔ ہماری نظر میں اس باب میں صاحب تفہیم القرآن کی تحقیق بہت وقیع اور قابل لحاظ ہے۔ ہم نے انھی کی تحقیق کے مطابق اپنی کتاب میں یہ ترتیب قائم کی ہے۔

اوپر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی جن دو عظیم المرتبت صحابہ کا ذکر آیا ہے اور جس کی وجہ سے بعض مؤرخین التباس کا شکار ہوئے ہیں اس کے متعلق صحیح صورت حال یہ ہے کہ سیدہ مطہرہ رضی اللہ عنہا نے اپنی گفتگو میں ''سید الاوس'' (سردار اوس) کے الفاظ استعمال فرمائے تھے چونکہ تاریخ میں عموماً یہ لقب

Marfat.com

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے بعض مؤرخین نے اس کا انطباق ان پر کیا ہے جبکہ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بھی اوس کے سرداروں میں سے تھے اور ان کا مقام و مرتبہ پورے قبیلے کی نظروں میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بعد سب سرداروں سے بلند و ارفع تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تو سیدنا اسید رضی اللہ عنہ اوس کے متفقہ سردار سمجھے گئے۔

حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کے احوال میں یہ واقعہ تمام سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ انھیں (مصعب رضی اللہ عنہ کو) مدینہ سے نکالنے کے لیے ان کے پاس آئے مگر داعیِ حق کی حکیمانہ گفتگو سے قبولِ اسلام پر مجبور ہو گئے۔ پھر خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ کام کرنے کے لیے نکلے مگر وہ بھی پہلی ہی ملاقات میں اسیرِ محبت ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ یوں یہ دونوں قبیلۂ اوس کے سردار شمار ہوتے ہیں۔

ہماری رائے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جس ذہنی پریشانی میں مبتلا تھیں اس کی وجہ سے نام کا ذہن سے اتر جانا بالکل ممکن ہے۔ انھی واقعات میں ان کو حضرت یوسف اور حضرت یعقوب کے ناموں میں سہو و نسیان ہو جانے کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا نام یاد نہ رہنے کی وجہ سے انھوں نے ''سید الاوس'' کہا ہو۔

بنو المصطلق کا تعارف

بنو المصطلق قحطانی قبائل میں سے ہیں۔ یہ قبائل اصلاً یمن کے رہنے والے تھے۔ سدِ مآرب کے ٹوٹ جانے کے بعد وہاں سے نکلے اور حجاز اور دوسرے علاقوں میں پھیل گئے۔ ان قحطانی قبائل میں سے بنی خزاعہ تاریخ میں بہت معروف ہیں۔ بنی المصطلق بنو خزاعہ ہی کی شاخ تھے۔ ان کے جدِ امجد مصطلق کا اصلی نام جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ تھا۔ تاریخ میں عدنانی اور قحطانی قبائل کی باہمی جنگوں کے بہت تذکرے ملتے ہیں۔ عدنانی قبائل کی شاخ بنو ہذیل کی کئی جنگیں بنو المصطلق کے ساتھ ہوئیں۔ ان جنگوں میں دونوں قبائل نے عصبیتِ جاہلیہ کی خاطر خوب دادِ شجاعت دی۔

Marfat.com

بنوالمصطلق کا علاقہ

بنوالمصطلق قدید کے علاقے میں رہتے تھے۔ یہ علاقہ بحراحمر کے ساحل پر جدے اور رابغ کے درمیان واقع تھا۔ مدینہ منورہ سے قدید کا فاصلہ تقریباً ایک سو ستر میل ہے۔ اس علاقے میں میٹھے پانی کا ایک چشمہ تھا جو مریسیع کے نام سے معروف تھا۔ غزوہ بنوالمصطلق کو اسی چشمے کی نسبت سے ''غزوہ مریسیع'' کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔

اسباب جنگ

حضور اکرم ﷺ کے دور میں بنومصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن مصطلق تھا۔ یہ سردار مہمان نواز، فیاض، جنگجو اور بہادر تھا۔ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً آس پاس کے قبائل پر تاخت و تاراج کرنا اس کا معمول تھا۔ ٦ ہجری کے آغاز میں اس مہم جو سردار نے اپنے قبیلے اور آس پاس کے دیگر قبائل کو جمع کر کے مدینہ منورہ پر حملے کا پروگرام بنایا۔

خبر رسانی کا نظام

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں کبھی چین سے نہیں بیٹھے۔ چاروں طرف دشمن اور معاندین ہر روز سازشیں کرتے رہتے تھے۔ رسول رحمت ﷺ ان سازشوں سے بے خبر نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو دشمن کے احوال اور عزائم سے باخبر رہنے کے لیے فوجی خبر رسانی اور انٹیلی جنس کا باقاعدہ شعبہ قائم کیا۔ اس شعبے میں جن صحابہ نے مختلف اوقات میں نمایاں خدمات سرانجام دیں وہ ذہانت، معاملہ فہمی، جرأت اور پھرتی میں اپنی مثال آپ تھے۔ انھوں نے بڑی بڑی مہمات ایسی مہارت اور کامیابی سے سرکیں کہ دوست اور دشمن سب حیران رہ گئے۔

حضرت بریدہ الاسلمی رضی اللہ عنہ

غزوہ بنوالمصطلق سے قبل تاجدار مدینہ ﷺ نے قدید کی جانب اپنے جاں نثار صحابی

Marfat.com

حضرت بریدہ بن حصیب بن عبداللہ اسلمی کو روانہ فرمایا۔ یہ صحابی علم وفضل اور جرأت وشجاعت کا تابندہ نمونہ تھے۔ واضح رہے کہ یہ آنحضور ﷺ پر سفر ہجرت کے دوران میں ایمان لائے اور غمیم سے آپ کی معیت میں اسلام قبول کرتے ہی مدینہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ انھوں نے اپنے سفید عمامے کا ایک ٹکڑا کاٹ کر نیزے کی انی پر چڑھا دیا اور مدینہ میں داخل ہوتے وقت یہ سفید جھنڈا لہرا کر پوری دنیا کو بتا دیا کہ امن وآشتی کا پیغمبر یثرب میں داخل ہو گیا ہے۔

اہم ہدایات

جب آنحضور ﷺ نے حضرت بریدہ کو اس مہم کے لیے منتخب کیا تو وہ سفر کی تیاری کر کے آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور روانگی سے قبل آپ سے ہدایات طلب کیں۔ اسی سلسلے میں عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ دشمن کے علاقے میں اگر کوئی اضطراری حالت پیدا ہو جائے تو دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے غلط بیانی کی جاسکتی ہے؟'' آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ دشمن کو حالت جنگ میں دھوکے میں رکھا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد آنحضور ﷺ نے اپنے جاں نثار کو اپنی دعا کے ساتھ مہم پر رخصت کر دیا۔

حضرت بریدہ کی واپسی

حضرت بریدہ اسلمی مدینہ سے روانہ ہو کر تیز سفر کرتے ہوئے چند دنوں میں دشمن کے علاقے میں پہنچ گئے۔ وہاں حالات کا جائزہ لیا اور مدینہ میں پہنچنے والی خبروں کو درست پایا۔ مزید تحقیقات کے لیے انھوں نے مخالف فوج کے سردار سے ملاقات کرنے کی ٹھانی۔ چنانچہ وہ حارث بن ابی ضرار کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے جب نام پوچھا تو اپنا فرضی نام بتایا اور قبیلہ پوچھا تو وہ بھی فرضی بتا دیا۔ پھر اس سے پوچھا ''کیا تم واقعی لڑائی کے لیے تیاری کر چکے ہو؟'' جب اس نے اثبات میں جواب دیا تو پوچھا ''کیا ہمارا قبیلہ بھی اس مہم میں شریک ہو سکتا ہے؟'' حارث نے کہا ''کیوں نہیں۔'' حضرت بریدہ نے بڑی ہوشیاری سے کہا ''اچھا تم جلد تیاری کرلو، میں بھی اپنے

Marfat.com

لوگوں کو جا کر تیار کرتا ہوں۔" چنانچہ وہ بسرعت واپس مدینہ کی طرف چل پڑے۔ واپسی کا سفر انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے طے کیا۔ اب آنحضور ﷺ کو حالات کا مکمل پتہ چل چکا تھا۔ لہٰذا آپ نے مدینہ میں اعلان فرما دیا کہ لوگ جہاد کی تیاری کر لیں۔ بنو المصطلق کے مقابلے کے لیے جلد کوچ ہونے والا ہے۔ آپ کا اعلان سن کر ایک لشکر تیار ہو گیا۔

منافقین کی جنگ میں شرکت

اس غزوے میں بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آئے جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

ایک اہم بات جو سب مؤرخین نے بیان کی ہے یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے منافقین جتنی بڑی تعداد میں اس جنگ میں شریک ہوئے کبھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ بھی اس جنگ میں پیش پیش تھا۔ آنحضور ﷺ نے مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور انصار میں سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو جنگی عَلَم عطا فرمائے۔ مدینہ منورہ میں اپنی غیر حاضری کے دوران آنحضور ﷺ نے اپنے محبوب صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو قائم مقام امیر مقرر کیا۔

لشکرِ اسلام کی قدید میں آمد

رسولِ رحمت ﷺ کی قیادت میں فرزندانِ توحید کا لشکر قدید کے علاقے میں وارد ہوا تو بنو المصطلق حیران اور پریشان ہو گئے۔ ہر چند کہ انھوں نے جنگ کی تیاری کر رکھی تھی مگر ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جنگِ احزاب کے محاصرے کے بعد لشکرِ مدینہ اتنی سرعت اور بہادری کے ساتھ انھیں آ دبوچے گا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ خود مدینہ کی جانب جارحانہ پیش قدمی کریں گے مگر ان کی ساری تدبیریں الٹی ہو گئیں اور سب منصوبے خاک میں مل گئے۔

حارث بن ضرار نے ایک جاسوس مدینہ کی طرف بھیج رکھا تھا جسے اسلامی لشکر کے مخبر دستے نے مشکوک سمجھ کر پکڑ لیا۔ اسے آنحضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے بڑی نرمی کا معاملہ کیا اور اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا

Marfat.com

اور اپنی اسلام دشمنی کا برملا اظہار کیا۔ آنحضور ﷺ کے حکم سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا۔ اس جاسوس کے قتل کی خبر حارث کے حلیف قبائل کو پہنچی تو وہ خوف زدہ ہو گئے اور اپنے اپنے علاقے کی طرف بھاگ گئے۔

مریسیع کے چشمے پر بنو المصطلق کے مسلح لشکر موجود تھے۔ آنحضور ﷺ کی فوجیں اچانک پہنچیں تو وہ گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئے۔

اسلام کی دعوت

آنحضور ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بنو المصطلق کو جنگ سے قبل اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی فوج سے نکل کر ان کے قریب پہنچے اور بلند آواز سے کہا ''اے بنو المصطلق اسلام قبول کر لو تمھاری جانیں اور مال ہر چیز محفوظ ہو جائے گی۔'' انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ جب بار بار کی دعوت پر وہ انکار کرتے رہے تو جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا۔ اسی اثنا میں دونوں جانب سے تیر اندازی شروع ہو گئی۔ یہ دیکھ کر آنحضور ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو پیش قدمی کا اشارہ کیا۔ آپ کا اشارہ پاتے ہی تمام مسلمان دشمن پر پل پڑے۔ انھوں نے دشمن کا محاصرہ کر لیا جس کے نتیجے میں کوئی شخص بھی بھاگ کر فرار نہ ہو سکا۔ ان کے تقریباً دس آدمی قتل ہوئے اور باقی سب نے ہتھیار ڈال دیئے۔

مال غنیمت اور جنگی قیدی

اس جنگ میں بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ جنگی قیدیوں کی تعداد بھی کئی سو تھی۔ سات سو کے قریب صرف عورتیں اور بچے تھے۔ آنحضور ﷺ نے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کے لیے نکال کر باقی مجاہدین میں اس طرح تقسیم کیا کہ گھوڑ سواروں کو تین حصے اور پیدل مجاہدین کو ایک حصہ عطا فرمایا۔ گھوڑے کے دو حصے مقرر کر کے آپ نے جہادی گھوڑوں کی قدر و قیمت سے دنیا کو باخبر کر دیا۔

Marfat.com

جویریہ بنت الحارث

جنگی قیدیوں میں سردار قبیلہ حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ بھی شامل تھیں۔ آنحضور ﷺ نے بعض جنگی قیدیوں کو از راہ احسان آزادی دے دی تھی جبکہ بعض دیگر قیدی فدیہ دے کر رہا ہو گئے تھے۔ سردار قبیلہ نے اپنا اور اپنی بیٹی جویریہ کا فدیہ ادا کر کے آزادی حاصل کی اور دونوں باپ بیٹی آزادی کے فوراً بعد مسلمان ہو گئے۔ آنحضور ﷺ نے اسی وقت حارث کی رضامندی سے حضرت جویریہ بنت الحارث سے نکاح کر لیا۔ یوں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں شامل ہو کر ام المومنین بن گئیں۔

تمام جنگی قیدیوں کی رہائی

بنو المصطلق کے بہت سے لوگ تو فدیہ دے کر رہا ہو گئے تھے۔ مگر جب لوگوں کو سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنحضور ﷺ کی شادی کی اطلاع ملی تو سب نے کہا کہ آنحضور ﷺ کے سسرالی رشتہ داروں کو کیسے غلام بنایا جا سکتا ہے؟ چنانچہ تمام کے تمام جنگی قیدی برضا و رغبت آزاد کر دیے گئے۔ سیدہ جویریہ بڑی عظیم خاتون تھیں۔ ابن ہشام کے بقول سیدہ عائشہ صدیقہ فرمایا کرتی تھیں کہ جویریہ سے زیادہ اپنی قوم کے لیے کوئی دوسری خاتون بابرکت ثابت نہیں ہوئی۔ آنحضور ﷺ سے اس کے نکاح کی وجہ سے سو گھروں کے سیکڑوں افراد غلامی سے نجات پا گئے۔

حضرت حارث بن ضرار رضی اللہ عنہ

آنحضور ﷺ کے خسر حارث بن ضرار رضی اللہ عنہ بھی قبول اسلام کے بعد صحابہ کی جماعت کے اہم رکن شمار ہوئے۔ تمام مؤرخین نے ان کے حسن اسلام، خلوص اور استقامت کی شہادت دی ہے۔

ان کے قبول اسلام کے بعد ان کا ذکر تاریخ میں اس وقت پھر نمایاں ہوا جب آنحضور ﷺ مکہ کو فتح کر چکے تھے۔ ان کے قبیلے کی جانب آنحضور ﷺ نے حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو وصولی زکوٰۃ کے لیے روانہ فرمایا۔ اس علاقے میں پہنچ کر انھیں کسی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی یا

Marfat.com

پیدا کر دی گئی کہ بنوالمصطلق تو مرتد ہو گئے ہیں اور اگر تم وہاں گئے تو وہ تمھیں قتل کر دیں گے۔ ولید بن عقبہ وہیں سے واپس آ گئے اور آنحضور ﷺ کو اطلاع دی کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے سے انکاری ہیں، انھوں نے بغاوت کر دی ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۶ کے بارے میں جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اس میں اللہ نے ارشاد فرمایا!

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۞ (الحجرات ۴۹:۶)

اے لوگو، جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

صاحب تفہیم القرآن کی تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

”حضور ﷺ یہ خبر سن کر سخت ناراض ہوئے اور آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے ایک دستہ روانہ کریں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ نے وہ دستہ روانہ کر دیا تھا اور بعض میں یہ بیان ہوا ہے کہ آپ روانہ کرنے والے تھے۔ بہرحال اس بات پر سب متفق ہیں کہ بنی المصطلق کے سردار حارث بن ضرار (ام المومنین حضرت جویریہ کے والد) اس دوران میں خود ایک وفد لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور انھوں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم ہم نے تو ولید کو دیکھا تک نہیں کجا کہ زکوٰۃ دینے سے انکار اور ان کے قتل کے ارادے کا کوئی سوال پیدا ہو، ہم ایمان پر قائم ہیں اور ادائے زکوٰۃ سے ہمیں ہرگز انکار نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ اس قصے کو امام احمد، ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس، حارث بن ضرار، مجاہد،

Marfat.com

قتادہ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، یزید بن رومان، ضحاک اور مقاتل بن حیان سے نقل کیا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ پورا قصہ بیان تو اسی طرح ہوا ہے مگر اس میں ولید کے نام کی تصریح نہیں ہے۔

اصولی ہدایت

اس نازک موقع پر جبکہ ایک بے بنیاد خبر پر اعتماد کر لینے کی وجہ سے ایک عظیم غلطی ہوتے ہوتے رہ گئی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ اصولی ہدایت دی کہ جب کوئی اہمیت رکھنے والی خبر، جس پر کوئی بڑا نتیجہ مترتب ہوتا ہو، تمھیں ملے تو اس کو قبول کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ خبر لانے والا کیسا آدمی ہے۔ اگر وہ کوئی فاسق شخص ہو، یعنی جس کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ اس کی بات اعتماد کے لائق نہیں ہے، تو اس کی دی ہوئی خبر پر عمل کرنے سے پہلے تحقیق کر لو کہ امر واقعہ کیا ہے۔ اس حکم ربانی سے ایک اہم شرعی قاعدہ نکلتا ہے جس کا دائرہ اطلاق بہت وسیع ہے۔ اس کی رو سے مسلمانوں کی حکومت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی شخص یا گروہ یا قوم کے خلاف کوئی کارروائی ایسے مخبروں کی دی ہوئی خبروں کی بنا پر کر ڈالے جن کی سیرت بھروسے کے لائق نہ ہو۔ اسی قاعدے کی بنا پر محدثین نے علم حدیث میں جرح و تعدیل کا فن ایجاد کیا تا کہ ان لوگوں کے حالات کی تحقیق کریں جن کے ذریعے سے بعد کی نسلوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پہنچی تھیں اور فقہا نے قانون شہادت میں یہ اصول قائم کیا کہ کسی ایسے معاملے میں جس سے کوئی شرعی حکم ثابت ہوتا ہو، یا کسی انسان پر کوئی حق عائد ہوتا ہو، فاسق کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ البتہ اس امر پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ عام دنیوی معاملات میں ہر خبر کی تحقیق اور خبر لانے والے کے لائق اعتماد ہونے کا اطمینان کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ آیت میں لفظ نباء استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق ہر خبر پر نہیں ہوتا بلکہ اہمیت رکھنے والی خبر پر ہوتا ہے۔ اسی لیے فقہا کہتے ہیں کہ عام معاملات میں یہ قاعدہ جاری نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ کسی کے ہاں جاتے ہیں اور گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ اندر سے کوئی آ کر کہتا ہے کہ آ جاؤ۔ آپ اس کے کہنے پر اندر جا سکتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ صاحب خانہ کی طرف

Marfat.com

سے اذن کی اطلاع دینے والا فاسق ہو یا صالح۔ اسی طرح اہل علم کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جن لوگوں کا فسق جھوٹ اور بدکرداری کی نوعیت کا نہ ہو، بلکہ فسادِ عقیدہ کی بنا پر وہ فاسق قرار پاتے ہوں، ان کی شہادت بھی قبول کی جاسکتی ہے اور روایت بھی۔ محض ان کے عقیدے کی خرابی ان کی شہادت یا روایت قبول کرنے میں مانع نہیں ہے۔'' (تفہیم القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۷۴)

ایک شاذ رائے

ہم نے جتنی بھی قدیم و جدید تفاسیر دیکھی ہیں سب میں تمام مفسرین نے اس واقعہ کی یہی شانِ نزول بیان کی ہے۔ البتہ دورِ جدید کے معروف مفسرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مولانا امین اصلاحی صاحب نے ایک صحابی رسول حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو فاسق قرار دیے جانے کو محال سمجھتے ہوئے واقعہ ہی کو بے بنیاد قرار دے دیا ہے۔ مولانا کا جذبہ قابلِ تحسین اور ان کی تحقیق بلاشبہ قابلِ توجہ ہے مگر دیگر مفسرین اور محدثین کا موقف زیادہ مضبوط ہے۔ جو اشکال مولانا نے بیان کیا ہے اس کا بہترین جواب دورِ جدید ہی کے معروف مفسرِ قرآن مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں دیا ہے۔ اس جواب سے مولانا امین اصلاحی صاحب کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا اطمینان بخش حل سامنے آ جاتا ہے۔ ہم ذیل میں دونوں نامور مفسرین کے رشحاتِ فکر نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔

صاحبِ تدبرِ قرآن کی تفسیر

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

''آیت ۶ کے تحت ہمارے مفسرین نے، اپنی عادت کے مطابق، ایک شانِ نزول کا بھی ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو تحصیلِ زکوٰۃ کے لیے بنی مصطلق کے پاس بھیجا۔ جب یہ وہاں پہنچے تو بنی مصطلق کے لوگ بشکلِ جلوس ان کے خیر مقدم کے لیے نکلے۔ ولید نے گمان کیا کہ یہ لوگ ان سے لڑنے کو نکلے ہیں۔ وہ ڈر کر فوراً وہاں سے واپس آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انھوں نے انکار کر دیا۔ یہ خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

بنی مصطلق پر نہایت برہم ہوئے اور ان کی سرکوبی کے لیے آپ ﷺ نے ایک دستہ بھیج دیا یا بھیجنے کا فیصلہ فرما لیا کہ اتنے میں بنی مصطلق والوں کو اطلاع ہو گئی اور ان کے سردار نے فوراً مدینہ حاضر ہو کر بقید قسم حضور ﷺ کو اطمینان دلایا کہ ہم نے تو ولید کی شکل بھی نہیں دیکھی، زکوٰۃ روکنے کا کیا سوال؟ ان کی طرف سے صفائی کے بعد ان کا معاملہ تو رفع دفع ہو گیا لیکن ہمارے مفسرین کے نزدیک ولید رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کی بنا پر یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ وہ کسی فاسق کی روایت پر اعتماد کر کے کوئی عاجلانہ قدم نہ اٹھایا کریں۔

ہمارے مفسرین کوئی نہ کوئی شان نزول تو تقریباً ہر آیت کے تحت درج کرتے ہیں، اوپر آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ ...... الایہ کے تحت بھی انھوں نے ایک شان نزول کا حوالہ دیا ہے لیکن اس سے ہم نے اس وجہ سے تعرض نہیں کیا کہ بعض ناقدین نے اس پر جرح بھی کر دی ہے مگر اس شان نزول پر سب متفق ہیں اس وجہ سے اس سے تعرض ناگزیر ہے۔

شان نزول سے متعلق وہ اصولی حقیقت ہمیشہ مستحضر رکھیے جس کا ذکر ہم نے مقدمہ تفسیر میں کیا ہے کہ سلف کسی آیت کے تحت اگر کسی واقعہ کا ذکر شان نزول کی حیثیت سے کرتے ہیں تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ بعینہٖ وہی واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب ہوا ہے بلکہ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آیت سے اس واقعہ کا حکم بھی مستنبط ہوتا ہے۔ یہ رائے اصول تفسیر کے ماہرین کی ہے۔ اس وجہ سے میں نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی معلوم ہوا ہے کہ شان نزول سے متعلق روایات بیشتر ضعیف بلکہ بے بنیاد ہیں۔ اس وجہ سے ان کو عقل و نقل کی کسوٹی پر پرکھے بغیر مان لینے سے اسی فتنے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے جس سے آیت زیر بحث میں اہل ایمان کو روکا گیا ہے۔

اس شان نزول کو درایت کی کسوٹی پر جانچیں تو معلوم ہو گا کہ اس کی کوئی کل بھی سیدھی نہیں ہے۔

پہلی بات

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت میں فاسق کی روایت پر اعتماد کرنے سے روکا گیا ہے۔

Marfat.com

جب کہ ولید رضی اللہ عنہ کے متعلق اس واقعے سے پہلے کوئی بات بھی ایسی لوگوں کے سامنے نہیں آئی تھی جس سے معلوم ہوسکتا کہ نعوذ باللہ وہ فاسق ہیں۔صرف یہی نہیں کہ ان کے فسق کی کوئی شہادت موجود نہیں تھی بلکہ ان کی ثقاہت وعدالت کا یہ مرتبہ تھا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تحصیل زکوٰۃ کے ذمہ دارانہ منصب پر مامور فرمایا۔اگران کے اندراس قسم کا کوئی کھوٹ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس اہم خدمت کے لیے کس طرح منتخب فرماتے۔

دوسری بات

دوسری بات یہ ہے کہ اس شان نزول کو باور کر لیجیے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اتنے ناواقف تھے کہ ایسے لوگوں کو ذمہ دارانہ مناصب پر مامور فرمادیتے تھے جو اپنی دروغ بافی سے حکومت اور رعایا دونوں کو خطرے میں ڈال دیں۔اس قسم کی بے بصیرتی ایک عام معقول آدمی سے بھی بعید از قیاس ہے چہ جائیکہ اس کا صدور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔

تیسری بات

تیسری بات یہ ہے کہ اگر ولید رضی اللہ عنہ استقبال کرنے والی پارٹی کو جنگجو پارٹی سمجھ کر اس سے ڈر کے واپس آگئے تھے اور اپنا تاثر انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بیان کیا کہ بنی مصطلق نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے تو ان کی یہ بات سادہ لوحی اور کمزوری تو قرار دی جاسکتی ہے لیکن از روئے شریعت اس کو فسق نہیں کہا جاسکتا۔پھر تو اس مضمون کی آیت اترنی تھی کہ مسلمانو، تم اپنے ذمہ دارانہ عہدے ایسے سادہ لوحوں کے سپرد نہ کیا کرو جو استقبال کرنے والوں اور لڑنے والوں کے درمیان امتیاز کرنے سے بھی قاصر ہوں۔غور کرنے کی بات ہے کہ ولید رضی اللہ عنہ اتنے سادہ لوح ہوتے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایسی اہم مالی اور سیاسی ذمہ داری سپرد کر دیتے؟ کیا کسی شخص کے اندر سادہ لوحی کوئی ناگہانی طور پر پیدا ہونے والی چیز ہے جو لوگوں سے مخفی/چھپی رہے، یہاں تک کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا اندازہ نہ ہوسکے!

Marfat.com

چوتھی بات

چوتھی بات یہ ہے کہ یہی ولید رضی اللہ عنہ ہیں جن کو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کوفہ کا گورنر بنایا۔ غور کیجیے کہ کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ یہ شخص ازروئے نص قرآن فاسق قرار پاچکا ہے اور گورنری تو درکنار اسلامی قانون کی رو سے یہ کسی روایت یا شہادت کا بھی اہل نہیں ہے؟ اگر ناواقف تھے تو یہ مانئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد، جن کو جامع قرآن ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، نعوذ باللہ قرآن کا اتنا علم بھی نہیں رکھتے تھے جتنا علم شان نزول کی روایتیں کرنے والے ان راویوں کو تھا۔

میں نے اس شان نزول کے صرف چند پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے، ورنہ اضطراب اس کے ہر پہلو میں ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تادیبی دستہ روانہ کر دیا، بعض میں ہے کہ روانہ کرنے کا فیصلہ فرما لیا تھا اور بنی مصطلق کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ اگر تم لوگ اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو میں تمھاری سرکوبی کے لیے ایسے شخص کو بھیجوں گا جو عندی کنفسی (جو میرے نزدیک میری اپنی ذات کی طرح ہے) ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شانے پر تھپتھپاتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی کہ اس مہم کو یہ سر کریں گے۔ بعض روایات میں اس کے برخلاف یہ ہے کہ اس مہم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ غرض جتنے منہ ہیں اتنی ہی باتیں ہیں حالانکہ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ، سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح کی کوئی بات آئی بھی تو آپ نے ٹال دی اور لوگوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ وہ پیغمبر کو اپنی رایوں سے متاثر کرنے کی کوشش نہ کریں۔

میرے نزدیک یہ شان نزول روافض کی ایجادات میں سے ہے۔ جس سے انھوں نے صرف ولید رضی اللہ عنہ ہی کو بدنام کرنا نہیں چاہا ہے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی مطعون کرنے کی کوشش کی ہے کہ انھوں نے یہ جانتے بوجھتے کہ یہ شخص فاسق ہے محض از راہ کنبہ پروری اس کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ پھر کوفہ کی گورنری کے دوران میں ان ظالموں نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا بلکہ ان کے فسق کے ایسے

Marfat.com

واقعات کی روایت کی ہے جن کو سن کر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی۔ ہنسی ان ظالموں کی ذہانت پر آتی ہے اور رونا اپنے مفسرین کی سادگی پر کہ اس قسم کی بے سروپا روایتیں تفسیر کی کتابوں میں نقل کر دیتے ہیں حالانکہ آیت کے الفاظ اور اس کے سیاق وسباق سے ان کا کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔''(تدبر القرآن، جلد ششم، صفحات ۴۹۵-۴۹۷)

شانِ نزول کی اہمیت

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ کی رائے پیش کرنے سے قبل یہاں ہم چند باتیں ''شان نزول'' کے بارے میں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن مجید ایک زندہ ولازوال کتاب ہے۔ اس کے احکام و فرامین ابدی ودائمی اور مطلق ہیں الا یہ کہ خود قرآن مجید ہی نے کسی حکم یا احکام کے بارے میں کوئی تحدید کر دی ہو۔ یہ کتاب واحد الہامی کتاب ہے جو اپنی اصل صورت میں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی۔

قرآن مجید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مصفّٰی پر تیئس سال اور چند ماہ کے عرصے میں اتارا گیا۔ ہر حصہ مخصوص حالات اور اوقات میں حکم خداوندی اور حکمت ربانی کے مطابق نازل ہوا۔ کم وبیش تمام مفسرین اور محدثین نے قرآن کے اکثر حصوں کی شان نزول بیان کی ہے۔ شان نزول کے سامنے آجانے سے قرآن کے قاری کے لیے مفہوم کو سمجھنے میں آسانی کے علاوہ روحانی طور پر ایک عجیب وغریب لذت وکیف کا سامان فراہم ہو جاتا ہے۔ قرآن محض خشک اور بے جان فرامین کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک زندہ کتاب ہے جو دل ودماغ کو متاثر کرتی، جذبات کو ابھارتی، تحرک وعمل کا سامان فراہم کرتی اور زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ ''شان نزول'' علم تفسیر کی اہم اساس اور علوم قرآنی کی معروف اصطلاح ہے۔ کسی مفسر کے بیان کردہ شان نزول سے اختلاف تو ممکن ہے مگر خود شان نزول کا استخفاف مناسب نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ''البتہ مفسر کے لیے دو باتوں کا جاننا لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک تو وہ واقعات وقصص جن کی طرف آیات میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ جب

Marfat.com

تک وہ واقعات اور قصے معلوم نہ ہوں، آیات کے اشاروں کو سمجھنا آسان نہیں۔ دوسرے کسی قصہ وغیرہ میں بعض اوقات الفاظ عام ہوتے ہیں لیکن شان نزول سے اس میں تخصیص پیدا ہوتی ہے، کلام کا ظاہری مفہوم کچھ ہوتا ہے اور سبب نزول کوئی دوسرا مفہوم متعین کرتا ہے۔ اس جیسی روایات کا علم حاصل کیے بغیر آیات قرآنی کو سمجھنا مشکل ہے۔'' (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص۲۳)

مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

معارف ومسائل: شان نزول

اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد یہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار بن ابی ضرار جن کی صاحبزادی حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں سے ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اسلام کو قبول کیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر ان کو بھی اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی طرف دعوت دوں گا۔ جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے، میں ان کی زکوٰۃ جمع کرلوں گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں مہینے کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تاکہ جو رقم زکوٰۃ کی میرے پاس جمع ہو جائے اس کو سپرد کردوں، پھر جب حارث نے حسب وعدہ ایمان لانے والوں کی زکوٰۃ جمع کرلی اور وہ مہینہ اور تاریخ جو قاصد بھیجنے کے لیے طے ہوئی تھی گزر گئی اور آپ کا کوئی قاصد نہ پہنچا تو حارث کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ وعدے کے مطابق اپنا آدمی نہ بھیجتے۔ حارث نے اس خطرے کا ذکر اسلام قبول کرنے والوں کے سرداروں سے کیا اور ارادہ کیا کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ ادھر واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقررہ تاریخ پر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیج دیا تھا مگر ولید بن عقبہ کو راستے

Marfat.com

میں یہ خیال آیا کہ اس قبیلے کے لوگوں سے میری پرانی دشمنی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ اس خوف کے سبب وہ راستے ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ سے جا کر یہ کہا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کو غصہ آیا اور حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک دستہ مجاہدین کا روانہ کیا، ادھر یہ دستہ مجاہدین کا روانہ ہوا، ادھر سے حارث مع اپنے ساتھیوں کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے نکلے۔ مدینہ کے قریب دونوں کی ملاقات ہوئی۔ حارث نے ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ کن لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ حارث نے سبب پوچھا تو ان کو واقعہ ولید بن عقبہ کے بھیجنے کا اور ان کی واپسی کا بتلایا گیا اور یہ کہ ولید بن عقبہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ بیان دیا ہے کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔ حارث نے یہ سن کر کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ میرے پاس آئے۔ اس کے بعد حارث جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حارث نے کہا کہ ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو پیغام حق دے کر بھیجا ہے نہ وہ میرے پاس آئے نہ میں نے ان کو دیکھا۔ پھر جب مقررہ وقت پر آپ کا قاصد نہ پہنچا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی قصور ہوا جس پر حضور ﷺ ناراض ہوئے اس لیے میں حاضر خدمت ہوا۔ حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر سورۂ حجرات کی آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

اور بعض روایات میں ہے کہ ولید بن عقبہ حسب الحکم بنی المصطلق میں پہنچے، اس قبیلے کے لوگوں کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ اس تاریخ پر حضور ﷺ کا قاصد آوے گا یہ تعظیماً بستی سے باہر نکلے کہ ان کا استقبال کریں۔ ولید بن عقبہ کو شبہ ہو گیا کہ یہ شاید پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں۔ یہیں سے واپس ہو گئے اور جا کر حضور ﷺ سے اپنے گمان کے مطابق یہ عرض کیا کہ وہ لوگ

Marfat.com

زکوٰۃ دینے کے لیے تیار نہیں بلکہ میرے قتل کے درپے ہوئے۔اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ خوب تحقیق کرلیں۔اس کے بعد کوئی اقدام کریں۔خالد بن ولید نے بستی سے باہر رات کو پہنچ کر قیام کیا اور تحقیق حال کے لیے چند آدمی بطور جاسوس کے خفیہ بھیج دیئے۔ان لوگوں نے آکر خبر دی کہ یہ سب لوگ اسلام وایمان پر قائم،نماز وزکوٰۃ کے پابند ہیں اور کوئی بات خلاف اسلام نہیں پائی گئی۔خالد بن ولید نے واپس آکر آنحضرت ﷺ کو یہ سارا واقعہ بتلایا،اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(یہ ابن کثیر کی متعدد روایات کا خلاصہ ہے)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے ان پر کوئی الزام لگائے تو اس کی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔

آیت سے متعلقہ احکام ومسائل

امام جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے،کیونکہ اس آیت میں ایک قرأت توفتبتوا کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے۔اور جب فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز نہ ہوا......تو شہادت کو قبول کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا کیونکہ ہر شہادت ایک خبر ہوتی ہے جو حلف وقسم کے ساتھ موکد کی جاتی ہے،اسی لیے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے۔وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آیت قرآن میں اس حکم کی ایک خاص علت منصوص ہے یعنی اَنْ تُصِيبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ۔تو جن معاملات میں یہ علت موجود نہیں وہ آیت کے حکم میں داخل نہیں یا مستثنیٰ ہیں۔مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے۔اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین الحکام وغیرہ میں ہے اور احقر نے احکام القرآن عربی

Marfat.com

حزب سادس میں اس کی تفصیل لکھ دی ہے۔ اہل علم اس میں دیکھ سکتے ہیں۔

ایک اہم سوال و جواب متعلقہ عدالت صحابہ

اس آیت کا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے اور آیت میں ان کو فاسق کہا گیا ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی فاسق بھی ہو سکتا ہے اور یہ اس مسلمہ اور متفق علیہ ضابطے کے خلاف ہے کہ الصحابہ کلھم عدول، یعنی صحابہ کرام سب کے سب ثقہ ہیں۔ ان کی کسی خبر و شہادت پر کوئی گرفت نہیں کی جا سکتی۔ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں فرمایا کہ اس معاملے میں حق بات وہ ہے جس کی طرف جمہور علماء گئے ہیں کہ صحابہ کرام معصوم نہیں ان سے گناہ کبیرہ بھی سرزد ہو سکتا ہے جو فسق ہے اور اس گناہ کے وقت ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں یعنی شرعی سزا جاری کی جائے گی اور اگر کذب ثابت ہوا تو ان کی خبر و شہادت رد کر دی جائے گی لیکن عقیدہ اہل سنت والجماعت کا نصوص قرآن و سنت کی بنا پر یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو ہو سکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک نہ ہو گیا ہو۔ قرآن کریم نے علی الاطلاق ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ[ط] الایہ، اور رضائے الٰہی گناہوں کی معافی کے بغیر نہیں ہوتی، جیسا کہ قاضی ابویعلیٰ نے فرمایا کہ رضا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے وہ اپنی رضا کا اعلان صرف انھی کے لیے فرماتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ ان کی وفات موجبات رضا پر ہو گی۔ (کذا فی الصارم المسلول لابن تیمیہ)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی عظیم الشان جماعت میں سے گنے چنے آدمیوں سے کبھی کوئی گناہ سرزد بھی ہوا ہے تو ان کو فوراً توبہ نصیب ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کو رسول کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے ایسا بنا دیا تھا کہ شریعت ان کی طبیعت بن گئی تھی۔ خلاف شرع کوئی کام یا گناہ سرزد ہونا انتہائی شاذ و نادر تھا۔ ان کے اعمال صالحہ نبی کریم ﷺ اور اسلام پر اپنی جانیں قربان کرنا اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اتباع کو وظیفہ زندگی بنانا اور اس کے لیے ایسے

Marfat.com

مجاہدات کرنا جن کی نظیر پچھلی امتوں میں نہیں ملتی۔ ان بے شمار اعمال صالحہ اور فضائل وکمالات کے مقابلے میں عمر بھر میں کسی گناہ کا سرزد ہو جانا اس کو خود ہی کالعدم کر دیتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت وعظمت اور ادنیٰ سے گناہ کے وقت ان کا خوف وخشیت اور فوراً توبہ کرنا بلکہ اپنے آپ کو سزا کے لیے خود پیش کر دینا، کہیں اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ لینا وغیرہ روایات حدیث میں معروف ومشہور ہیں اور بحکم حدیث گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے گناہ کیا ہی نہیں۔ تیسرے حسب ارشاد قرآن اعمال صالحہ اور حسنات خود بھی گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ خصوصاً جبکہ ان کے حسنات عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ان کا حال وہ ہے جو ابوداؤد ترمذی نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ واللہ لمشهد رجل منهم مع النبى صلى الله عليه وسلم يغبر فيه وجهه خير من عمل احدكم ولو عمر عمر نوح، یعنی خدا کی قسم ان میں سے کسی شخص کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں ان کے چہرے پر غبار پڑ گیا ہو تمھاری عمر بھر کی طاعت و عبادت سے افضل ہے اگرچہ اس کو عمر نوح علیہ السلام دے دی گئی ہو۔ اس لیے ان سے صدور گناہ کے وقت اگرچہ سزا وغیرہ میں معاملہ وہی کیا گیا جو اس جرم کے لیے مقرر تھا مگر اس کے باوجود بعد میں کسی کے لیے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو فاسق قرار دے، اس لیے اگر آنحضرت ﷺ کے عہد میں کسی صحابی سے کوئی گناہ موجب فسق سرزد بھی ہوا اور اس وقت ان کو فاسق کہا بھی گیا تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس فسق کو ان کے لیے مستمر سمجھ کر معاذ اللہ فاسق کہا جائے۔ (کذا فی الروح)

فاسق کسے کہا گیا ہے؟

اور آیت مذکورہ میں تو قطعاً یہ ضروری نہیں کہ ولید بن عقبہ کو فاسق کہا گیا ہو سبب نزول خواہ ان کا معاملہ ہی سہی مگر لفظ فاسق ان کے لیے استعمال کیا گیا یہ ضروری نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو ولید بن عقبہ سے کوئی ایسا کام ہوا نہ تھا جس کے سبب ان کو فاسق کہا جائے اور اس واقعہ

Marfat.com

میں بھی جوانھوں نے بنی المصطلق کے لوگوں کی طرف ایک بات غلط منسوب کی وہ بھی اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھ کر کی اگرچہ واقع میں غلط تھی۔ اس لیے آیت مذکورہ کا مطلب بے تکلف وہ بن سکتا ہے جو خلاصہ تفسیر میں اوپر گزرا ہے کہ اس آیت نے قاعدہ کلیہ فاسق کی خبر کے نامقبول ہونے کے متعلق بیان کیا ہے اور واقعہ مذکورہ پر اس آیت کے نزول سے اس کی مزید تاکید اس طرح ہوگئی کہ ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرائن قویہ کے اعتبار سے ناقابل قبول نظر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی خبر پر کسی اقدام سے گریز کر کے خالد بن ولید کو تحقیقات پر مامور فرما دیا تو جب ایک ثقہ اور صالح آدمی کی خبر میں قرائن کی بنا پر شبہ ہو جانے کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر قبل از تحقیق عمل نہیں کیا گیا تو فاسق کی خبر کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اور زیادہ واضح ہے۔ عدالت صحابہ کی مکمل بحث احقر نے اپنی کتاب مقام صحابہ میں بیان کر دی جو شائع ہو چکی ہے اور اس کا کچھ حصہ اگلی آیت وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الایہ کے تحت میں بھی آ جائے گا۔''

(معارف القرآن، جلد ہشتم ص ۱۰۴-۱۰۷)

ایک احتمال

اگرچہ تاریخی حوالوں میں صراحتاً یہ مذکور نہیں ہے کہ اس مہم پر روانگی اور سفر کے دوران میں حضرت ولید بن عقبہ سے کسی نے قبیلہ بنوالمصطلق کے بارے میں کوئی شکایت کی ہو مگر اس دور کے مجموعی احوال کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ہرگز بعید از امکان نہیں ہے کہ راستے میں ان کی کسی شخص سے ملاقات ہو گئی ہو اور یہ تو مستند حوالوں سے معلوم و معروف ہے کہ ولید بن عقبہ کی زمانہ جاہلیت سے بنوالمصطلق سے چپقلش تھی۔ یوں ملنے والے فرد یا افراد نے انھیں کہا ہو کہ بنوالمصطلق تمھیں قتل کر دیں گے۔ اس طرح فاسق براہ راست حضرت ولید بن عقبہ کی بجائے وہ فرد یا افراد قرار پائیں گے لیکن اگر اس سے مراد ولید ہی ہوں جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے تو اس صورت میں مندرجہ بالا مفسرین کی توجیہہ نہایت دل نشین ہے جسے مفتی محمد شفیع صاحب نے پوری شرح و بسط کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔

Marfat.com

اس واقعہ کی اہمیت

بظاہر یہ واقعہ غیر متعلقہ اور موضوع سے بعید نظر آتا ہے مگر نظر عمیق سے دیکھیں تو اس واقعہ کو غزوات و جہاد سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے اس واقعہ کو اس باب میں اس لیے شامل کر دیا ہے کہ ایک تو سیدنا حارث بن ضرار رضی اللہ عنہ کا اس میں تذکرہ ہے۔ یہ صحابی جلیل اس لحاظ سے اہم ہیں کہ غزوہ بنو المصطلق میں ان کا کردار نہایت نمایاں اور تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ پھر اسلام قبول کر کے انھوں نے درجہ صحابیت پر اپنے آپ کو فائز کر لیا۔ اس کے علاوہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہونے کی بنا پر امت میں ان کا ایک معتبر و محترم مقام ہے۔ اس واقعہ کی بنیاد پر ان کا نہ صرف تذکرہ تاریخ میں آیا ہے بلکہ ان کے خلاف فوج کشی تک ہو گئی مگر خوش قسمتی سے جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ان اسباب کی بنیاد پر ہم نے اس واقعہ کو اس باب کا حصہ بنا دیا ہے اور اصحاب علم کی آرا بھی قارئین کے مطالعے کے لیے بلا کم و کاست جمع کر دی ہیں۔ متن پورے کا پورا ان علمائے کرام کی اپنی تحریروں پر مشتمل ہے، البتہ ذیلی سرخیاں قارئین کی آسانی و تفہیم کے لیے ہم نے لگائی ہیں۔

Marfat.com

غزوۂ بنو مُصطلق (خزاعہ کی شاخ)

غزوۂ مُریسیع (شعبان 5ھ)

اِفک (بہتان) کا واقعہ

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ "جو لوگ یہ بہت بڑا طوفان باندھ لائے ہیں یہ بھی تم ہی میں سے ایک گروہ ہے۔ تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ہاں ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سرانجام دیا ہے اس کیلیے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے۔"

﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾ "تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ یا اللہ! تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے اور تہمت ہے۔"

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ "جو لوگ مسلمانوں میں برائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں۔"

(النور: 19،16،11/24)

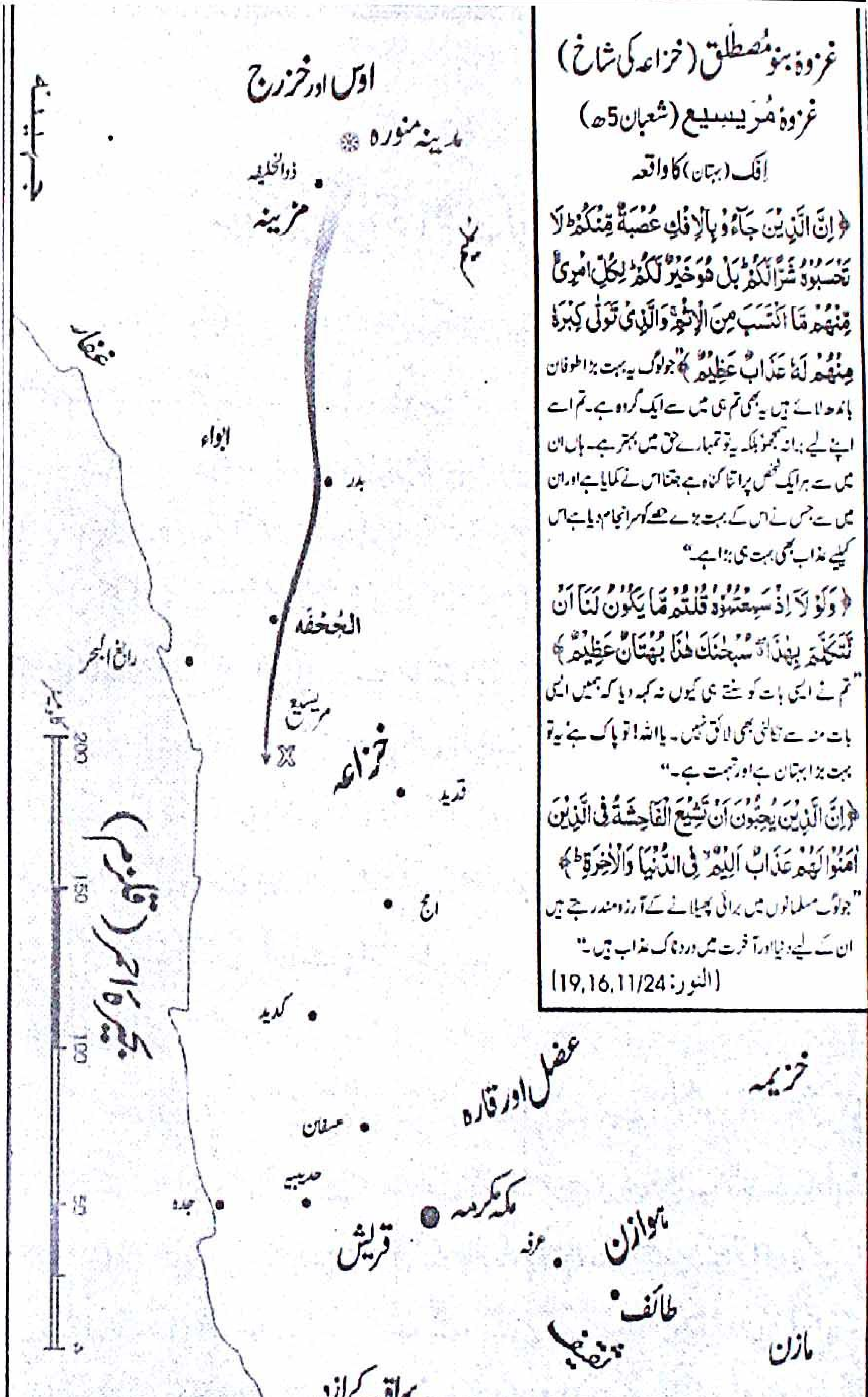

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۲۷۷)

Marfat.com

منافقین کی خباثت اور فتنہ عظیم

عصبیت جاہلیہ کا فتنہ

جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان کیا جا چکا ہے غزوہ بنی المصطلق میں منافقین کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ منافقین ہمیشہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ جب ان کے گھناؤنے عزائم کا بھانڈا پھوٹ جاتا تو وہ اپنی برأت کا اظہار کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھانے لگتے۔ مخلص اہل ایمان سے منافقین کو جو عناد اور حسد تھا وہ چھپائے نہیں چھپتا تھا۔ تاریخ میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں جب ان مارہائے آستین نے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑانے کے لیے بڑی گہری چالیں چلیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی اور رسول رحمت ﷺ کی حکمت و دانائی کی بدولت ہمیشہ ان کے ناپاک منصوبے خاک میں مل جاتے رہے ورنہ ان کی چالیں ایسی غضب کی تھیں کہ ان سے پہاڑ ٹل جاتے۔

ناخوشگوار واقعہ

آنحضور ﷺ بنوالمصطلق کے علاقے میں تھے کہ ایک بہت ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ مہاجرین میں سے ایک شخص جہجاہ بن مسعود غفاری رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خادم تھے اور مہاجرین میں شمار ہوتے تھے اپنے سواری کے جانور کو پانی پلانے چشمے پر گئے تو اسی لمحے سنان بن وبر جہنی رضی اللہ عنہ بھی جو قبیلہ خزرج کے حلیف تھے، چشمے پر آ گئے۔ دونوں صاحبوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ بے احتیاطی میں غفاری بھائی نے بنو کنانہ اور مہاجرین کو مدد کے لیے پکارا جبکہ جہنی بھائی نے انصار کو مدد کے لیے آواز دی۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی پکار تعلیمات اسلام کی روشنی میں

Marfat.com

عصبیت جاہلیہ میں شمار ہوتی ہے۔ اس پکار کو سن کر دونوں جانب سے انصار و مہاجرین لپکے۔ قریب تھا کہ کوئی بدمزگی پیدا ہو جائے مگر کبار صحابہ نے بیچ بچاؤ کر کے معاملے کو رفع دفع کر دیا۔ خود آنحضور ﷺ بھی موقع پر پہنچ گئے۔ انھیں دیکھ کر سب صحابہ نادم ہوئے اور خاموشی چھا گئی۔

ابن ابی کا خبث باطن

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تو ایسے موقع کی تلاش میں رہتا تھا۔ جب تلواریں نیام میں چلی گئیں اور جذبات ٹھنڈے ہو گئے تو اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے درمیان جذبات کو بھڑکانے کے لیے کہنا شروع کیا: ''یہ مہاجرین ہمارے لیے وبال جان بن گئے ہیں۔ ہم نے انھیں پناہ دی اور اب یہ ہمیں آنکھیں دکھاتے ہیں۔ ہمارے اور ان قریشی کنگلوں کے اوپر یہ ضرب المثل صادق آتی ہے کہ ''اپنے کتے کو پال تا کہ تجھ ہی کو بھنبھوڑ کھائے۔'' پھر اس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو سرزنش کرتے ہوئے کہا: ''یہ سب کچھ تمھارا اپنا کیا دھرا ہے، تم لوگوں نے خود ہی انھیں لا کر اپنے ہاں بسایا ہے اور ان کو اپنے مال و جائیداد میں حصہ دار بنایا ہے۔ آج اگر تم ان سے ہاتھ کھینچ لو تو ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا۔ بخدا آج کے دن جیسی ذلت کبھی میں نے نہیں دیکھی۔'' (تفسیر ابن کثیر سورۃ المنافقون)

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

عبداللہ بن ابی بڑا ہوشیار اور کائیاں شخص تھا۔ وہ ہمیشہ شیطانی حرکتیں بھی کرتا رہتا تھا اور اپنے خلاف کوئی قانونی ثبوت بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ اس نے اپنے آس پاس دیکھا تو اسے اطمینان ہوا کہ کوئی اس کا راز فاش کرنے والا موجود نہیں ہے مگر وہاں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ موجود تھے جو اس وقت بہت کم سن تھے۔ ان کی عمر اس وقت تقریباً چودہ سال یا اس سے بھی کم ہوگی۔ مفسر ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ کے بقول ''ان کے بارے میں منافقین نے خیال کیا کہ انھیں ان باتوں کا کیا فہم و ادراک ہے۔'' (المحرر الوجیز لابن عطیہ۔ جلد ۱۴ صفحہ ۴۶۰) انھوں نے منافقوں کے سردار کی یہ باتیں سنیں تو ان کا خون کھول اٹھا۔ انھوں نے اپنے کان اس کی گفتگو کی طرف لگا دیے

Marfat.com

اور بظاہر بے توجہی سے نظریں دوسری طرف گاڑ دیں۔ عبداللہ بن ابی کہتا چلا گیا ''خدا کی قسم مدینہ پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل لوگوں کو نکال باہر کرے گا۔''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اپنے چچا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انھیں منافق سردار کی پوری گفتگو سنا دی۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابی تھے۔ یہ باتیں سن کر ان کو بڑا غصہ آیا۔ وہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے پوری روداد گوش گزار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے لڑکے شاید تم ابن ابی سے کچھ ناراض ہو؟ یہ بھی ممکن ہے کہ تم سے سننے میں کچھ غلطی ہو گئی ہو'' مگر ذہین نوعمر صحابی نے قسم کھا کر کہا کہ اس نے وہی باتیں بتائی ہیں جو اپنے کانوں سے سنی ہیں، نہ اسے عبداللہ ابن اُبی سے ذاتی مخاصمت ہے اور نہ اس کی سماعت میں خلل ہے''۔

چکنا گھڑا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی کو بلا بھیجا۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے روایتی تصنع کے ساتھ بڑے ادب سے حاضر ہوا اور جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کی گفتگو کے بارے میں دریافت فرمایا تو صاف مکر گیا۔ اس نے حلفاً کہا کہ اس نے اپنی زبان سے ایسی کوئی بات نکالی ہی نہیں۔ قرآن مجید نے اس کی تردید اور حضرت زید بن ارقم کی تائید کی۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ جب سورہ منافقون کی آیت میں رئیس المنافقین کا بھانڈا پھوٹ گیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ارقم کو بلا بھیجا اور بڑے پیار اور شفقت سے ان کے کان پکڑ کر فرمایا: ''لڑکے کا کان سچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی تصدیق کر دی ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر، زاد المسیر اور دیگر تفاسیر کا خلاصہ ہم نے درج کر دیا ہے)

ایک روایت میں اس واقعہ کی تفصیلات یوں بیان ہوئی ہیں کہ عبداللہ ابن اُبی نے انکار کیا اور اس کے دیگر ساتھیوں نے بھی اس کی تائید کی تو مجلس میں موجود سب بزرگوں نے حضرت زید بن ارقم کو گھور کر دیکھا اور بعض نے ڈانٹ بھی پلائی۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اس پر آزردہ ہوئے مگر

Marfat.com

انھوں نے دل میں کہا کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ میری بات کی تصدیق کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ سورہ التوبہ کی آیت ۷۴ اسی واقعہ کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ ہماری رائے میں یہ واقعہ سورہ التوبہ کے نزول سے کافی قبل کا ہے۔ مگر اس آیت میں منافقین کی جو نقشہ کشی کی گئی ہے ان پر یہ آیت منطبق ضرور ہوتی ہے۔ منافقین جھوٹے تھے اور جھوٹی قسمیں کھانا ان کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ اس آیت کا ترجمہ بھی باب کے آخر میں دیا جا رہا ہے۔

حکیمانہ فیصلہ

عبداللہ ابن ابی کی گفتگو سن کر آنحضور ﷺ نے فوراً ہی کوچ کا حکم دے دیا۔ آپ ﷺ مسلسل چلتے رہے، یہاں تک کہ رات بیتی، دن طلوع ہوا اور دوپہر ہو گئی۔ دوپہر کے وقت آپ ﷺ نے پڑاؤ کا حکم دیا۔ یہ حکمت عملی آپ ﷺ نے اس لیے اختیار کی تاکہ لوگ سفر سے چور چور ہو جائیں اور آپس میں بیٹھ کر فتنہ انگیز باتیں کرنے اور سننے کی بجائے پڑاؤ ڈالتے ہی گہری نیند سو جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے راستے میں عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کی گردن مار دینی چاہیے مگر آنحضور ﷺ بے پناہ عفو و درگزر کے ساتھ ساتھ بے انتہا حکمت و تدبر کے بھی مالک تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نرمی سے سمجھایا ''اے عمر دنیا کیا کہے گی، یہی نا کہ محمد (ﷺ) خود اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔'' راستے میں سید الاوس حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا نبی اللہ آج آپ ﷺ نے خلاف معمول بے وقت کوچ کا حکم دے دیا۔'' آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ''تم نے سنا نہیں کہ تمھارے صاحب نے کیا باتیں کی ہیں؟'' انھوں نے پوچھا ''کون صاحب؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''عبداللہ ابن ابی۔'' انھوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ اس شخص سے اعراض فرمائیے۔ آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے ہیں تو ہم لوگ متفقہ طور پر اسے بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے اور اس کے لیے تاج تیار ہو رہا تھا۔

Marfat.com

آپ ﷺ کی آمد سے اس کا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ اسی کی جلن وہ نکال رہا ہے۔"

ابن کثیر اور دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ آنحضور ﷺ کا مسلسل طویل ترین سفر یہی تھا جس میں تیس گھنٹے [نمازوں کے وقفوں کے ساتھ] بلا توقف پورا لشکر چلتا رہا۔ اس طرح یہ فتنہ تو ٹل گیا مگر دشمنانِ اسلام نے ایک اور فتنہ اٹھا دیا جو اس سے بھی زیادہ خطرناک اور باعث اذیت تھا یعنی واقعہ افک جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

داخلی خلفشار شکست کا باعث

باہمی قتال ایسا بڑا فتنہ ہے جس کی بروقت روک تھام نہ کی جائے تو بیرونی دشمن کو حملہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ وہ مزے سے بیٹھے دیکھتے ہیں کہ گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ یوں دشمنوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلتے ہیں۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے انھیں جب بھی تباہی کا سامنا کرنا پڑا اس میں ان کے اندرونی اختلافات اور جاہلی عصبیت کی بنیاد پر واقع ہونے والی تقسیم و تفریق کا سب سے زیادہ عمل دخل نظر آئے گا۔ رسول رحمت ﷺ اس مہلک فتنے کی تباہ کاریوں سے بخوبی واقف تھے۔ اسی لیے ایسے ہر موقع پر آپ نے عصبیت کا نعرہ لگانے والوں کو سختی سے منع فرمایا۔ اس موقع پر آپ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

> ما بال دعوى الجاهلية ؟ مالكم ولدعوة الجاهلية؟ دعوها فانها منتنه. یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ تم لوگ کہاں اور یہ جاہلیت کی پکار کہاں؟ اسے چھوڑ دو، یہ بڑی گندی چیز ہے۔" اس پر دونوں طرف کے صالح لوگوں نے آگے بڑھ کر معاملہ رفع دفع کرا دیا اور سنان نے جہجاہ کو معاف کر کے صلح کر لی۔ (تفسیر ابن عطیہ المحرر الوجیز جلد ۱۴ص ۶۰ ۴)

سید مودودی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۃ المنافقون کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا ایک ایک لفظ سونے میں تولنے کے قابل ہے۔ ہم نے دیگر تفاسیر بھی دیکھی ہیں مگر یہاں تفہیم القرآن کا یہ جامع اقتباس صاحب تفہیم کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

جاہلیت کی پکار پر آنحضور ﷺ کی مندرجہ بالا سرزنش کے بارے میں لکھتے ہیں:

روحِ اسلام

"یہ ایک بڑی اہم بات ہے جو اس موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ اسلام کی صحیح روح کو سمجھنے کے لیے اسے ٹھیک ٹھیک سمجھ لینا ضروری ہے۔ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ دو آدمی اگر اپنے جھگڑے میں لوگوں کو مدد کے لیے پکارنا چاہیں تو وہ کہیں، مسلمانو، آؤ اور ہماری مدد کرو یا یہ کہ لوگو ہماری مدد کے لیے آؤ۔ لیکن اگر ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے قبیلے یا برادری یا نسل و رنگ یا علاقے کے نام پر لوگوں کو پکارتا ہے تو یہ جاہلیت کی پکار ہے اور اس پکار پر لبیک کہہ کر آنے والے اگر یہ نہیں دیکھتے کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون اور حق و انصاف کی بنا پر مظلوم کی حمایت کرنے کے بجائے اپنے اپنے گروہ کے آدمی کی حمایت میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو جاتے ہیں تو یہ جاہلیت کا فعل ہے جس سے دنیا میں فساد برپا ہوتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے گندی اور گھناؤنی چیز قرار دیا اور مسلمانوں سے فرمایا کہ تمھارا اس جاہلیت کی پکار سے کیا واسطہ؟ تم اسلام کی بنیاد پر ایک ملت بنے تھے، اب یہ انصار اور مہاجر کے نام پر تمھیں کیسے پکارا جا رہا ہے، اور اس پکار پر تم کہاں دوڑے جا رہے ہو؟ علامہ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ فقہائے اسلام نے کسی جھگڑے یا اختلاف میں جاہلیت کی پکار بلند کرنے کو ایک فوجداری جرم قرار دیا ہے۔ ایک گروہ اس کی سزا پچاس ضرب تازیانہ قرار دیتا ہے، دوسرا گروہ دس ضرب تجویز کرتا ہے اور تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کی سزا حالات کی مناسبت سے دی جانی چاہیے۔ بعض حالات میں صرف زجر و توبیخ کافی ہے، بعض دوسرے حالات میں ایسی پکار بلند کرنے والے کو قید کرنا چاہیے، اور اگر یہ زیادہ شر انگیز ہو تو اس کے مرتکب کو سزائے تازیانہ دینی چاہیے۔" (تفہیم القرآن، جلد پنجم ص ۵۱۲)

منافقین کا تذکرہ قرآن مجید کی کم و بیش ہر مدنی سورہ میں ملتا ہے۔ رسول رحمت ﷺ کے غزوات میں بھی ہر غزوے کے اندر ان لوگوں کے گھناؤنے کردار کی جھلکیاں کہیں جلی اور کہیں خفی

Marfat.com

ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ ایک سورہ تو انھی لوگوں سے منسوب ہے۔ اس کا نام بھی سورۃ المنافقون ہے اور اس کا نفس مضمون بھی اسی گروہ کے متعلق ہے۔ اوپر ذکر کیے گئے فتنے کے حوالے سے سورۃ المنافقون میں جو کچھ نازل ہوا اور ان نازل شدہ آیات پر مفسرین نے جو کچھ لکھا وہ سب ہمارے اس موضوع کا اہم، معلومات افزا اور دلچسپ حصہ ہے۔

منافق اعظم کا تاریخی پس منظر

رئیس المنافقین عبداللہ ابن اُبی کی اسلام دشمنی کی وجوہات کو سمجھنے کے لیے اس کے ذاتی احوال اور تاریخی پس منظر کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ سورۃ المنافقون کے دیباچے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے اس کا بہترین خلاصہ پیش فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اوس اور خزرج کے قبیلے آپس کی خانہ جنگیوں سے تھک کر ایک شخص کی قیادت وسیادت پر قریب قریب متفق ہو چکے تھے اور اس بات کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اس کو اپنا بادشاہ بنا کر باقاعدہ اس کی تاج پوشی کی رسم ادا کر دیں، حتیٰ کہ اس کے لیے تاج بنا بھی لیا گیا تھا۔ یہ قبیلہ خزرج کا رئیس عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ قبیلہ خزرج میں اس کی بزرگی بالکل متفق علیہ تھی اور اوس وخزرج اس سے پہلے کبھی ایک شخص کی قیادت پر جمع نہیں ہوئے تھے"۔ (سیرۃ ابن ھشام، ج ۲، ص ۲۳۴)

اس صورت حال میں اسلام کا چرچا مدینہ پہنچا اور ان دونوں قبیلوں کے بااثر آدمی مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔ ہجرت سے پہلے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ کو مدینہ طیبہ تشریف لانے کی دعوت دی جا رہی تھی، اس وقت حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری اس دعوت کو صرف اس مصلحت سے موخر کرنا چاہتے تھے کہ عبداللہ بن اُبی بھی بیعت اور دعوت میں شریک ہو جائے تاکہ مدینہ بالاتفاق اسلام کا مرکز بن سکے لیکن جو وفد بیعت کے لیے حاضر ہوا تھا اس نے اس مصلحت کو کوئی اہمیت نہ دی اور اس کے تمام شرکا جن میں دونوں قبیلوں کے ۷۵ آدمی

Marfat.com

شامل تھے، ہر خطرہ مول لے کر حضور ﷺ کو دعوت دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۸۹)

ابن اُبی کی بے بسی

اس کے بعد جب حضور ﷺ مدینہ پہنچے تو انصار کے ہر گھرانے میں اسلام اتنا پھیل چکا تھا کہ عبداللہ ابن ابی بے بس ہو گیا اور اس کو اپنی سرداری بچانے کی اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ خود بھی مسلمان ہو جائے۔ چنانچہ وہ اپنے ان بہت سے حامیوں کے ساتھ، جن میں دونوں قبیلوں کے (بعض) شیوخ اور سردار شامل تھے، داخلِ اسلام ہو گیا، حالانکہ دل ان سب کے جل رہے تھے اور خاص طور پر ابن ابی کو اس بات کا سخت غم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بادشاہی چھین لی ہے۔ کئی سال تک اس کا یہ منافقانہ ایمان اور اپنی ریاست چھن جانے کا یہ غم طرح طرح کے رنگ دکھاتا رہا۔ ایک طرف حال یہ تھا کہ ہر جمعہ کو جب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے بیٹھتے تو عبداللہ ابن اُبی اٹھ کر کہتا کہ حضرات، یہ اللہ کے رسول ﷺ آپ کے درمیان موجود ہیں جن کی ذات سے اللہ نے آپ کو عزت اور شرف بخشا ہے، لہٰذا آپ ان کی تائید کریں اور جو کچھ یہ فرماتے ہیں اسے غور سے سنیں اور ان کی اطاعت کریں۔ (سیرۃ ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۱۱)

دوسری طرف کیفیت یہ تھی کہ روز بروز اس کی منافقت کا پردہ چاک ہوتا چلا جا رہا تھا اور مخلص مسلمانوں پر یہ بات کھلتی چلی جاتی تھی کہ وہ اور اس کے ساتھی اسلام اور رسول اللہ ﷺ اور گروہ اہل ایمان سے سخت بغض رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کسی راستے سے گزر رہے تھے کہ ابن اُبی نے آپ کے ساتھ بدتمیزی کی۔ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ سے اس کی شکایت فرمائی تو انھوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کے ساتھ نرمی برتیے آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہم اس کے لیے تاجِ شاہی تیار کر رہے تھے، اب یہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس سے بادشاہی چھین لی ہے۔'' (سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۳۷-۲۳۸)

Marfat.com

یہودیوں کی حمایت

جنگ بدر کے بعد جب یہودی قبیلے بنی قینقاع کی صریح بدعہدی اور بلا اشتعال سرکشی پر رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کی تو یہ شخص ان کی حمایت پر اٹھ کھڑا ہوا اور حضور ﷺ کی زرہ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ سات سو مردان جنگی، جو ہر دشمن کے مقابلے میں میرا ساتھ دیتے رہے ہیں، آج ایک دن میں آپ انھیں ختم کر ڈالنا چاہتے ہیں؟ خدا کی قسم، میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے ان حلیفوں کو معاف نہ کر دیں گے۔ (سیرة ابن هشام، ج ۳، ص ۵۱-۵۲)

عین دوران جنگ میں غداری

جنگ احد کے موقع پر اس شخص نے صریح غداری کی اور عین وقت پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان جنگ سے الٹا واپس آ گیا۔ جس نازک گھڑی میں اس نے یہ حرکت کی تھی اس کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قریش کے لوگ تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کے مقابلے میں صرف ایک ہزار آدمی ساتھ لے کر مدافعت کے لیے نکلے تھے۔ ان ایک ہزار میں سے بھی یہ منافق تین سو آدمی توڑ لایا اور حضور ﷺ کو صرف سات سو کی جمعیت کے ساتھ تین ہزار دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

اس واقعہ کے بعد مدینہ کے عام مسلمانوں کو یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ شخص قطعی منافق ہے اور اس کے وہ ساتھی بھی پہچان لیے گئے جو منافقت میں اس کے شریک کار تھے۔ اسی بنا پر جنگ احد کے بعد جب پہلا جمعہ آیا اور یہ شخص حضور ﷺ کے خطبے سے پہلے حسب معمول تقریر کرنے کے لیے اٹھا تو لوگوں نے اس کا دامن کھینچ کر کہا: ''بیٹھ جاؤ، تم یہ باتیں کرنے کے اہل نہیں ہو۔'' مدینہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ علانیہ اس شخص کی تذلیل کی گئی۔ اس پر برہم ہو کر وہ لوگوں کی گردنوں پر سے کودتا پھاندتا مسجد سے نکل گیا۔ مسجد کے دروازے پر بعض انصاریوں نے اس سے کہا: ''یہ کیا حرکت کر رہے ہو، واپس چلو اور رسول اللہ ﷺ سے استغفار کی درخواست

Marfat.com

کرو۔'' اس نے بگڑ کر جواب دیا: ''میں ان سے کوئی استغفار نہیں کرانا چاہتا۔'' (سیرۃ ابن ہشام، ج ٣، ص ١١١)

ابن اُبیّ اور غزوۂ بنو النضیر

پھر ۴ ہجری میں غزوۂ بنی النضیر پیش آیا اور اس موقع پر اس شخص نے اور اس کے ساتھیوں نے اور بھی زیادہ کھل کر اسلام کے خلاف اعدائے اسلام کی حمایت کی۔ ایک طرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ ان یہودی دشمنوں سے جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور دوسری طرف یہ منافقین اندر ہی اندر یہود کو پیغام بھیج رہے تھے کہ ڈٹے رہو، ہم تمھارے ساتھ ہیں، تم سے جنگ کی جائے گی تو ہم تمھاری مدد کریں گے اور تم کو نکالا جائے گا تو ہم تمھارے ساتھ نکلیں گے۔ اس خفیہ ساز باز کا راز اللہ تعالیٰ نے خود کھول دیا، جیسا کہ سورۂ حشر کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے۔

لیکن اس کی اور اس کے ساتھیوں کی اتنی پردہ دری ہو جانے کے باوجود جس وجہ سے رسول اللہ ﷺ اس کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرما رہے تھے وہ یہ تھی کہ منافقین کا ایک بڑا جتھا اس کے ساتھ تھا۔ اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے بہت سے سردار اس کے حامی تھے۔ مدینہ کی آبادی میں کم از کم ایک تہائی تعداد اس کے ساتھیوں کی موجود تھی، جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر ظاہر ہو چکا تھا۔ ایسی حالت میں یہ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ باہر کے دشمنوں سے لڑائی کے ساتھ ساتھ اندر کے ان دشمنوں سے بھی جنگ مول لے لی جاتی۔ اسی بنا پر ان کی منافقت کا حال جانتے ہوئے بھی حضور ﷺ ایک مدت تک ان کے ساتھ ان کے ظاہری دعوائے ایمان کے لحاظ سے معاملہ فرماتے رہے۔ دوسری طرف یہ لوگ بھی نہ اتنی طاقت رکھتے تھے، نہ ہمت کہ علانیہ کافر بن کر اہل ایمان سے لڑ لیتے، یا کسی حملہ آور دشمن کے ساتھ کھلم کھلا مل کر میدان میں آ جاتے۔ بظاہر وہ اپنا ایک مضبوط جتھا بنائے ہوئے تھے مگر ان کے اندر وہ کمزوریاں موجود تھیں جن کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حشر کی آیات ١٢-١۴ میں صاف صاف کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ اس لیے وہ مسلمان بنے رہنے ہی میں اپنی

Marfat.com

خیر سمجھتے تھے۔ مسجدوں میں آتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، زکوٰۃ بھی دے ڈالتے تھے۔ زبان سے ایمان کے وہ لمبے چوڑے دعوے کرتے تھے جن کے کرنے کی مخلص مسلمانوں کو کبھی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ ان کے پاس اپنی ہر منافقانہ حرکت کے لیے ہزار جھوٹی توجیہیں موجود تھیں جن سے وہ خاص طور پر اپنے ہم قبیلہ انصار کو یہ دھوکا دینے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ ان تدبیروں سے وہ اپنے آپ کو ان نقصانات سے بھی بچا رہے تھے جو انصار کی برادری سے الگ ہو جانے کی صورت میں ان کو پہنچ سکتے تھے اور فتنہ پردازی کے ان مواقع سے بھی فائدہ اٹھا رہے تھے جو اس برادری میں شامل رہ کر انھیں مل سکتے تھے۔

یہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے عبداللہ ابن اُبی اور اس کے ساتھی منافقین کو غزوہ بنی المصطلق کی مہم میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے کا موقع مل گیا اور انھوں نے بیک وقت دو ایسے عظیم فتنے اٹھا دیے جو مسلمانوں کی جمعیت کو بالکل پارہ پارہ کر سکتے تھے مگر قرآن پاک کی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے اہل ایمان کو جو بہترین تربیت ملی تھی، اس کی بدولت ان دونوں فتنوں کا بروقت قلع قمع ہو گیا اور یہ منافقین الٹے خود ہی رسوا ہو کر رہ گئے۔ ان میں سے ایک فتنہ وہ تھا جس کا ذکر سورۂ نور میں گزر چکا ہے اور دوسرا فتنہ یہ ہے جس کا اس سورہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس واقعہ کو بخاری، مسلم، احمد، نسائی، ترمذی، بیہقی، طبرانی، ابن مردویہ، عبدالرزاق، ابن جریر طبری، ابن سعد اور محمد بن اسحاق نے بکثرت سندوں سے نقل کیا ہے۔ بعض روایات میں اس مہم کا نام نہیں لیا گیا ہے جس میں یہ پیش آیا تھا اور بعض میں اسے غزوۂ تبوک کا واقعہ بیان کیا گیا ہے مگر مغازی اور سیر کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر پیش آیا تھا۔" (تفہیم القرآن، جلد پنجم صفحات ۵۰۸ تا ۵۱۱)

رسولِ رحمت ﷺ کی بے مثال بردباری

عبداللہ ابن ابی کی خباثتوں پر آنحضور ﷺ خود بہت دل آزردہ تھے مگر کمال تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ہمیشہ اسے ڈھیل دیے رکھی۔ یہ فتنوں کے سدباب کے لیے

Marfat.com

آپ ﷺ کا حکیمانہ اسوۂ حسنہ تھا۔کئی مرتبہ آپ ﷺ کے جاں نثاروں نے آپ سے اجازت بھی مانگی کہ ان منافقین کی گردنیں اڑادی جائیں مگر آپ انھیں اس سے منع فرما کر صبر کی تلقین فرماتے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آنحضور ﷺ سے ابن ابی کو قتل کرنے کا اذن چاہا تو آپ ﷺ نے انھیں بھی منع فرمادیا۔

العزۃ للّٰہ و لرسولہٖ وللمؤمنین

ایک جانب آنحضور ﷺ کا یہ ظرف اور دوسری جانب ابن ابی کی یہ خباثت کہ جب لوگوں کو اس کی اشتعال انگیز اور فتنہ پرور باتوں کا علم ہوا اور انھوں نے اسے سرزنش کی اور آنحضور ﷺ سے معافی مانگنے کا مشورہ دیا تو وہ اپنی جھوٹی انا اور کافرانہ پندار پر اڑ گیا۔ اس نے رعونت سے جواب دیا:

”تم نے کہا کہ ان پر ایمان لاؤ۔ میں ایمان لے آیا۔تم نے کہا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ دو۔ میں نے زکوٰۃ بھی دے دی۔ اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمد ﷺ کو سجدہ کروں۔“

ان باتوں سے اس کے خلاف مومنین انصار کی ناراضی اور زیادہ بڑھ گئی اور ہر طرف سے اس پر پھٹکار پڑنے لگی۔ جب یہ قافلہ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگا تو عبداللہ ابن ابی کے صاحبزادے، جن کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی تھا، تلوار سونت کر باپ کے آگے کھڑے ہو گئے اور بولے،” آپ نے کہا تھا کہ مدینہ واپس پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکال دے گا، اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت آپ کی ہے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی۔ خدا کی قسم، آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک رسول اللہ ﷺ آپ کو اجازت نہ دیں۔“ اس پر ابن ابی چیخ اٹھا،” خزرج کے لوگو! ذرا دیکھو، میرا بیٹا ہی مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔“ لوگوں نے یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچائی اور آپ ﷺ نے فرمایا” عبداللہ سے کہو اپنے باپ کو گھر آنے دے۔“ عبداللہ نے کہا” ان کا حکم ہے تو اب آپ داخل ہو سکتے ہیں۔“ اس وقت حضور ﷺ نے حضرت

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کیوں عمر، اب تمھارا کیا خیال ہے؟ جس وقت تم نے کہا تھا کہ مجھے اس کو قتل کرنے کی اجازت دیجیے اس وقت اگر تم اسے قتل کر دیتے تو بہت سی ناکیں اس پر پھڑ کنے لگتیں۔ آج اگر میں اس کے قتل کا حکم دوں تو اسے قتل تک کیا جا سکتا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''خدا کی قسم اب مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میری بات سے زیادہ مبنی برحکمت تھی۔'' (تفہیم القرآن جلد پنجم، ص ۵۱۴)

دو اہم شرعی مسئلے

مولانا مودودی رحمۃ اللہ نے اس موقع پر دو اہم شرعی مسئلوں پر مندرجہ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''اس سے دو اہم شرعی مسئلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ جو طرزِ عمل ابن ابی نے اختیار کیا تھا، اگر کوئی شخص مسلم ملت میں رہتے ہوئے اس طرح کا رویہ اختیار کرے تو وہ قتل کا مستحق ہے۔ دوسرے یہ کہ محض قانوناً کسی شخص کے مستحق قتل ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرور اسے قتل ہی کر دیا جائے، ایسے کسی فیصلے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا اس کا قتل کسی عظیم تر فتنے کا موجب تو نہ بن جائے گا۔ حالات سے آنکھیں بند کر کے قانون کا اندھا دھند استعمال بعض اوقات اس مقصد کے خلاف یا بالکل الٹا نتیجہ پیدا کر دیتا ہے جس کے لیے قانون استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ایک منافق اور مفسد آدمی کے پیچھے کوئی قابل لحاظ سیاسی طاقت موجود ہو تو اسے سزا دے کر مزید فتنوں کو سر اٹھانے کا موقع دینے سے بہتر یہ ہے کہ حکمت اور تدبر کے ساتھ اس اصل سیاسی طاقت کا استیصال کر دیا جائے جس کے بل پر وہ شرارت کر رہا ہو۔ یہی مصلحت تھی جس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی کو اس وقت بھی سزا نہ دی جب آپ اسے سزا دینے پر قادر تھے، بلکہ اس کے ساتھ برابر نرمی کا سلوک کرتے رہے، یہاں تک کہ دو تین سال کے اندر مدینہ میں منافقین کا زور ہمیشہ کے لیے

Marfat.com

ٹوٹ گیا۔''(جلد پنجم صفحہ ۵۱۴-۵۱۵)

منافقین کا کردار تو تاریخ میں اس قدر واضح ہے کہ اسے سمجھنے میں کوئی ابہام باقی نہیں۔ یہاں محض تذکیر کے لیے سورۃ المنافقون کا متن اور ترجمہ دیا جا رہا ہے۔ اوپر لکھے گئے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد منافقین کا یہ قرآنی نقشہ ان کے بدنما چہروں کو مزید اجاگر کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

سورۂ منافقون (مدنی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ
يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا
يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ
خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫
اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ
رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾ هُمُ الَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ
الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِیَ
اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ

Marfat.com

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

اے نبی ﷺ! جب یہ منافق تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔'' ہاں اللہ جانتا ہے کہ تم ضرور اس کے رسول ہو، مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور اس طرح یہ اللہ کے راستے سے خود رکتے اور دنیا کو روکتے ہیں۔ کیسی بری حرکتیں ہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے ایمان لا کر پھر کفر کیا اس لیے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، اب یہ کچھ نہیں سمجھتے۔

انھیں دیکھو تو ان کے جثے تمھیں شاندار نظر آئیں۔ بولیں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ مگر اصل میں یہ گویا لکڑی کے کندے ہیں جو دیوار کے ساتھ چن کر رکھ دیے گئے ہوں۔ ہر زور کی آواز کو یہ اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہ پکے دشمن ہیں، ان سے بچ کر رہو، اللہ کی مار ان پر، یہ کدھر الٹے پھرائے جا رہے ہیں۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول ﷺ تمھارے لیے مغفرت کی دعا کرے تو سر جھٹکتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ بڑے گھمنڈ کے ساتھ آنے سے رکتے ہیں۔

اے نبی ﷺ تم چاہے ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو، ان کے لیے یکساں ہے، اللہ ہرگز انھیں معاف نہ کرے گا، اللہ فاسق لوگوں کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا۔

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول ﷺ کے ساتھیوں پر خرچ کرنا بند کر دو تاکہ یہ منتشر ہو جائیں حالانکہ زمین اور آسمانوں کے خزانوں کا مالک اللہ ہے، مگر یہ منافق سمجھتے نہیں ہیں۔

یہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا، حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے لیے ہے، مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں۔

Marfat.com

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمھارے مال اور تمھاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں جو رزق ہم نے تمھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور اس وقت وہ کہے کہ "اے میرے رب، کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔" حالانکہ جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ کسی شخص کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔"

سورۃ التوبہ کی آیت ۷۴

(التوبہ ۹: ۷۴)

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

یہ لوگ خدا کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے وہ بات نہیں کی، حالانکہ انھوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی ہے۔ وہ اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جسے کر نہ سکے۔ یہ ان کا سارا غصہ اس بات پر ہے نا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیا ہے! اب اگر یہ اپنی اس روش سے باز آ جائیں تو انھی کے لیے بہتر ہے، اور اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ ان کو نہایت دردناک سزا دے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور زمین میں کوئی نہیں جو ان کا حمایتی اور مددگار ہو۔" (اس آیت کی تفسیر اور تفصیلات کے لیے دیکھیے: المحرر الوجیز جلد ششم، صفحہ ۵۶۹-۵۷۰)

Marfat.com

واقعہ افک

آزمائش کی کٹھالی

قرآن وسنت اور تاریخ اسلام کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے بندوں کی آزمائش ان کے مقام ومرتبے کے مطابق ہوتی ہے۔ جس کا جتنا بلند درجہ ہو اس کا اتنا ہی کڑا امتحان لیا جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ میں شعبِ ابی طالب، سفرِ طائف، ہجرتِ مدینہ، واقعۂ احد، شہادتِ حمزہ رضی اللہ عنہ، فرزندانِ مطہرین کی بچپن میں وفات بڑے کٹھن مرحلے تھے مگر سیرت کے طالب علم کے لیے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ واقعہ افک کے دوران میں آنحضور ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جس ذہنی کرب وغم میں مبتلا رہے وہ سب آزمائشوں پر بھاری ہے۔ یہ واقعہ غزوہ بنوالمصطلق سے واپسی پر دشمنان اسلام نے گھڑا اور اس کی خوب تشہیر کی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کی گواہی خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں دی۔ اس واقعہ کی تفصیلات حدیث کے تمام مجموعوں اور سیرت وتاریخ کی تمام کتابوں میں موجود ہیں۔ سورہ نور میں اس موضوع پر قرآن نے روشنی ڈالی ہے۔ عصر حاضر کے عظیم مفسر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے سورہ کے دیباچے اور تفسیری حاشیوں میں اس واقعہ کے تمام پہلو بڑی جامعیت کے ساتھ قلمبند کیے ہیں۔

بہتان عظیم

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر جو فتنہ دشمنان اسلام نے اٹھایا تھا اس کی

Marfat.com

تفصیلات گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔ رسول رحمت ﷺ کے لیے وہ شر انگیز مہم بھی تکلیف دہ تھی مگر اس کے کچھ ہی عرصے بعد دشمنوں نے اس فتنے سے بھی بڑا ایک فتنہ اٹھا دیا۔ یہ غزوہ بنو المصطلق سے واپسی کے موقع پر واقعہ افک کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس واقعہ کی تفصیلات ہم سید مودودی رحمہ اللہ ہی کے الفاظ میں اگلے صفحات میں دے رہے ہیں۔ یہ سب واقعات مختلف ہونے کے باوجود آپس میں مربوط ہیں۔ ان سب کا مقصد تحریک اسلامی کو نقصان پہنچانا اور سیدِ انسانیت ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کیچڑ اچھالنا تھا۔

سید مودودی رحمہ اللہ نے سورۃ النور کے دیباچے میں یہ تفصیلات لکھی ہیں، اس عبارت میں سید مودودی رحمہ اللہ نے چار وضاحتی حاشیے بھی تحریر فرمائے ہیں۔ ہم ان حاشیوں کو ہر صفحے پر درج کرنے کی بجائے مولانا کی اس طویل عبارت کے آخر میں درج کر رہے ہیں۔ مولانا نے واقعہ افک کا تذکرہ کرنے سے پہلے تمہید کے طور پر لکھا ہے۔

''ذوالقعدہ ۵ ہجری میں جب نبی کریم ﷺ نے عرب سے تبنیت کی جاہلانہ رسم کا خاتمہ کرنے کے لیے خود اپنے متبنّٰی (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) کی مطلقہ بیوی (زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا تو اس موقع پر مدینہ کے منافقین پروپیگنڈا کا ایک طوفان عظیم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر سے یہود و مشرکین نے بھی ان کی آواز میں آواز ملا کر افترا پردازیاں شروع کر دیں۔''

(تفہیم القرآن، جلد سوم صفحہ ۳۰۸-۳۰۹)

مولانا رحمہ اللہ نے اپنی اس تحریر میں اس جانب بھی اشارہ فرمایا ہے کہ دشمن کا یہ پروپیگنڈا اس قدر مہلک، زہر آلود اور خطرناک تھا کہ بدقسمتی سے بعض اہل علم (محدثین و مفسرین) کی بعض روایات میں بھی ان من گھڑت قصوں کے کچھ اجزا پائے جاتے ہیں۔ یہ ساری مہم سراسر جھوٹ اور بدنیتی پر مبنی تھی مگر دشمن کے حملے اور شیطان کی چالیں اپنا کام تو دکھا جاتی ہیں۔ آج تک مستشرقین اس واقعہ کو نمک مرچ لگا کر دل کی بھڑاس نکالنے اور اندرونی خباثت کا اظہار کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس واقعہ کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہاں ضمناً اس کا ذکر آ گیا ہے۔ اصل موضوع واقعہ

Marfat.com

افک ہے۔اس کے بارے میں سید مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یہ شوشہ (منافقین کا انصار و مہاجرین کو لڑانے کی سازش) ابھی تازہ ہی تھا کہ اسی سفر میں اس (عبداللہ ابن ابی) نے ایک اور خطرناک فتنہ اٹھا دیا، اور فتنہ بھی ایسا کہ اگر نبی ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کمال درجہ ضبط و تحمل اور حکمت و دانائی سے کام نہ لیتے تو مدینہ کی نوخیز مسلم سوسائٹی میں سخت خانہ جنگی برپا ہو جاتی۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا فتنہ تھا۔(تفہیم القرآن، جلد سوم، صفحہ ۳۱۰)

سید مودودی رحمہ اللہ یہاں پہنچ کر اس واقعہ کی تفصیلات ام المومنین کی اپنی زبانی یوں نقل فرماتے ہیں:

اس کا واقعہ خود انھی کی زبان سے سنیے جس سے پوری صورت حال سامنے آجائے گی۔ بیچ بیچ میں جو امور تشریح طلب ہوں گے انھیں ہم دوسری معتبر روایات کی مدد سے قوسین میں بڑھاتے جائیں گے تاکہ جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تسلسل بیان میں خلل نہ واقع ہو۔ فرماتی ہیں:

صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کہانی ان کی اپنی زبانی

رسول اللہ ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب آپ ﷺ سفر پر جانے لگتے تو قرعہ ڈال کر فیصلہ فرماتے کہ آپ کی بیویوں میں سے کون آپ کے ساتھ جائے۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر قرعہ میرے نام نکلا اور میں آپ کے ساتھ گئی۔ واپسی پر جب ہم مدینہ کے قریب تھے، ایک منزل پر رات کے وقت رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ کیا اور ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ کوچ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ میں اٹھ کر رفع حاجت کے لیے گئی اور جب پلٹنے لگی تو قیام گاہ کے قریب پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ میرے گلے کا ہار کہیں گر پڑا ہے۔ میں اسے تلاش کرنے میں لگ گئی اور اتنے میں قافلہ روانہ ہوگیا۔ قاعدہ یہ تھا کہ میں کوچ کے وقت اپنے ہودے میں بیٹھ جاتی تھی اور چار آدمی اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ ہم عورتیں اس زمانے میں غذا کی کمی کے سبب سے بہت ہلکی

Marfat.com

جب ہار لے کر پہنچی تو وہاں کوئی نہ تھا۔ آخر
آگے جا کر جب یہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو
بس مجھ کو نیند آ گئی۔ صبح کے وقت صفوان بن
ی تھی اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے، کیونکہ
۔ (یہ صاحب بدری صحابیوں میں سے تھے۔
لشکر گاہ میں کہیں پڑے سوتے رہ گئے اور اب
ٹ روک لیا اور بے ساختہ ان کی زبان سے
ی بیوی یہیں رہ گئیں۔ اس آواز سے میری
ل لی۔ انھوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی، لا
ے ہو گئے۔ میں اونٹ پر سوار ہو گئی اور وہ
ر کو جالیا جب کہ وہ ابھی ایک جگہ جا کر ٹھہرا ہی
چھوٹ گئی ہوں۔ اس پر بہتان اٹھانے والوں
بداللہ ابن ابی تھا۔ مگر میں اس سے بے خبر تھی

ن کے اونٹ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لشکر گاہ میں
ئی تھیں اسی وقت عبداللہ ابن ابی پکار اٹھا کہ
کی بیوی نے رات ایک اور شخص کے ساتھ

Marfat.com

کی خبریں اڑ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے کانوں تک بھی بات پہنچ چکی تھی، مگر مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ البتہ جو چیز مجھے کھٹکتی تھی وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی وہ توجہ میری طرف نہ تھی جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ آپ گھر میں آتے تو بس گھر والوں سے یہ پوچھ کر رہ جاتے کیف تیکم (کسی ہیں یہ؟) خود مجھ سے کوئی کلام نہ کرتے۔ اس سے مجھے شبہ ہوتا کہ کوئی بات ہے ضرور۔ آخر آپ سے اجازت لے کر میں اپنی ماں کے گھر چلی گئی تا کہ وہ میری تیمارداری اچھی طرح کر سکیں۔

ایک روز رات کے وقت حاجت کے لیے میں مدینہ کے باہر گئی۔ اس وقت تک ہمارے گھروں میں یہ بیت الخلاء نہ تھے اور ہم لوگ جنگل ہی جایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ مسطح بن اثاثہ کی ماں بھی تھیں جو میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں۔ (دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے خاندان کی کفالت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمے لے رکھی تھی، مگر اس احسان کے باوجود مسطح بھی ان لوگوں میں شریک ہو گئے تھے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف اس بہتان کو پھیلا رہے تھے) راستے میں ان کو ٹھوکر لگی اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا غارت ہو مسطح۔ میں نے کہا اچھی ماں ہو جو بیٹے کو کوستی ہو، اور بیٹا بھی وہ جس نے جنگ بدر میں حصہ لیا ہے۔ انھوں نے کہا "بیٹا، کیا تجھے اس کی باتوں کی کچھ خبر نہیں؟ پھر انھوں نے سارا قصہ سنایا کہ افترا پرداز لوگ میرے متعلق کیا باتیں اڑا رہے ہیں۔ (منافقین کے سوا خود مسلمانوں میں سے جو لوگ اس فتنے میں شامل ہو گئے تھے ان میں مسطح، حسان بن ثابت مشہور شاعر اسلام اور حمنہ بنت جحش، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن کا حصہ سب سے نمایاں تھا) یہ داستان سن کر میرا خون خشک ہو گیا، وہ حاجت بھی بھول گئی جس کے لیے آئی تھی، سیدھی گھر گئی اور رات بھر رو رو کر کاٹی۔

مشاورت

آگے چل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "میرے پیچھے رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے میرے حق میں کلمہ خیر کہا اور عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ بھلائی کے سوا آپ کی بیوی میں کوئی چیز ہم نے نہیں پائی۔ یہ سب کچھ

Marfat.com

جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی برأت نازل ہوئی ہے۔ یہاں جو کچھ بتانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ عبداللہ ابن ابی نے یہ شوشہ چھوڑ کر بیک وقت کئی شکار کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف اس نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عزت پر حملہ کیا۔ دوسری طرف اس نے اسلامی تحریک کے بلند ترین اخلاقی وقار کو گرانے کی کوشش کی۔ تیسری طرف اس نے یہ ایک ایسی چنگاری پھینکی تھی کہ اگر اسلام اپنے پیرودں کی کایا نہ پلٹ چکا ہوتا تو مہاجرین اور انصار اور خود انصار کے بھی دونوں قبیلے آپس میں لڑ مرتے۔'' (تفہیم القرآن، جلد سوم صفحات ۳۱۰ تا ۳۱۴)

اہم نکات کی تشریح

اوپر متن میں دیے گئے بعض امور کی تشریح مزید کے لیے مولانا مودودی رحمہ اللہ کے مندرجہ ذیل حاشیے بھی دیکھ لیجیے۔ اہم نکات کی تشریح سمجھ میں آجائے گی۔ مثلاً قرعہ اندازی کا تذکرہ ہوا ہے تو اس پر مفسرِ قرآن نے تحریر فرمایا ہے:

(۱) ''اس قرعہ اندازی کی نوعیت لاٹری کی سی نہ تھی۔ دراصل تمام بیویوں کے حقوق برابر کے تھے۔ ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ اگر نبی ﷺ خود کسی کا انتخاب کرتے تو دوسری بیویوں کی دل شکنی ہوتی اور ان میں باہم رشک و رقابت پیدا ہونے کے لیے بھی یہ ایک محرک بن جاتا۔ اس لیے آپ قرعہ اندازی سے اس کا فیصلہ فرماتے۔ شریعت میں قرعہ اندازی ایسی ہی صورتوں کے لیے ہے جب کہ چند آدمیوں کا جائز حق بالکل برابر ہو اور کسی کو کسی پر ترجیح دینے کے لیے کوئی معقول وجہ موجود نہ ہو، مگر حق کسی ایک ہی کو دیا جا سکتا ہو۔'' (صفحہ ۳۱۱)

حضرت صفوان بن معطل کے سوتے رہ جانے کی اصل حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۲) ''ابوداؤد اور دوسری کتب سنن میں یہ ذکر آتا ہے کہ ان کی بیوی نے نبی ﷺ سے ان کی شکایت کی تھی کہ یہ کبھی صبح کی نماز وقت پر نہیں پڑھتے۔ انھوں نے عذر

Marfat.com

پیش کیا کہ یارسول اللہ یہ میرا خاندانی عیب ہے، دیر تک سوتے رہنے کی اس کمزوری کو میں کسی طرح دور نہیں کرسکتا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا جب آنکھ کھلے نماز ادا کرلیا کرو۔ بعض محدثین نے ان کے قافلے سے پیچھے رہ جانے کی یہی وجہ بیان کی ہے مگر بعض دوسرے محدثین اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو اس خدمت پر مقرر کیا تھا کہ رات کے اندھیرے میں کوچ کرنے کی وجہ سے اگر کسی کی کوئی چیز چھوٹ گئی ہو تو صبح اسے تلاش کرکے لیتے آئیں۔'' (صفحہ ۳۱۱-۳۱۲)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دونوں کے نام لکھے گئے ہیں، اس پر مولانا کا یہ حاشیہ ہے:

(۳) ''غالباً اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نام لینے کے بجائے سید اوس کے الفاظ استعمال فرمائے ہوں گے۔ کسی راوی نے اس سے مراد حضرت سعد بن معاذ کو سمجھ لیا، کیونکہ اپنی زندگی میں وہی قبیلہ اوس کے سردار تھے اور تاریخ میں وہی اس حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں حالانکہ دراصل اس واقعہ کے وقت ان کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر اوس کے سردار تھے۔'' سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس وقت شہادت پاچکے تھے۔ (صفحہ ۳۱۳)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے جو تکرار کی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۴) ''حضرت سعد بن عبادہ اگرچہ نہایت صالح اور مخلص مسلمانوں میں سے تھے۔ نبی ﷺ سے گہری عقیدت و محبت رکھتے تھے اور مدینہ میں جن لوگوں کے ذریعے سے اسلام پھیلا تھا ان میں ایک نمایاں شخص وہ بھی تھے لیکن ان سب خوبیوں کے باوجود ان کے اندر قومی حمیت (اور عرب میں اس وقت قوم کے معنی

Marfat.com

قبیلے کے تھے) بہت زیادہ تھی۔ اسی وجہ سے انھوں نے عبداللہ ابن ابی کی پشت پناہی کی، کیونکہ وہ ان کے قبیلے کا آدمی تھا۔ اسی وجہ سے فتح مکہ کے موقع پر ان کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ الیوم یوم الملحمة الیوم تستحل الحرمة (آج کشت وخون کا دن ہے۔ آج یہاں کی حرمت حلال کی جائے گی) اور اس پر عتاب فرما کر حضور ﷺ نے ان سے لشکر کا جھنڈا واپس لے لیا۔ [اس کے بعد یہ جھنڈا ان کے بیٹے حضرت قیس بن سعد کو عطا کیا گیا] آخر کار یہی وہ سبب تھا جس کی وجہ سے انھوں نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں یہ دعویٰ کیا کہ خلافت انصار کا حق ہے اور جب ان کی بات نہ چلی اور انصار ومہاجرین سب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو تنہا وہی ایک تھے جنھوں نے بیعت سے انکار کر دیا اور مرتے دم تک قریشی خلیفہ کی خلافت تسلیم نہ کی۔ (ملاحظہ ہو: الاصابہ لابن حجر اور الاستیعاب لابن عبدالبر، ذکر سعد بن عبادہ۔ صفحہ ۱۰-۱۱، بحوالہ: تفہیم القرآن جلد سوم)

قذف کی حد

قارئین محترم! ان سارے واقعات کو پڑھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ صاحب تفہیم القرآن کے علاوہ دیگر تمام مفسرین نے بھی یہ ساری تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ طویل آزمائش کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حقیقت حال کھلی تو جہاں سیدہ عائشہ کی پاک دامنی اور الزام سے برأت کا فیصلہ ہوا وہاں قذف کی شناعت اور حد بھی بیان کی گئی۔ قذف کے مرتکب ہونے والوں کی سزا اسی کوڑے بیان کی گئی اور یہ حدود اللہ میں سے ایک ایسی حد ہے جو انسانوں کی عزت وآبرو اور شرف واعزاز کو محفوظ کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ واقعہ افک میں ملوث افراد میں سے تین افراد پر یہ حد جاری ہوئی۔ عجیب بات یہ ہے کہ عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھ دوسرے منافقین جو اس فتنے میں پیش پیش تھے، قرآنی حد سے بچ گئے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ بے گناہ تھے

Marfat.com

بلکہ انھوں نے کمال ہوشیاری سے یہ فتنہ اٹھایا مگر ان کے خلاف کوئی واضح اور صریح ثبوت شہادتوں کے ساتھ پیش نہ کیا جا سکا۔ پورے معاشرے کو علم تھا کہ فتنے کے محرک وہی لوگ ہیں مگر قانونی تقاضے پورے نہ ہونے کی وجہ سے عدالت نے ان کے خلاف فیصلہ صادر نہ کیا۔ اس جرم کی پاداش میں آخرت میں جوان کی پکڑ ہونے والی ہے اس سے وہ نہیں بچ سکیں گے۔ قرآن مجید اس بارے میں صراحت کے ساتھ روشنی ڈالتا ہے۔

تین صحابہ جن پر حد جاری ہوئی

جن تین صحابہ پر حد جاری ہوئی ان میں دو مرد اور ایک خاتون تھیں۔ یہ صحابہ تھے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ حضرت حسان بڑی خوبیوں کے مالک تھے مگر اس موقع پر ان سے بڑی کمزوری سرزد ہوئی۔ انھیں شاعر رسول کا خطاب ملا اور شعر و شاعری میں انھوں نے بلاشبہ اسلام کی بڑی خدمت کی مگر ان سب خدمتوں کے باوجود اللہ کی قائم کردہ حد سے انھیں کوئی نہ بچا سکا۔ یہ ہے اسلام کا عادلانہ نظام جس میں قانون کی مکمل عمل داری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، وہ سابقون صحابہ میں سے تھے۔ ہجرت اور جہاد کی منزلوں سے گزرے، ہر قسم کی مشکلات برداشت کیں اور ثابت قدم رہے مگر اس موقع پر ان پر بھی شیطان ڈورے ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار بھی تھے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان پر بے پناہ احسانات بھی کیے تھے۔ اس کے باوجود ان سے لغزش ہو گئی۔ جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شدید رنج ہوا، مگر اللہ کا حکم آنے پر انھوں نے ان کو معاف کر دیا۔

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔ امہات المومنین میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپس میں ایک دوسری سے تنافس اور مقابلہ کرتی رہتی تھیں۔ حضرت حمنہ کو بھی اپنی بہن کی وجہ سے

Marfat.com

فطری طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ خار تھا۔ اس فتنے میں وہ بھی مبتلا ہو گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فتنے کے دوران میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے مسئلہ متعلقہ پر ان کی رائے پوچھی تو سوتن ہونے کے باوجود انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں کلمہ خیر کہا۔ یہ ان کی عظمت کی اعلیٰ مثال ہے۔ جب حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کو اس کا پتہ چلا تو انھوں نے اپنی بہن کو ملامت کی۔ بعد میں ان پر حد جاری ہوئی تو انھیں خود ندامت ہوئی۔ واضح رہے کہ ان تمام اہل ایمان نے قرآنی حکم کے نزول کے بعد خلوص دل سے توبہ بھی کی اور ان پر حد بھی جاری ہو گئی تو وہ اس گناہ سے دنیا و آخرت دونوں جگہ پاک ہو گئے۔ اس کے بعد ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

بے گناہ صفوان رضی اللہ عنہ

حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ بڑے متقی و پرہیز گار اور جری و شجاع صحابی تھے۔ انھوں نے جب اس بہتان کی خبریں سنیں تو انھیں بڑا رنج ہوا۔ انھوں نے کہا ''عائشہ رضی اللہ عنہا تو ام المومنین ہیں، بخدا میں نے تو کبھی کسی عام خاتون کی طرف بھی بری نظر سے نہیں دیکھا۔'' مگر فتنہ تھا کہ پھیلتا چلا گیا اور زبانیں تھیں کہ شعلے بھڑکاتی رہیں۔ بالآخر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو انھوں نے حضرت حسان بن ثابت کو للکارا اور تلوار سے ان پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ وہ انھیں قتل کر ڈالتے مگر لوگوں نے انھیں پکڑ لیا اور حضرت حسان کی جان بچ گئی۔ حضرت صفوان مہاجر تھے اور حسان انصاری۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان اس واقعہ سے مخاصمت کی آگ بھڑک سکتی تھی مگر حضور اکرم ﷺ نے بڑی حکمت کے ساتھ اس خطرناک فتنے کو بھی فرو کر دیا۔

Marfat.com

واقعہ افک کا قرآن مجید میں تذکرہ

سورۃ النور میں محض سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی ہی کی شہادت نہیں دی گئی بلکہ اس کے ساتھ بہت سے دیگر مسائل معاشرت بھی زیر بحث آئے ہیں۔ ہم متعلقہ آیات کا ترجمہ اور تفسیر تفہیم القرآن سے افادۂ عام کے لیے نقل کر رہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

(النور ۲۴: ۱۱)

جو لوگ یہ بہتان (افک) گھڑ لائے ہیں وہ تمھارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔ اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمھارے لیے خیر ہی ہے۔ جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے تو عذاب عظیم ہے۔

اس آیت میں چار چیزیں تشریح طلب ہیں:

(۱) افک (۲) ٹولہ (۳) شر کے اندر خیر؟ (۴) اس جرم کا سرغنہ۔

ان امور پر کم و بیش ہر مفسر نے روشنی ڈالی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

افک

اس کو افک کے لفظ سے تعبیر کرنا خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس الزام کی مکمل تردید ہے۔ افک کے معنی ہیں بات کو الٹ دینا، حقیقت کے خلاف کچھ سے کچھ بنا دینا۔ اسی مفہوم کے اعتبار

Marfat.com

سے یہ لفظ قطعی جھوٹ اور افترا کے معنی میں بولا جاتا ہے اور اگر کسی الزام کے لیے بولا جائے تو اس کے معنی سراسر بہتان کے ہیں۔

یہاں سے اس واقعے پر کلام شروع ہوتا ہے جو اس سورۃ کے نزول کا اصل سبب تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت انھی کی زبان سے سنیے۔ فرماتی ہیں: ''اس بہتان کی افواہیں کم و بیش ایک مہینے تک شہر میں اڑتی رہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت اذیت میں مبتلا رہے۔ میں روتی رہی۔ میرے والدین انتہائی پریشانی اور رنج و غم میں مبتلا رہے۔ آخر کار ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھے۔ اس پوری مدت میں آپ کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ام رومان (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ) نے محسوس کیا کہ آج کوئی فیصلہ کن بات ہونے والی ہے۔ اس لیے وہ دونوں بھی پاس آکر بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا مجھے تمھارے متعلق یہ خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو امید ہے کہ اللہ تمھاری برأت ظاہر فرمادے گا اور اگر واقعی تم کسی گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو، بندہ جب اپنے گناہ کا معترف ہو کر توبہ کرتا ہے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ بات سن کر میرے آنسو خشک ہو گئے۔ میں نے اپنے والد سے عرض کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں۔ انھوں نے فرمایا: بیٹی، میری سمجھ ہی میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کہوں؟ میں نے اپنی والدہ سے کہا آپ ہی کچھ کہیں۔ انھوں نے بھی یہی کہا کہ میں حیران ہوں، کیا کہوں۔ اس پر میں بولی آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے۔ اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں...... اور اللہ گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں...... تو آپ لوگ نہ مانیں گے، اور اگر خواہ مخواہ ایک ایسی بات کا اعتراف کروں جو میں نے نہیں کی...... اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے نہیں کی...... تو آپ لوگ مان لیں گے۔ میں نے اس وقت حضرت یعقوب کا نام یاد کرنے کی کوشش کی مگر نہ یاد آیا۔ آخر میں نے کہا اس حالت میں میرے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ وہی بات کہوں جو حضرت یوسف کے والد نے کہی تھی کہ فصبر جمیل [اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جبکہ حضرت یعقوب کے سامنے ان کے بیٹے بن

Marfat.com

یمین پر چوری کا الزام بیان کیا گیا تھا۔ سورۂ یوسف، رکوع ۱۰ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے] یہ کہہ کر میں لیٹ گئی اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔ میں اس وقت اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ میری بے گناہی سے واقف ہے اور وہ ضرور حقیقت کھول دے گا۔ اگرچہ یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ میرے حق میں وحی نازل ہوگی جو قیامت تک پڑھی جائے گی۔ میں اپنی ہستی کو اس سے کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ خود میری طرف سے بولے۔ مگر میرا یہ گمان تھا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ میری برأت ظاہر فرما دے گا۔ اتنے میں یکا یک حضور ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو وحی نازل ہوتے وقت ہوا کرتی تھی، حتیٰ کہ سخت جاڑے کے زمانے میں بھی موتی کی طرح آپ کے چہرے سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ ہم سب خاموش ہو گئے۔ میں تو بالکل بے خوف تھی مگر میرے والدین کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ ڈر رہے تھے کہ دیکھیے اللہ کیا حقیقت کھولتا ہے۔ جب وہ کیفیت دور ہوئی تو حضور ﷺ بے حد خوش تھے۔ آپ نے ہنستے ہوئے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ مبارک ہو عائشہ، اللہ نے تمھاری برأت نازل فرما دی اور اس کے بعد حضور ﷺ نے دس آیتیں سنائیں (یعنی آیت نمبر ۱۱ سے ۲۱ تک) میری والدہ نے کہا کہ اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا میں نہ ان کا شکریہ ادا کروں گی نہ آپ دونوں کا، بلکہ اللہ کا شکر کرتی ہوں جس نے میری برأت نازل فرمائی۔ آپ لوگوں نے تو اس بہتان کا انکار تک نہ کیا۔ (واضح رہے کہ یہ کسی ایک روایت کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں جتنی روایتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس سلسلے میں مروی ہیں ان سب کو جمع کر کے ہم نے ان کا خلاصہ نکال لیا ہے)

زنا، قذف اور لعان کی حد

اس موقع پر یہ نکتہ لطیف بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت بیان کرنے سے پہلے پورے ایک رکوع میں زنا اور قذف اور لعان کے احکام بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے دراصل اس حقیقت پر متنبہ فرمایا ہے کہ زنا کے الزام کا معاملہ کوئی تفریحی مشغلہ نہیں ہے جسے نُقلِ محفل کے طور پر

Marfat.com

استعمال کیا جائے۔ یہ ایک نہایت سنگین بات ہے۔ الزام لگانے والے کا الزام اگر سچا ہے تو وہ گواہی لائے۔ زانی اور زانیہ کو انتہائی ہولناک سزا دی جائے گی۔ اگر جھوٹا ہے تو الزام لگانے والا اس لائق ہے کہ اس کی پیٹھ پر ۸۰ کوڑے برسا دیے جائیں تاکہ آیندہ وہ یا کوئی اور ایسی جرأت نہ کرے۔ اور یہ الزام اگر شوہر لگائے تو عدالت میں لعان کر کے اسے معاملہ صاف کرنا ہوگا۔ اس بات کو زبان سے نکال کر کوئی شخص بھی خیریت سے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ یہ مسلم معاشرہ ہے جسے دنیا میں بھلائی قائم کرنے کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ اس میں نہ زنا ہی تفریح بن سکتی ہے اور نہ اس کے چرچے ہی خوش باشی اور دل لگی کے موضوع قرار پا سکتے ہیں۔"

ٹولہ

واقعہ افک میں ملوث افراد کے بارے میں صاحب تفہیم القرآن تحریر فرماتے ہیں:

"روایات میں صرف چند آدمیوں کے نام ملتے ہیں جو یہ افواہیں پھیلا رہے تھے عبداللہ ابن ابیّ، زید بن رفاعہ (جو غالباً رفاعہ بن زید یہودی منافق کا بیٹا تھا)، مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش۔ ان میں سے پہلے دو منافق تھے اور باقی تین مومن تھے جو غلطی اور کمزوری سے اس فتنے میں پڑ گئے تھے۔ ان کے سوا اور جو لوگ اس گناہ میں کم و بیش مبتلا ہوئے ان کا ذکر حدیث و سیرت کی کتابوں میں نظر سے نہیں گزرا۔"

(ہم ان افراد کے بارے میں کچھ مزید تفصیلات پچھلے باب میں لکھ چکے ہیں)

شر میں سے خیر کا برآمد ہونا

دشمن کے اٹھائے ہوئے فتنے پر اللہ تعالیٰ نے جو تبصرہ فرمایا اس سے اہل ایمان کو حوصلہ ملا۔ مولانا مودودیؒ رقم طراز ہیں:

"مطلب یہ ہے کہ گھبراؤ نہیں، منافقین نے اپنی دانست میں تو یہ بڑے زور کا وار تم پر کیا ہے مگر ان شاء اللہ یہ انھی پر الٹا پڑے گا اور تمھارے لیے مفید ثابت ہوگا۔ جیسا

Marfat.com

کہ ہم دیباچے میں بیان کر آئے ہیں، منافقین نے یہ شوشہ اس لیے چھوڑا تھا کہ مسلمانوں کو اس میدان میں شکست دیں جو ان کے تفوق کا اصل میدان تھا، یعنی اخلاق جس میں فائق ہونے کی وجہ سے وہ ہر میدان میں اپنے حریفوں سے بازی لیے جا رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی مسلمانوں کے لیے سبب خیر بنا دیا۔ اس موقع پر ایک طرف نبی ﷺ نے دوسری طرف حضرت ابوبکر اور ان کے خاندان والوں نے اور تیسری طرف عام اہل ایمان نے جو طرز عمل اختیار کیا اس سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ یہ لوگ برائی سے کس قدر پاک، کیسے ضابط و متحمل، کیسے انصاف پسند اور کس درجہ کریم النفس واقع ہوئے ہیں۔ نبی ﷺ کا ایک اشارہ ان لوگوں کی گردنیں اڑا دینے کے لیے کافی تھا جنھوں نے آپ کی عزت پر یہ حملہ کیا تھا، مگر مہینہ بھر تک آپ صبر سے سب کچھ برداشت کرتے رہے اور جب اللہ کا حکم آ گیا تو صرف ان تین مسلمانوں کو، جن پر جرم قذف ثابت تھا، حد لگوا دی۔ منافقین کو پھر بھی کچھ نہ کہا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنا رشتہ دار، جس کی اور جس کے گھر بھر کی وہ کفالت بھی فرماتے تھے، ان کے دل و جگر پر یہ تیر چلاتا رہا، مگر اللہ کے اس نیک بندے نے اس پر بھی یہ برادری کا تعلق منقطع کیا، نہ اس کی اور اس کے خاندان کی مدد ہی بند کی۔ ازواج مطہرات میں سے کسی نے بھی سوکن کی بدنامی میں ذرّہ برابر حصہ نہ لیا، بلکہ کسی نے اس پر ادنیٰ درجے میں بھی اپنی رضا اور پسند کا، یا کم از کم قبولیت کا اظہار تک نہ کیا۔ حتیٰ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی سگی بہن حمنہ بنت جحش محض ان کی خاطر ان کی سوکن کو بدنام کر رہی تھیں، مگر خود انھوں نے سوکن کے حق میں کلمہ خیر ہی کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی روایت ہے کہ ازواج رسول اللہ ﷺ میں سب سے زیادہ زینب ہی سے میرا مقابلہ رہتا تھا مگر واقعہ افک کے سلسلے میں جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تم کیا

Marfat.com

جانتی ہو؟ تو انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم، میں اس کے اندر بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی شرافت نفس کا حال یہ تھا کہ حضرت حسان بن ثابت نے انھیں بدنام کرنے میں نمایاں حصہ لیا، مگر وہ ہمیشہ ان کے ساتھ عزت اور تواضع ہی سے پیش آتی رہیں۔ لوگوں نے یاد دلایا کہ یہ تو وہ شخص ہے جس نے آپ کو بدنام کیا تھا تو یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا کہ یہ وہ شخص ہے جو دشمنِ اسلام شعراء کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منہ توڑ جواب دیا کرتا تھا۔ یہ تھا ان لوگوں کا حال جن کا اس معاملے سے براہِ راست تعلق تھا اور عام مسلمانوں کی پاکیزہ نفسی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کی بیوی نے جب ان افواہوں کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے:

''ایوب کی ماں، اگر تم عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ اس موقع پر ہوتیں تو کیا ایسا فعل کرتیں؟''

وہ بولیں ''خدا کی قسم میں یہ حرکت ہرگز نہ کرتی۔'' حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا ''تو عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے بدرجہا بہتر ہیں اور میں کہتا ہوں کہ اگر صفوان کی جگہ میں ہوتا تو اس طرح کا خیال تک نہ کر سکتا تھا، صفوان تو مجھ سے اچھا مسلمان ہے۔'' اس طرح منافقین جو کچھ چاہتے تھے، نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا اور مسلمانوں کا اخلاقی تفوّق پہلے سے زیادہ نمایاں ہو گیا۔

پھر اس میں خیر کا ایک اور پہلو بھی تھا، اور وہ یہ کہ یہ واقعہ اسلام کے قوانین و احکام اور تمدنی ضوابط میں بڑے اہم اضافوں کا موجب بن گیا۔ اس کی بدولت مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی ہدایات حاصل ہوئیں جن پر عمل کر کے مسلم معاشرے کو ہمیشہ کے لیے برائیوں کی پیداوار اور ان کی اشاعت سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے، اور پیدا ہو جائیں تو ان کا بروقت تدارک کیا جا سکتا ہے۔

مزید برآں اس میں خیر کا پہلو یہ بھی تھا کہ تمام مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم

Marfat.com

ہوگئی کہ نبی ﷺ غیب داں نہیں ہیں، جو کچھ اللہ بتاتا ہے وہی کچھ جانتے ہیں، اس کے ماسوا آپ کا علم اتنا ہی کچھ ہے جتنا ایک بشر کا ہوسکتا ہے۔ ایک مہینے تک آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں سخت پریشان رہے۔ کبھی خادمہ سے پوچھتے تھے، کبھی ازواج مطہرات سے، کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور کبھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے۔ آخر کار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تو یہ فرمایا کہ اگر تم نے یہ گناہ کیا ہے تو توبہ کرو اور نہیں کیا تو امید ہے کہ اللہ تمھاری بے گناہی ثابت کردے گا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو یہ پریشانی اور یہ پوچھ گچھ اور یہ تلقین توبہ کیوں ہوتی؟ البتہ جب وحی خداوندی نے حقیقت بتادی تو آپ کو وہ علم حاصل ہوگیا جو مہینہ بھر تک حاصل نہ تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے براہ راست تجربے اور مشاہدے کے ذریعے سے مسلمانوں کو اس غلو اور مبالغے سے بچانے کا انتظام فرمادیا جس میں عقیدت کا اندھا جوش بالعموم اپنے پیشواؤں کے معاملے میں لوگوں کو مبتلا کردیتا ہے۔ بعید نہیں کہ مہینہ بھر تک وحی نہ بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کے پیش نظر یہ بھی ایک مصلحت رہی ہو۔ اول روز ہی وحی آجاتی تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوسکتا۔" (تفہیم القرآن، ج ۳، سورۂ النور، حاشیہ ۱۰، ص ۳۶۵-۳۶۷)

افک کا سرغنہ ابن ابیّ

واقعہ افک کے اصل سرغنہ عبداللہ ابن ابیّ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سخت وعید نازل فرمائی۔ سورۂ نور آیت نمبر ۱۱ کی تفسیر میں صاحب تفہیم القرآن کا یہ تفسیری حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

"یعنی عبداللہ ابن ابی جو اس الزام کا اصل مصنف اور فتنے کا اصل بانی تھا۔ بعض روایات میں غلطی سے حضرت حسان بن ثابت کو اس آیت کا مصداق بتایا گیا ہے۔ مگر یہ راویوں کی اپنی ہی غلط فہمی ہے ورنہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی کمزوری اس سے زیادہ کچھ نہ تھی کہ وہ منافقوں کے پھیلائے ہوئے اس فتنے میں مبتلا ہوگئے۔ حافظ

Marfat.com

ابن کثیر نے صحیح کہا ہے کہ اگر یہ روایت بخاری میں نہ ہوتی تو قابل ذکر تک نہ تھی۔
اس سلسلے میں سب سے بڑا جھوٹ، بلکہ بہتان یہ ہے کہ بنی امیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو اس آیت کا مصداق قرار دیا۔ بخاری، طبرانی اور بیہقی میں ہشام بن عبدالملک
اموی کا یہ قول منقول ہے کہ الذی تولی کبرہ کے مصداق علی بن ابی طالب ہیں
حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سرے سے اس فتنے میں کوئی حصہ ہی نہ تھا۔ بات صرف
اتنی تھی کہ انھوں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پریشان دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ
لینے پر عرض کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں آپ پر کوئی تنگی تو نہیں رکھی ہے۔
عورتیں بہت ہیں۔ آپ چاہیں تو عائشہ کو طلاق دے کر دوسرا نکاح کر سکتے ہیں۔
اس کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس الزام کی تصدیق فرمائی تھی جو
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگایا جا رہا تھا۔ ان کا مقصد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی کو
رفع کرنا تھا۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، سورۃ النور، حاشیہ ۱۱، ص ۳۶۷)

نیک گمان

انسانی معاشرے میں کردار کشی، بہتان اور الزامات کی مہمات چلتی رہتی ہیں۔ اسلامی معاشرے کے افراد کا ان مواقع پر کیا رویہ ہونا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا جواب آیت نمبر ۱۲ میں یوں دیا ہے:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ (النور ۲۴: ۱۲)

جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔

منافقوں نے جو فتنہ کھڑا کیا تھا اس کی کوئی دلیل تھی نہ ثبوت۔ یہ محض ظن و گمان اور ان کی آتش انتقام تھی جس نے ان کو اتنے بڑے جرم اور گھناؤنی مہم پر آمادہ کیا۔ بعض مخلص اہل ایمان بھی

Marfat.com

اس مہم میں بدگمانی اور سادہ لوحی سے شریک ہوئے۔ اس پر سورہ نور کی آیت ۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے سرزنش کی ہے۔ اس آیت کی تشریح مولانا مودودی رحمۃ اللہ نے ان الفاظ میں کی ہے:

''جو صورت معاملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور صفوان بن معطل کے ساتھ پیش آئی تھی وہ یہی تو تھی کہ قافلے کی ایک خاتون (قطع نظر اس سے کہ وہ رسول کی بیوی تھیں) اتفاق سے پیچھے رہ گئی تھیں اور قافلے ہی کا ایک آدمی جو خود اتفاق سے پیچھے رہ گیا تھا، انھیں دیکھ کر اپنے اونٹ پر ان کو بٹھالایا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ معاذ اللہ یہ دونوں تنہا ایک دوسرے کو پا کر گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اس کا یہ کہنا اپنے ظاہر الفاظ کے پیچھے دو اور مفروضے بھی رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ قائل (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) اگر خود اس جگہ ہوتا تو کبھی گناہ کیے بغیر نہ رہتا۔ کیونکہ وہ اگر گناہ سے رکا ہوا ہے تو صرف اس لیے کہ اسے صنف مقابل کا کوئی فرد اس طرح تنہائی میں ہاتھ نہ آ گیا، ورنہ ایسے نادر موقع کو وہ چھوڑنے والا نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ جس معاشرے سے وہ تعلق رکھتا ہے اس کی اخلاقی حالت کے متعلق اس کا گمان یہ ہے کہ یہاں کوئی عورت بھی ایسی نہیں ہے اور نہ کوئی مرد ایسا ہے جسے اس طرح کا کوئی موقع پیش آ جائے اور وہ گناہ سے باز رہ جائے۔ یہ تو اس صورت میں ہے جبکہ معاملہ محض ایک مرد اور ایک عورت کا ہو۔ اور بالفرض اگر وہ مرد اور عورت دونوں ایک ہی جگہ کے رہنے والے ہوں اور عورت جو اتفاقاً قافلے سے بچھڑ گئی تھی، اس مرد کے کسی دوست یا رشتہ دار یا ہمسائے یا واقف کار کی بیوی، بہن یا بیٹی ہو تو معاملہ اور بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔ اس کے معنی پھر یہ ہو جاتے ہیں کہ کہنے والا خود اپنی ذات کے متعلق بھی اور اپنے معاشرے کے متعلق بھی ایسا سخت گھناؤنا تصور رکھتا ہے جسے شرافت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ کون بھلا آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ اس کے کسی دوست یا ہمسائے یا واقف کار کے گھر کی کوئی عورت اگر اتفاق سے کہیں بھولی بھٹکی اسے راستے میں مل جائے تو وہ پہلا

Marfat.com

کام بس اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے ہی کا کرے گا، پھر کہیں اسے گھر پہنچانے کی تدبیر سوچے گا لیکن یہاں تو معاملہ اس سے ہزار گنا زیادہ سخت تھا۔ خاتون کوئی اور نہ تھیں، رسول اللہ ﷺ کی بیوی تھیں جنھیں ہر مسلمان اپنی ماں سے بڑھ کر احترام کے لائق سمجھتا تھا۔ جنھیں اللہ نے خود ہر مسلمان پر ماں کی طرح حرام قرار دیا تھا۔ مرد نہ صرف یہ کہ اسی قافلے کا ایک آدمی، اسی فوج کا ایک سپاہی اور اسی شہر کا ایک باشندہ تھا بلکہ وہ مسلمان تھا، ان خاتون کے شوہر کو اللہ کا رسول ﷺ اور اپنا ہادی و پیشوا مانتا تھا، اور ان کے فرمان پر جان قربان کرنے کے لیے جنگ بدر جیسے خطرناک معرکے میں شریک ہو چکا تھا۔ اس صورت حال میں تو اس قول کا ذہنی پس منظر گھناؤنے پن کی اس انتہا کو پہنچ جاتا ہے جس سے بڑھ کر کسی گندے تخیل کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ مسلم معاشرے کے جن افراد نے یہ بات زبان سے نکالی یا اسے کم از کم شک کے قابل خیال کیا انھوں نے خود اپنے نفس کا بھی بہت برا تصور قائم کیا اور اپنے معاشرے کے لوگوں کو بھی بڑے ذلیل اخلاق و کردار کا مالک سمجھا۔''

واقعہ افک کے بارے میں آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو سرزنش کی ہے جیسا کہ اوپر بھی ہم لکھ چکے ہیں گویا کہ اس لغو الزام کے بارے میں مومن مرد اور عورتوں سے یہ توقع تھی کہ وہ اسے سنتے ہی پکار اٹھتے۔ یہ بہتان عظیم ہے۔ اس ضمن میں حضور اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خاموشی تو اس وجہ سے تھی کہ وہ شوہر اور باپ ہونے کی حیثیت سے کچھ کہتے بھی تو انھیں فریق سمجھ کر فتنہ پرداز اپنی مہم جاری رکھتے۔ باقی لوگوں کو اس پر شدید ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔ صحابہ کرام میں سے بلاشبہ کچھ لوگوں نے ایسا اظہار کیا بھی تھا۔ سید مودودی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یعنی یہ بات تو قابل غور تک نہ تھی۔ اسے تو سنتے ہی ہر مسلمان کو سراسر جھوٹ اور

Marfat.com

کذب و افتراء کہہ دینا چاہیے تھا۔ ممکن ہے کوئی شخص یہاں یہ سوال کرے کہ جب یہ بات تھی تو خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے کیوں نہ اول روز ہی جھٹلا دیا اور کیوں انھوں نے اسے اتنی اہمیت دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر اور باپ کی پوزیشن عام آدمیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اگرچہ ایک شوہر سے بڑھ کر کوئی اپنی بیوی کو نہیں جان سکتا اور ایک شریف و صالح بیوی کے متعلق کوئی صحیح الدماغ شوہر لوگوں کے بہتانوں پر فی الواقع بدگمان نہیں ہوسکتا، لیکن اگر اس کی بیوی پر الزام لگا دیا جائے تو وہ اس مشکل میں پڑ جاتا ہے کہ اسے بہتان کہہ کر رد کر بھی دے تو کہنے والوں کی زبان نہ رکے گی، بلکہ وہ اس پر ایک اور ردا یہ چڑھائیں گے کہ بیوی نے میاں صاحب کی عقل پر کیسا پردہ ڈال رکھا ہے، سب کچھ کر رہی ہے اور میاں یہ سمجھتے ہیں کہ میری بیوی بڑی پاک دامن ہے۔ ایسی ہی مشکل ماں باپ کو پیش آتی ہے۔ وہ غریب اپنی بیٹی کی عصمت پر صریح جھوٹے الزام کی تردید میں اگر زبان کھولیں تو بیٹی کی پوزیشن صاف نہیں ہوتی۔ کہنے والے یہی کہیں گے کہ ماں باپ ہیں، اپنی بیٹی کی حمایت نہ کریں گے تو اور کیا کریں گے۔ یہی چیز تھی جو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور ام رومان کو اندر ہی اندر غم سے گھلائے دے رہی تھی۔ ورنہ حقیقت میں کوئی شک ان کو لاحق نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے تو خطبے ہی میں صاف فرما دیا تھا کہ میں نے نہ اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھی ہے اور نہ اس شخص میں جس کے متعلق یہ الزام لگایا جا رہا ہے۔"

قذف کی حد ۸۰ کوڑے

قذف بہت بڑا جرم ہے۔ الزام لگانے والا اگر اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کر سکے تو وہ جھوٹا شمار ہوتا ہے اور اسے سزا دی جاتی ہے۔ یہ سزا قرآن میں متعین ہے اسے حد کہا جاتا ہے اور یہ اسی (۸۰) کوڑے ہے۔ سورۂ نور میں ارشاد فرمایا:

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ﴿۴﴾ (النور ۲۴:۴)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو، اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔

اسلامی نظام قانون میں قذف کے موضوع پر بہت تفصیلی احکام ملتے ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے سورۂ نور کی تفسیر میں اس موضوع پر پوری شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے جو حضرات تفصیلات جاننا چاہیں وہ تفہیم القرآن جلد سوم، صفحہ ۳۴۷ تا ۳۶۴ کا مطالعہ فرمالیں۔

سیدہ مطہرہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں سورۂ نور میں کہا گیا ہے:

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ (النور ۲۴:۱۳)

وہ لوگ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے۔ اب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں، اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔

اللہ کے نزدیک'' یعنی اللہ کے قانون میں، یا اللہ کے قانون کے مطابق۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ کے علم میں تو الزام بجائے خود جھوٹا تھا، اس کا جھوٹ ہونا اس بات پر مبنی نہ تھا کہ یہ لوگ گواہ نہیں لائے ہیں۔

اس جگہ کسی شخص کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہاں الزام کے غلط ہونے کی دلیل اور بنیاد محض گواہوں کی غیر موجودگی کو ٹھہرایا جا رہا ہے اور مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم بھی صرف اس وجہ سے اس کو صریح بہتان قرار دو کہ الزام لگانے والے چار گواہ نہیں لائے ہیں۔ یہ غلط فہمی اس صورت واقعہ کو نگاہ میں نہ رکھنے سے پیدا ہوتی ہے جو فی الواقع وہاں پیش آئی تھی۔ الزام لگانے والوں نے الزام اس وجہ سے نہیں لگایا تھا کہ انھوں نے، یا ان میں سے کسی شخص نے وہ بات دیکھی تھی، جو وہ زبان

Marfat.com

سے نکال رہے تھے، بلکہ صرف اس بنیاد پر اتنا بڑا الزام تصنیف کر ڈالا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قافلے سے پیچھے رہ گئی تھیں اور صفوان بعد میں ان کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے قافلے میں لے آئے۔ کوئی صاحب عقل آدمی بھی اس موقع پر یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس طرح پیچھے رہ جانا، معاذ اللہ کسی ساز باز کا نتیجہ تھا۔ ساز باز کرنے والے اس طریقے سے تو ساز باز نہیں کیا کرتے کہ سالار لشکر کی بیوی چپکے سے قافلے کے پیچھے ایک شخص کے ساتھ رہ جائے اور پھر وہی شخص اس کو اپنے اونٹ پر بٹھا کر دن دیہاڑے، ٹھیک دوپہر کے وقت لیے ہوئے علانیہ لشکر کے پڑاؤ پر پہنچے۔ یہ صورت حال خود ہی ان دونوں کی معصومیت پر دلالت کر رہی تھی۔ اس حالت میں اگر الزام لگایا جا سکتا تھا تو صرف اس بنیاد پر ہی لگایا جا سکتا تھا کہ کہنے والوں نے اپنی آنکھوں سے کوئی معاملہ دیکھا ہو۔ ورنہ قرائن، جن پر ظالموں نے الزام کی بنا رکھی تھی، کسی شک وشبے کی گنجائش نہ رکھتے تھے۔

اللہ نے تمھیں عذاب سے بچالیا

آیت نمبر ۱۴ تا ۱۸ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو پھر جھنجھوڑا ہے اور اس فتنہ عظیم کی پاداش میں امکان عذاب کی وعید سنائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ (النور ۲۴: ۱۴-۱۸)

اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم وکرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمھیں آلیتا۔ (ذرا غور تو کرو، اس وقت تم کیسی سخت غلطی کر

Marfat.com

رہے تھے) جبکہ تمھاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جارہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جارہے تھے جس کے متعلق تمھیں کوئی علم نہ تھا۔تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔ کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ''ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ، یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔'' اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آیندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ اللہ تمھیں صاف صاف ہدایات دیتا ہے اور وہ علیم وحکیم ہے۔

سوئے ظن گناہ کبیرہ

اسلام میں سوئے ظن بڑا گناہ ہے جبکہ حسن ظن اخلاقی خوبی شمار ہوتی ہے۔ اوپر درج کی گئی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک اصول متعین فرمایا ہے جس کے بارے میں سید مودودی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

> ان آیات سے اور خصوصاً اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ ''مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے گروہ کے لوگوں سے نیک گمان کیوں نہ کیا۔'' یہ قاعدہ کلیہ نکلتا ہے کہ مسلم معاشرے میں تمام معاملات کی بنا حسن ظن پر ہونی چاہیے اور سوئے ظن صرف اس حالت میں کیا جانا چاہیے جبکہ اس کے لیے کوئی ثبوتی وایجابی بنیاد ہو۔ اصول یہ ہے کہ ہر شخص بے گناہ ہے جب تک کہ اس کے مجرم ہونے یا اس پر جرم کرنے کا شبہ کرنے کے لیے کوئی معقول وجہ موجود نہ ہو اور ہر شخص اپنی بات میں سچا ہے جب تک اس کے ساقط الاعتبار ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو۔

فحاشی شیطان کا حربہ ہے

شیطان اور اس کی فوجوں کا سب سے خطرناک حربہ فحاشی وعریانی اور بے حیائی واباحیت ہے۔ ہر دور میں شیطانی قوتوں نے اس حربے کو خوب آزمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فحاشی پھیلانے کو بڑا جرم قرار دیا ہے جن لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی ان کا جرم اس

Marfat.com

لحاظ سے بھی بڑا قبیح تھا کہ معاشرے کی سب سے معزز اور پاک دامن خاتون کی عصمت کو داغ دار کرنے کی کوشش کی گئی اور اس لحاظ سے بھی یہ نہایت گھٹیا حرکت تھی کہ اس کے نتیجے میں معاشرے کی اخلاقی ساکھ اور خاندانی نظام کو ملیا میٹ کرنے کی جسارت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۹﴾ (النور ۲۴:۱۹)

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان عناصر کی بری حرکتوں اور ان پر سزا کا جو ذکر فرمایا ہے اس کی تشریح میں مولانا مودودی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

فحاشی کیا ہے؟

''موقع و محل کے لحاظ سے تو آیت کا براہ راست مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح کے الزامات گھڑ کر اور انھیں اشاعت دے کر مسلم معاشرے میں بداخلاقی پھیلانے اور امت مسلمہ کے اخلاق پر دھبہ لگانے کی کوششیں کر رہے ہیں وہ سزا کے مستحق ہیں۔ لیکن آیت کے الفاظ فحش پھیلانے کی تمام صورتوں پر حاوی ہیں۔ ان کا اطلاق عملاً بدکاری کے اڈے قائم کرنے پر بھی ہوتا ہے اور بداخلاقی کی ترغیب دینے والے اور اس کے لیے جذبات کو اکسانے والے قصوں، اشعار، گانوں، تصویروں اور کھیل تماشوں پر بھی۔ نیز وہ کلب اور ہوٹل اور دوسرے ادارے بھی ان کی زد میں آجاتے ہیں جن میں مخلوط رقص اور مخلوط تفریحات کا انتظام کیا جاتا ہے۔ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ یہ سب لوگ مجرم ہیں۔ صرف آخرت ہی میں نہیں دنیا میں بھی ان کو سزا ملنی چاہیے۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اشاعت فحش کے ان تمام ذرائع و وسائل کا سدباب کرے۔ اس کے قانون تعزیرات میں ان تمام افعال

Marfat.com

کو مستلزم سزا، قابل دست اندازی پولیس ہونا چاہیے جن کو قرآن یہاں پبلک کے خلاف جرائم قرار دے رہا ہے اور فیصلہ کر رہا ہے کہ ان کا ارتکاب کرنے والے سزا کے مستحق ہیں۔ (صفحہ ۳۷۰-۳۷۱)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے:

''یعنی تم لوگ نہیں جانتے کہ اس طرح کی ایک ایک حرکت کے اثرات معاشرے میں کہاں کہاں تک پہنچتے ہیں، کتنے افراد کو متاثر کرتے ہیں اور مجموعی طور پر ان کا کس قدر نقصان اجتماعی زندگی کو اٹھانا پڑتا ہے۔ اس چیز کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ لہٰذا اللہ پر اعتماد کرو اور جن برائیوں کی وہ نشاندہی کر رہا ہے انھیں پوری قوت سے مٹانے اور دبانے کی کوشش کرو۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں نہیں ہیں جن کے ساتھ روا داری برتی جائے۔ دراصل یہ بڑی باتیں ہیں جن کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزا ملنی چاہیے۔'' (صفحہ ۳۷۱)

فحاشی و عریانی، تہمت و بہتان اور ہر قسم کے اخلاقی عیوب دراصل شیطان کے اعمال ہیں اور ان کا ارتکاب کرنے والے دانستہ یا نادانستہ شیطان ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ آیت نمبر ۲۱ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (النور ۲۴:۲۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ تو اسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہو سکتا۔ مگر اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر کا عفو و درگزر

واقعہ قذف میں سب سے زیادہ قابلِ افسوس اور خانوادۂ ابوبکر کے لیے تکلیف دہ کردار حضرت مسطح بن اثاثہ کا تھا۔ حضرت ابوبکر ان کی مالی کفالت اور سرپرستی کرتے رہے تھے اور انھوں نے اس کا یہ بدلہ دیا تھا۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے بعد جناب صدیق نے ان کی امداد سے ہاتھ کھینچ لینے کی قسم کھائی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾ (النور ۲۴:۲۲)

تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضل اور صاحبِ مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ انھیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت مسطح کی غلطی کے باوجود درگزر سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ ان پر چونکہ حدِ قذف بھی جاری ہو چکی تھی اور انھوں نے وحی آجانے پر اپنی غلطی کا اعتراف اور توبہ کا اہتمام بھی کر لیا تھا، اس لیے جناب صدیق رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان یہی تھا کہ وہ اپنے عظیم مقام اور وسیع ظرف کے مطابق معاف فرما دیتے۔ اس آیت کا تفسیری حاشیہ مفسر مودودی رحمہ اللہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مذکورہ بالا آیتوں میں جب اللہ تعالیٰ نے میری برأت نازل فرمادی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ وہ آیندہ کے لیے مسطح بن اثاثہ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیں گے، کیونکہ انھوں نے نہ رشتہ داری کا کوئی لحاظ کیا اور نہ ان احسانات ہی کی کچھ شرم کی جو وہ ساری عمر ان پر اور ان کے خاندان پر کرتے رہے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کو سنتے

Marfat.com

ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: بلی واللہ انا نحب ان تغفرلنا یا ربنا'' واللہ ضرور ہم چاہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو ہماری خطائیں معاف فرمائے۔'' چنانچہ آپ نے پھر مسطح کی مدد شروع کر دی اور پہلے سے زیادہ ان پر احسان کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ قسم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بعض اور صحابہ نے بھی کھالی تھی کہ جن جن لوگوں نے اس بہتان میں حصہ لیا ہے، ان کی وہ کوئی مدد نہ کریں گے۔ اس آیت کے نزول کے بعد ان سب نے اپنے عہد سے رجوع کر لیا۔ اس طرح وہ تلخی آناً فاناً دور ہوگئی جو اس فتنے نے پھیلا دی تھی۔

کفارۂ یمین

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات کی قسم کھالے، پھر بعد میں اسے معلوم ہو کہ اس میں بھلائی نہیں ہے اور وہ اس سے رجوع کر کے وہ بات اختیار کر لے جس میں بھلائی ہے تو آیا اسے قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا چاہیے یا نہیں۔ فقہاء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ بھلائی کو اختیار کر لینا ہی قسم کا کفارہ ہے، اس کے سوا کسی اور کفارے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قسم توڑ دینے کا حکم دیا اور کفارہ ادا کرنے کی ہدایت نہیں فرمائی۔ اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھی وہ دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا فلیات الذی ھو خیر وذلک کفارتہ (جو شخص کسی بات کی قسم کھالے، پھر اسے معلوم ہو کہ دوسری بات اس سے بہتر ہے تو اسے وہی بات کرنی چاہیے جو بہتر ہے اور یہ بہتر بات کو اختیار کر لینا ہی اس کا کفارہ ہے) دوسرا گروہ کہتا ہے کہ قسم توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک صاف اور مطلق حکم نازل فرما چکا ہے۔ (البقرہ، آیت ۲۲۵، المائدہ: آیت ۸۹) جسے اس آیت نے نہ تو منسوخ ہی کیا ہے اور نہ صاف الفاظ میں اس کے اندر کوئی ترمیم ہی کی ہے۔ اس لیے وہ حکم اپنی جگہ باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قسم توڑ دینے کے لیے تو ضرور فرمایا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ تم پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہے۔ رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک غلط یا نامناسب بات کی قسم کھالینے

Marfat.com

سے جو گناہ ہوتا ہے، وہ مناسب بات اختیار کر لینے سے دھل جاتا ہے۔ اس ارشاد کا مقصد کفارۂ قسم کو ساقط کر دینا نہیں ہے، چنانچہ دوسری حدیث اس کی توضیح کر دیتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیر ا منھا فلیات الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ (جس نے کسی بات کی قسم کھالی ہو، پھر اسے معلوم ہو کہ دوسری بات اس سے بہتر ہے، اسے چاہیے کہ وہی بات کرے جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے) اس سے معلوم ہوا کہ قسم توڑنے کا کفارہ اور چیز ہے اور بھلائی نہ کرنے کے گناہ کا کفارہ اور چیز۔ ایک چیز کا کفارہ بھلائی کو اختیار کر لینا ہے اور دوسری چیز کا کفارہ وہ ہے جو قرآن نے خود مقرر کر دیا ہے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، تفسیر سورہ ص، حاشیہ ۴۶)

لعنتی لوگ

پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا اللہ کے نزدیک اس قدر ناپسندیدہ عمل ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والوں پر اللہ نے دنیا و آخرت میں لعنت بھیجی ہے اور عذاب عظیم کی وعید سنائی ہے۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النور ۲۴:۲۳-۲۴)

جو لوگ پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ وہ بدلہ انھیں بھرپور دے گا جس کے وہ مستحق ہیں اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا۔

''بے خبر'' غافلات کا ترجمہ ہے۔ سید مودودی رحمہ اللہ نے اس کی نہایت دل نشین تشریح فرمائی

Marfat.com

ہے۔ لکھتے ہیں:

''اصل میں لفظ غافلات استعمال ہوا ہے جس سے مراد ہیں وہ سیدھی سادھی شریف عورتیں جو چھل بٹے نہیں جانتیں، جن کے دل پاک ہیں، جنھیں کچھ خبر نہیں کہ بدچلنی کیا ہوتی ہے اور کیسے کی جاتی ہے، جن کے حاشیہ خیال میں بھی یہ اندیشہ نہیں گزرتا کہ کبھی کوئی ان پر بھی الزام لگا بیٹھے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا ان سات کبیرہ گناہوں میں سے ہے جو ''موبقات'' (تباہ کن) ہیں اور طبرانی میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قذف المحصنة يهدم عمل ماة سنه ''ایک پاک دامن عورت پر تہمت لگانا سو برس کے اعمال کو غارت کر دینے کے لیے کافی ہے۔''

پاکیزگی اور خباثت

مرد اور عورت دونوں انسانی معاشرے کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے دونوں میں یکساں خوبیوں اور یکساں خامیوں کا احتمال موجود ہے۔ پاکیزگی حسنِ اخلاق اور جمالِ انسانیت کی علامت ہے تو خباثت اخلاق باختگی اور ننگِ انسانیت ہونے کا کھلا سرٹیفکیٹ ہے۔ مردوں میں بھی طیب و پاکیزہ لوگ ہوتے ہیں اور عورتوں میں بھی طیبات موجود رہتی ہیں۔ مردوں میں بھی خبیث پائے جاتے ہیں اور عورتوں میں بھی خبیثات کا وجود نظر آتا ہے۔ قرآن نے سورہ المائدہ میں فرمایا ہے:

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدۃ ۵:۱۰۰)

اے پیغمبر ﷺ ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں۔ خواہ ناپاک کی بہتات تمھیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو۔

سورہ النور میں مردوں اور عورتوں کے حوالے سے فرمایا:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ

Marfat.com

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾ (النور ۲۴:۲۶)

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے۔ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے۔ ان کا دامن پاک ہے ان باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں، ان کے لیے مغفرت ہے اور رزق کریم۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر مرشد مودودی رحمہ اللہ نے یوں فرمائی ہے:

ایک اہم ہدایت

''اس آیت میں ایک اصولی بات سمجھائی گئی ہے کہ خبیثوں کا جوڑ خبیثوں ہی سے لگتا ہے اور پاکیزہ لوگ پاکیزہ لوگوں ہی سے طبعی مناسبت رکھتے ہیں۔ ایک بدکار آدمی صرف ایک ہی برائی نہیں کیا کرتا ہے کہ اور تو سب حیثیتوں سے وہ بالکل ٹھیک ہو مگر بس ایک برائی میں مبتلا ہو۔ اس کے تو اطوار، عادات، خصائل، ہر چیز میں بہت سی برائیاں ہوتی ہیں جو اس کی ایک بڑی برائی کو سہارا دیتی اور پرورش کرتی ہیں۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ایک آدمی میں یکایک کوئی ایک برائی کسی از غیبی گولے کی طرح پھٹ پڑے جس کی کوئی علامت اس کے چال چلن میں اور اس کے رنگ ڈھنگ میں نہ پائی جاتی ہو۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے جس کا تم ہر وقت انسانی زندگیوں میں مشاہدہ کرتے رہتے ہو۔ اب کس طرح تمھاری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ ایک پاکیزہ انسان جس کی ساری زندگی سے تم واقف ہو، کسی ایسی عورت سے نباہ کر لے اور برسوں نہایت محبت کے ساتھ نباہ کیے چلا جاتا رہے جو زنا کار ہو۔ کیا تم تصور کر سکتے ہو کہ کوئی عورت ایسی بھی ہوسکتی ہے جو بدکار بھی ہو اور پھر اس کی رفتار، گفتار، انداز، اطوار، کسی چیز سے بھی اس کے برے لچھن ظاہر نہ ہوتے ہوں؟ یا ایک شخص پاکیزہ نفس اور بلند اخلاق بھی ہو اور پھر ایسی عورت سے خوش بھی رہے جس کے یہ لچھن ہوں؟ یہ بات یہاں اس لیے سمجھائی جا رہی ہے کہ آئندہ اگر کسی پر کوئی الزام لگایا جائے تو لوگ اندھوں کی طرح اسے بس سنتے ہی نہ مان لیا کریں

Marfat.com

بلکہ آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ کس پر الزام لگایا جارہا ہے، کیا الزام لگایا جارہا ہے، اور وہ کسی طرح وہاں چسپاں بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ بات لگتی ہوئی ہو تو آدمی ایک حد تک اسے مان سکتا ہے، یا کم از کم ممکن اور متوقع سمجھ سکتا ہے۔ مگر ایک انوکھی بات جس کی صداقت کی تائید کرنے والے آثار کہیں نہ پائے جاتے ہوں صرف اس لیے کیسے مان لی جائے کہ کسی احمق یا خبیث نے اسے منہ سے خارج کر دیا ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں۔ (یعنی وہ ان کے مستحق ہیں) اور بھلی باتیں بھلے لوگوں کے لیے ہیں اور بھلے لوگ اس سے پاک ہیں کہ وہ باتیں ان پر چسپاں ہوں جو بدگو اشخاص ان کے بارے میں کہتے ہیں۔ بعض دوسرے لوگوں نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ برے اعمال برے ہی لوگوں کو سجتے ہیں اور نیک اعمال نیک ہی لوگوں کو سزاوار ہیں، نیک لوگ اس سے پاک ہیں کہ وہ برے اعمال ان پر چسپاں ہوں جو منسوب کرنے والے ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کچھ اور لوگوں نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ بری باتیں برے ہی لوگوں کے کرنے کی ہیں اور بھلے لوگ بھلی باتیں ہی کیا کرتے ہیں۔ بھلے لوگ اس سے پاک ہیں کہ وہ اس طرح کی باتیں کریں جیسی یہ افترا پرداز لوگ کر رہے ہیں۔ آیت کے الفاظ میں ان سب تفسیروں کی گنجائش ہے لیکن ان الفاظ کو پڑھ کر پہلا مفہوم جو ذہن میں آتا ہے وہ وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور موقع و محل کے لحاظ سے بھی جو معنویت اس میں ہے وہ ان دوسرے مفہومات میں نہیں ہے۔" (تفہیم القرآن، سورۂ النور، حاشیہ ۲۲، صفحہ ۳۴۷، ۳۷۵)

مولانا رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ دس آیات تلاوت کیں یعنی آیت ۱۱ سے ۲۱ تک۔ آیات کی تعداد ۱۰ نہیں ۱۱ بنتی ہے۔ یہ معمولی تسامح ہے مگر اس کی تصحیح ضروری ہے۔ (مولف)

Marfat.com

باب پنجم

اسلامی معاشرے کی خصوصیات

Marfat.com

مجاہدین کا معاشرہ

اس سے قبل تیر و شمشیر کی جنگوں اور زبان و بہتان کی فتنہ انگیزیوں کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ رسول رحمت ﷺ ہر میدان میں اپنی شان رفیع کے مطابق ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ جنگ خواہ مسلّح ہو یا اعصابی، بہت ہمت و شجاعت اور حکمت و تدبر کا تقاضا کرتی ہے۔ جنگ لڑنے والے لوگوں کی کچھ ضروری صفات ہوتی ہیں۔ یہ صفات جس قدر مضبوط اور نمایاں ہوں گی اسی قدر جنگجو میدانِ جنگ کا حق ادا کر سکے گا۔ ایک اسلامی معاشرہ اپنی سوچ، معیار، معاشرت، رواج، عادات واطوار اور جملہ معاملات میں دوسرے معاشروں سے مختلف اور ممیز ہوتا ہے۔ اس کے آداب اور پیمانے اپنے ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کے رنگ میں رنگ جانے کی بجائے اپنے اصول و مبادی کی روشنی میں زندگی گزارتا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کی ضرورت

واقعۂ افک میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ معاشرے کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ واقعہ افک کا پورا احاطہ کرنے اور اس سلسلے میں قانونی دفعات متعین کرنے کے بعد رب العالمین نے ایسی ہدایات دیں جو انسانی رویوں کو منظم کرنے اور معاشرتی قوانین کو مدون و نافذ کرنے میں بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان ہدایات کا اصل مقصد ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ قائم کرنا ہے جس کے افراد اعلیٰ صفات سے متصف ہوں تا کہ وہ جہاد کے کٹھن کام میں کوئی کمزوری نہ دکھائیں۔ ہماری اس سوچ کی تائید ربط آیات و نظم مضامین پر غور کرنے سے خود قرآن مجید سے ہوتی ہے۔

سورۂ النور کی آیت نمبر ۲۷ تا ۳۳ میں مسلسل یہ معاشرتی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ پھر بیچ

Marfat.com

میں آفاق و انفس سے استشہاد کر کے انسانوں کو توحید و آخرت پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی ہے۔ سورہ کے آخر میں پھر آیت نمبر ۵۸ تا ۶۱ میں مزید معاشرتی احکام بیان کیے گئے ہیں جو پہلی آیات ہی کا تتمہ ہیں۔ بیچ میں آیت ۴۷ سے آیت ۵۷ تک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور جہاد میں سرگرمی سے شرکت کی تلقین، منافقین کی مذمت اور جہاد و ایمان اور عمل صالح کے نتیجے میں دنیا میں غلبہ دین کی بشارت اور حصول خلافت کی نوید سنائی گئی ہے۔ ان آیات کے درمیان ربط یہ ہے کہ زمین میں استخلاف کے لیے جہاد ضروری ہے اور جہاد کے لیے مادی اسلحے سے زیادہ اخلاقی جوہر کی ضرورت ہے۔

اس باب میں ہم وہ تمام معاشرتی احکام بیان کر رہے ہیں جو ایک صالح معاشرہ اور مجاہد جماعت کی تشکیل میں مدد معاون ہیں۔

گھروں میں داخلے کے آداب

سورۃ النور کی آیت ۲۸ اور ۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے گھروں میں داخلے کے لیے آداب متعین فرمائے ہیں۔ ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ (النور ۲۴: ۲۷-۲۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ،

Marfat.com

یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ البتہ تمھارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہوں اور جن میں تمھارے فائدے (یا کام) کی کوئی چیز ہو۔ تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو، سب کی اللہ کو خبر ہے۔

معارف القرآن

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ان آیات کی تفسیر میں استیذان کی حکمتوں اور مصالح مہمہ کے تحت بہت اچھے انداز میں اسلام کے آداب معاشرت کی تفصیلات اور متعلقہ مسائل درج کیے ہیں۔ (شائقین معارف القرآن کی جلد ششم صفحہ ۳۸۶ تا ۳۹۵ دیکھ سکتے ہیں)

سید مودودی رحمہ اللہ تفہیم القرآن کی جلد سوم میں استیذان کی تشریح کرتے ہوئے زمانہ جاہلیت کے اطوار کا ذکر کرنے کے بعد معاشرت کے مسنون آداب بیان کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"جاہلیت میں اہل عرب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حییتم صباحاً حییتم مساءً (صبح بخیر، شام بخیر) کہتے ہوئے بے تکلف ایک دوسرے کے گھر میں گھس جاتے تھے اور بسا اوقات گھر والوں پر اور ان کی عورتوں پر نا دیدنی حالت میں نگاہیں پڑ جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح کے لیے یہ اصول مقرر کیا کہ ہر شخص کو اپنے رہنے کی جگہ میں تخلیے (Privacy) کا حق حاصل ہے اور کسی دوسرے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے تخلیے میں اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر خلل انداز ہو۔ اس حکم کے نازل ہونے پر نبی ﷺ نے معاشرے میں جو آداب اور قواعد جاری فرمائے انھیں ہم ذیل میں نمبروار بیان کرتے ہیں:

استیذان کے مسنون آداب

(۱) حضور ﷺ نے تخلیے کے اس حق کو صرف گھروں میں داخل ہونے کے سوال تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک عام حق قرار دیا جس کی رو سے دوسرے کے گھر میں جھانکنا، باہر سے نگاہ

Marfat.com

ڈالنا، حتیٰ کہ دوسرے کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا بھی ممنوع ہے۔ حضرت ثوبان (نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام) کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اذا دخل البصر فلا اذن "جب نگاہ داخل ہوگئی تو پھر خود داخل ہونے کے لیے اجازت مانگنے کا کیا موقع رہا۔" (ابوداؤد) حضرت ہزیل بن شرحبیل کہتے ہیں ایک شخص نبی ﷺ کے ہاں حاضر ہوا اور عین دروازے پر کھڑا ہو کر اجازت مانگنے لگا۔ حضور ﷺ نے اسے فرمایا: ھٰکذا عنک فانما الا ستیذان من النظر "پرے ہٹ کر کھڑے ہو، اجازت مانگنے کا حکم تو اسی لیے ہے کہ نگاہ نہ پڑے۔" (ابوداؤد) حضور ﷺ کا اپنا قاعدہ یہ تھا کہ جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو دروازے کے عین سامنے کھڑے نہ ہوتے کیونکہ اس زمانے میں گھروں کے دروازوں پر پردے نہ لٹکائے جاتے تھے۔ آپ دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اجازت طلب فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے حجرے میں باہر سے جھانکا۔ حضور ﷺ اس وقت ایک تیر ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اس کی طرف اس طرح بڑھے جیسے کہ اس کے پیٹ میں پھونک [چبھو] دیں گے۔ (ابوداؤد) حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: من نظر فی کتاب اخیه بغیر اذنه فانما ینظر فی النار "جس نے اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کے خط میں نظر دوڑائی وہ گویا آگ میں جھانکتا ہے۔" (ابوداؤد)

صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لو ان امراء اطلع علیک بغیر اذن فخذفته بحصاۃ ففقات عینه ما کان علیک من جناح "اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تو ایک کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو کچھ گناہ نہیں۔" اسی مضمون کی ایک اور حدیث میں ہے: من اطلع دار قوم بغیر اذنھم ففقوا عینه فقد ھدرت عینه "جس نے کسی کے گھر میں جھانکا اور گھر والوں نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو ان پر کچھ مواخذہ نہیں۔" امام شافعی رحمہ اللہ نے اس ارشاد کو بالکل لفظی معنوں میں لیا ہے اور وہ جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دینے کو

Marfat.com

جائز رکھتے ہیں لیکن حنفیہ اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ یہ حکم محض نگاہ ڈالنے کی صورت میں نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ہے جبکہ کوئی شخص گھر میں بلا اجازت گھس آئے اور گھر والوں کے روکنے پر وہ باز نہ آئے اور گھر والے اس کی مزاحمت کریں۔ اس کشمکش اور مزاحمت میں اس کی آنکھ پھوٹ جائے یا کوئی اور عضو ٹوٹ جائے تو گھر والوں پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ (احکام القرآن للجصّاص، ج ۳، ص ۳۸۵)

سماعت اور نگاہ کا ایک ہی حکم ہے

(۲) فقہا نے نگاہ ہی کے حکم میں سماعت کو بھی شامل کیا ہے۔ مثلاً اندھا آدمی اگر بلا اجازت آئے تو اس کی نگاہ نہ پڑے گی، مگر اس کے کان تو گھر والوں کی باتیں بلا اجازت سنیں گے۔ یہ چیز بھی نظر ہی کی طرح تخلیے کے حق میں بے جا مداخلت ہے۔

ماں بہن سے اذن لینے کا حکم

(۳) اجازت لینے کا حکم صرف دوسروں کے گھر جانے کی صورت ہی میں نہیں ہے بلکہ خود اپنی ماں بہنوں کے پاس جانے کی صورت میں بھی ہے۔ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا کیا میں اپنی ماں کے پاس جاتے وقت بھی اجازت طلب کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا میرے سوا ان کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے، کیا ہر بار جب میں ان کے پاس جاؤں تو اجازت مانگوں؟ فرمایا: اتحب ان تراھا عریانۃ "کیا تو پسند کرتا ہے کہ اپنی ماں کو برہنہ دیکھے؟" (ابن جریر عطاء بن یسار مرسلاً) عبداللہ بن مسعود کا قول ہے علیکم ان تستاذنوا علی امھاتکم واخواتکم "اپنی ماں بہنوں کے پاس بھی جاؤ تو اجازت لے کر جاؤ۔" (ابن کثیر) بلکہ ابن مسعود تو کہتے ہیں کہ اپنے گھر میں اپنی بیوی کے پاس جاتے ہوئے بھی آدمی کو کم از کم کھنکار دینا چاہیے۔ ان کی بیوی زینبؓ کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کبھی گھر میں آنے لگتے تو پہلے کوئی ایسی آواز کر دیتے تھے جس سے معلوم ہو جائے کہ وہ آ رہے ہیں۔ وہ اسے پسند نہ کرتے تھے کہ اچانک گھر میں آن کھڑے ہوں۔ (ابن جریر)

Marfat.com

ہنگامی صورت حال

(۴) اجازت طلب کرنے کے حکم سے صرف یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ کسی کے گھر پر اچانک کوئی مصیبت آ جائے، مثلاً آگ لگ جائے یا کوئی چور گھس آئے۔ ایسے موقع پر مدد کے لیے بلا اجازت جا سکتے ہیں۔

حضور ﷺ کا طریق تربیت

(۵) اول اول جب استیذان کا قاعدہ مقرر کیا گیا تو لوگ اس کے آداب سے واقف نہ تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نبی ﷺ کے ہاں آیا اور دروازے پر سے پکار کر کہنے لگا: ااَلج (کیا میں گھس آؤں؟) نبی ﷺ نے اپنی لونڈی روضہ سے فرمایا یہ شخص اجازت مانگنے کا طریقہ نہیں جانتا۔ ذرا اٹھ کر اسے بتا کہ یوں کہنا چاہیے **السلام علیکم ا اَدْخل** (ابن جریر، ابوداؤد) جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں اپنے مرحوم والد کے قرضوں کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے ہاں گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا ''میں ہوں۔'' آپ نے دو تین مرتبہ فرمایا: ''میں ہوں؟ میں ہوں؟'' یعنی اس میں ہوں سے کوئی کیا سمجھے کہ تم کون ہو؟ (ابوداؤد) ایک صاحب کلدہ بن حنبل ایک کام سے نبی ﷺ کے ہاں گئے اور سلام کے بغیر یونہی جا بیٹھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا باہر جاؤ اور السلام علیکم کہہ کر اندر آؤ۔ (ابوداؤد) استیذان کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ آدمی اپنا نام بتا کر اجازت طلب کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عرض کرتے: **السلام علیک یا رسول اللہ ایدخل عمر** (ابوداؤد) اجازت لینے کے لیے حضور ﷺ نے زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ پکارنے کی حد مقرر کر دی اور فرمایا! اگر تیسری مرتبہ پکارنے پر بھی جواب نہ آئے تو واپس ہو جاؤ۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد) یہی حضور ﷺ کا اپنا طریقہ بھی تھا۔ ایک مرتبہ آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر دو دفعہ اجازت طلب کی، مگر اندر سے جواب نہ آیا۔ تیسری مرتبہ جواب نہ ملنے پر آپ واپس ہو گئے۔ حضرت سعد اندر سے دوڑ کر آئے اور عرض کیا، یا رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ میں آپ کی آواز سن رہا تھا، مگر میرا جی چاہتا تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے میرے لیے جتنی بار بھی سلام و رحمت کی دعا نکل جائے اچھا ہے، اس لیے میں بہت آہستہ آہستہ جواب دیتا رہا۔ (ابو داؤد) یہ تین مرتبہ پکارنا پے در پے نہ ہونا چاہیے بلکہ ذرا ٹھہر ٹھہر کر پکارنا چاہیے تا کہ صاحب خانہ کو اگر کوئی مشغولیت جواب دینے میں مانع ہو تو اسے فارغ ہونے کا موقع مل جائے۔

کس کا اذن معتبر ہے؟

(۶) اجازت یا تو خود صاحب خانہ کی معتبر ہے یا پھر کسی ایسے شخص کی جس کے متعلق آدمی یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو کہ وہ صاحب خانہ کی طرف سے اجازت دے رہا ہے، مثلاً گھر کا خادم یا کوئی اور ذمہ دار قسم کا فرد۔ کوئی چھوٹا سا بچہ اگر کہہ دے کہ آجاؤ تو اس پر اعتماد کر کے داخل نہ ہو جانا چاہیے۔

(۷) اجازت طلب کرنے میں بے جا اصرار کرنا یا اجازت نہ ملنے کی صورت میں دروازے پر جم کر کھڑے ہو جانا جائز نہیں ہے۔ اگر تین دفعہ استیذان کے بعد صاحب خانہ کی طرف سے اجازت نہ ملے، یا وہ ملنے سے انکار کر دے تو واپس چلے جانا چاہیے۔'' (تفہیم القرآن جلد سوم، صفحہ ۳۷۶ تا ۳۷۹)

ایک دلچسپ واقعہ

اکثر مفسرین اور محدثین نے اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں آئے۔ دروازے پر تین مرتبہ اجازت مانگی، جب جواب نہ ملا تو وہ واپس پلٹ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ وہ کیوں چلے گئے تھے تو انھوں نے کہا: '' آنحضور ﷺ کے حکم کے مطابق میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو میں چلا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا '' اس حدیث پر اپنی تائید میں کوئی گواہی لاؤ۔'' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پریشان ہو کر انصار کی مجلس میں گئے اور واقعہ بیان کیا۔ مجلس میں سب سے کم عمر صحابی

Marfat.com

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا ”میں اس حدیث کا گواہ ہوں۔“ پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی تائید کی۔ یہ سب مل کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”میں آپ کو سچا سمجھتا ہوں مگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جس سے کوئی قانونی دفعہ ثابت ہوتی ہو، معاملہ بہت نازک ہے اور اہم ہے۔ اس لیے میں نے اتنا اہتمام کیا ہے۔“ ہم نے یہ واقعہ مختلف امہات میں دیکھا ہے مگر یہاں ابن عطیہ اندلسی کی تفسیر سے نقل کر رہے ہیں۔ انھوں نے اسے امام مالک، امام بخاری، امام مسلم اور ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے۔ (المحرر الوجیز ج ۱۰، ص ۴۸۱)

جب کوئی آدمی ملنے سے معذرت کرے تو اس پر برا نہ ماننا چاہیے۔ ایک آدمی کو حق ہے کہ وہ کسی سے نہ ملنا چاہے تو انکار کر دے، یا کوئی مشغولیت ملاقات میں مانع ہو تو معذرت کر دے۔ ارجعوا (واپس ہو جاؤ) کے حکم کا فقہا نے یہ مطلب لیا ہے کہ اس صورت میں دروازے کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو جانے کی اجازت نہیں ہے بلکہ آدمی کو وہاں سے ہٹ جانا چاہیے۔ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو ملاقات پر مجبور کرے یا اس کے دروازے پر ٹھہر کر اسے تنگ کرنے کی کوشش کرے۔ البتہ اگر کوئی ہنگامی صورت حال ہو، کسی شخص کی جان جا رہی ہو، کوئی بہت بڑا ضرر پہنچنے کا احتمال ہو اور صاحب خانہ اس کا تدارک کر سکتا ہو تو بطور استثناء ٹھہر کر ملاقات کا مطالبہ جائز ہے۔ جیسا کہ اوپر سید مودودی رحمہ اللہ کے الفاظ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

غض بصر اور شرم گاہوں کی حفاظت

آیت نمبر ۳۰ میں مومن مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ نظریں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ آیت نمبر ۳۱ میں یہی حکم مومن خواتین کو دیا گیا ہے۔ خواتین کے لیے مزید احکام بھی دیے گئے ہیں جن میں پردہ کرنے، زیب و زینت کا اظہار کرنے سے اجتناب برتنے اور غیر محرموں سے مکمل طور پر الگ تھلگ رہنے کے احکام شامل ہیں۔ دونوں آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے:

Marfat.com

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۞ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ (النور ۲۴: ۳۰-۳۱)

اے نبی ﷺ ''مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے اور اے نبی ﷺ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے، شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے لونڈی غلام، وہ زیر دست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اے مومنو! تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔

نظریں بچا کر رکھنا یا غضِ بصر بہت اہم ہدایت ہے۔ اس کی تفصیلات حدیث میں محدثین نے نہایت دقتِ نظر سے جمع کی ہیں۔ تمام مفسرین نے بھی ان احادیث کے حوالے سے ان آیات

Marfat.com

کی تفسیر میں متعلقہ احکام نبوی اور ہدایات مسنونہ کو یکجا کر دیا ہے۔ اسلام کا خوبصورت نظام معاشرت نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمان ان آیات کی تلاوت تو کرتے ہیں مگر ان کی روح کے مطابق اپنی معاشرت کو ڈھالنے کی فکر ناپید ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار اور مشرق کے ہندوانہ رسوم ورواج کے چلن نے ہم سے ہمارا احسن معاشرت چھین لیا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ غض بصر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غض بصر کا مفہوم

اصل میں الفاظ ہیں یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ غض کے معنی ہیں کسی چیز کو کم کرنے، گھٹانے اور پست کرنے کے۔ غض بصر کا ترجمہ عام طور پر نگاہ نیچی کرنا یا رکھنا کیا جاتا ہے لیکن دراصل اس حکم کا مطلب ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہنا نہیں ہے بلکہ پوری طرح نگاہ بھر کر نہ دیکھنا اور نگاہوں کو دیکھنے کے لیے بالکل آزاد نہ چھوڑ دینا ہے۔ یہ مفہوم ''نظر بچانے'' سے ٹھیک ادا ہوتا ہے، یعنی جس چیز کو دیکھنا مناسب نہ ہو اس سے نظر ہٹالی جائے، قطع نظر اس سے کہ آدمی نگاہ نیچی کرے یا کسی اور طرف سے اسے بچالے جائے۔ مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے، یعنی حکم تمام نظروں کو بچانے کا نہیں ہے بلکہ بعض نظروں کو بچانے کا ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کا منشا یہ نہیں ہے کہ کسی چیز کو بھی نگاہ بھر کر نہ دیکھا جائے، بلکہ وہ صرف ایک مخصوص دائرے میں نگاہ پر پابندی عائد کرنا چاہتا ہے۔ اب یہ بات سیاق وسباق سے معلوم ہوتی ہے کہ یہ پابندی جس چیز پر عائد کی گئی ہے وہ ہے مردوں کا عورتوں کو دیکھنا، یا دوسرے لوگوں کے ستر پر نگاہ ڈالنا یا فحش مناظر پر نگاہ جمانا۔

کتاب اللہ کے اس حکم کی جو تشریح سنت نے کی ہے اس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

سہو نظر معاف، قصد نظر حرام

(۱) آدمی کے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی یا اپنی محرم خواتین۔ کے سوا کسی دوسری عورت کو نگاہ بھر کر دیکھے۔ ایک دفعہ اچانک نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے لیکن یہ معاف نہیں ہے کہ آدمی نے پہلی نظر میں جہاں کوئی کشش محسوس کی ہو وہاں پھر نظر دوڑائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

Marfat.com

طرح کی دیدہ بازی کو آنکھ کی بدکاری سے تعبیر فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔ دیکھنا آنکھوں کی زنا ہے۔ لگاوٹ کی بات چیت زبان کی زنا ہے۔ آواز سے لذت لینا کانوں کی زنا ہے۔ ہاتھ لگانا اور ناجائز مقصد کے لیے چلنا ہاتھ پاؤں کی زنا ہے۔ بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہو چکتی ہیں تب شرم گاہیں یا تو اس کی تکمیل کر دیتی ہیں یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد)

حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **یا علی لا تتبع النظرة النظرة فان لک الاولی ولیست لک الاخرة** ''اے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا۔ پہلی نظر تو معاف ہے مگر دوسری معاف نہیں۔'' (احمد، ترمذی، ابو داؤد، دارمی) حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا اچانک نگاہ پڑ جائے تو کیا کروں؟ فرمایا فوراً نگاہ پھیر لو، یا نیچی کر لو۔ (مسلم، احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ان النظر سهم من سهام ابلیس مسموم من ترکها مخافتی ابدلته ایمانا یجد حلاوتهٗ فی قلبه** ''نگاہ ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو شخص مجھ سے ڈر کر اس کو چھوڑ دے گا میں اس کے بدلے اسے ایسا ایمان دوں گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پائے گا۔ (طبرانی) ابوامامہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **ما من مسلم ینظر الی محاسن امراة ثم یغض بصره الا اخلف الله له عبادة یجد حلاوتها** ''جس مسلمان کی نگاہ کسی عورت کے حسن پر پڑے اور وہ نگاہ ہٹا لے تو اللہ اس کی عبادت میں لطف اور لذت پیدا کر دیتا ہے۔'' (مسند احمد)

امام جعفر صادق اپنے والد امام محمد باقر سے اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ کے چچا زاد بھائی فضل بن عباس رضی اللہ عنہ (جو اس وقت ایک نوجوان لڑکے تھے) مشعر حرام سے واپسی کے وقت حضور ﷺ کے ساتھ اونٹ پر سوار

Marfat.com

تھے۔ راستے میں جب عورتیں گزرنے لگیں تو فضل ان کی طرف دیکھنے لگے۔ نبی ﷺ نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اسے دوسری طرف پھیر دیا۔ (ابو داؤد) اسی حجۃ الوداع کا قصہ ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت راستے میں حضور ﷺ کو روک کر حج کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے لگی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس پر نگاہیں گاڑ دیں۔ نبی ﷺ نے ان کا منہ پکڑ کر دوسری طرف کر دیا۔ (بخاری، ابو داؤد، ترمذی)

پردہ اور غض بصر

(۲) اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت تھی تبھی تو غض بصر کا حکم دیا گیا، ورنہ اگر چہرے کا پردہ رائج کیا جا چکا ہوتا تو پھر نظر بچانے نہ بچانے کا کیا سوال۔ یہ استدلال عقلی حیثیت سے بھی غلط ہے اور واقعہ کے اعتبار سے بھی۔ عقلی حیثیت سے یہ اس لیے غلط ہے کہ چہرے کا پردہ عام طور پر رائج ہو جانے کے باوجود ایسے مواقع پیش آ سکتے ہیں جبکہ اچانک کسی عورت اور مرد کا آمنا سامنا ہو جائے۔ اور ایک پردہ دار عورت کو بھی بسا اوقات ایسی ضرورت لاحق ہو سکتی ہے کہ وہ منہ کھولے اور مسلمان عورتوں میں پردہ رائج ہونے کے باوجود بہر حال غیر مسلم عورتیں تو بے پردہ ہی رہیں گی۔ لہٰذا محض غض بصر کا حکم اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ عورتوں کے کھلے منہ پھرنے کو مستلزم ہے۔ اور واقعہ کے اعتبار سے یہ اس لیے غلط ہے کہ سورۂ احزاب میں احکام حجاب نازل ہونے کے بعد جو پردہ مسلم معاشرے میں رائج کیا گیا تھا اس میں چہرے کا پردہ شامل تھا اور نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اس کا رائج ہونا بکثرت روایات سے ثابت ہے۔ واقعہ افک کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان جو نہایت معتبر سندوں سے مروی ہے اس میں وہ فرماتی ہیں کہ جنگل سے واپس آ کر جب میں نے دیکھا کہ قافلہ چلا گیا ہے تو میں بیٹھ گئی اور نیند کا غلبہ ایسا ہوا کہ وہیں پڑ کر سو گئی۔ صبح کو صفوان بن معطل وہاں سے گزرا تو دور سے کسی کو پڑے دیکھ کر ادھر آ گیا۔ فعرفنی حین رانی وکان قد رانی قبل الحجاب فاستیقظت باسترجاعه حین عرفنی فخمرت وجهی بجلبابی ”وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان گیا کیونکہ

Marfat.com

حجاب کے حکم سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکا تھا۔ مجھے پہچان کر جب اس نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا تو اس کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے منہ ڈھانک لیا۔'' (بخاری، مسلم، احمد، ابن جریر، سیرت ابن ھشام)۔

ابو داؤد، کتاب الجہاد میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک خاتون ام خلاد کا لڑکا ایک جنگ میں شہید ہو گیا تھا۔ وہ اس کے متعلق دریافت کرنے کے لیے نبی ﷺ کے پاس آئیں، مگر اس حال میں بھی چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ بعض صحابہ نے حیرت کے ساتھ کہا کہ اس وقت بھی تمھارے چہرے پر نقاب ہے؟ یعنی بیٹے کی شہادت کی خبر سن کر تو ایک ماں کو تن بدن کا ہوش نہیں رہتا اور تم اس اطمینان کے ساتھ باپردہ آئی ہو۔ جواب میں کہنے لگیں ان ارزاء ابنی فلن ارز احیائی ''میں نے بیٹا تو ضرور کھویا ہے مگر اپنی حیا تو نہیں کھودی۔'' ابوداؤد ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر رسول اللہ ﷺ کو درخواست دی۔ حضور ﷺ نے پوچھا یہ عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا؟ اس نے عرض کیا عورت ہی کا ہے۔ فرمایا ''عورت کا ہاتھ ہے تو کم از کم ناخن ہی مہندی سے رنگ لیے ہوتے۔'' رہے حج کے موقع کے وہ دو واقعات جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے تو وہ عہد نبوی میں چہرے کا پردہ نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے، کیونکہ احرام کے لباس میں نقاب کا استعمال ممنوع ہے۔ تاہم اس حالت میں بھی محتاط خواتین غیر مردوں کے سامنے چہرہ کھول دینا پسند نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں ہم لوگ بحالت، احرام مکہ کی طرف جارہے تھے۔ جب مسافر ہمارے پاس سے گزرنے لگتے تو ہم عورتیں اپنے سر سے چادریں کھینچ کر منہ پر ڈال لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم منہ کھول لیتی تھیں۔'' (ابو داؤد باب فی المحرمة تغطی وجھھا)

استثناء

(۳) غض بصر کے اس حکم سے مستثنیٰ صرف وہ صورتیں ہیں جن میں کسی عورت کو دیکھنے کی کوئی حقیقی ضرورت ہو۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔ اس غرض کے لیے عورت

Marfat.com

کو دیکھ لینے کی نہ صرف اجازت ہے، بلکہ ایسا کرنا کم از کم مستحب تو ضرور ہے۔ مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے کہ میں نے ایک جگہ نکاح کا پیغام دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم نے لڑکی کو دیکھ بھی لیا ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا: انظر الیھا فانه احری ان یودم بینکما ''اسے دیکھ لو۔ اس طرح زیادہ توقع کی جا سکتی ہے کہ تمھارے درمیان موافقت ہو گی۔'' (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجه، دارمی) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کہیں شادی کا پیغام دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: انظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئاً ''لڑکی کو دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہوتی ہے۔'' (مسلم، نسائی، احمد) جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اذا خطب احدکم المراة فقدر ان یری منھا بعض ما یدعوہ الی نکاحھا فلیفعل ''تم میں سے جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کا خواستگار ہو تو حتی الامکان اسے دیکھ کر یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ آیا عورت میں ایسی کوئی خوبی ہے جو اس کے ساتھ نکاح کی طرف راغب کرنے والی ہو۔'' (احمد، ابو داؤد)

مسند احمد میں ابوحمیدہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اس غرض کے لیے دیکھنے کی اجازت کو فلا جناح علیه کے الفاظ میں بیان کیا، یعنی ایسا کر لینے میں مضائقہ نہیں ہے۔ نیز اس کی بھی اجازت دی کہ لڑکی کی بے خبری میں بھی اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی سے فقہا نے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ بضرورت دیکھنے کی دوسری صورتیں بھی جائز ہیں۔ مثلاً تفتیش جرائم کے سلسلے میں کسی مشتبہ عورت کو دیکھنا، یا عدالت میں گواہی کے موقع پر قاضی کا کسی گواہ عورت کو دیکھنا یا علاج کے لیے طبیب کا مریضہ کو دیکھنا وغیرہ۔

ستر پر نگاہ ڈالنے سے منع

(۴) غض بصر کے حکم کا منشا یہ بھی ہے کہ آدمی کسی عورت یا مرد کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا تنظر المراۃ الی عورۃ المراۃ ''کوئی مرد کسی مرد کے ستر کو نہ دیکھے، اور کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو نہ دیکھے۔''

Marfat.com

(احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: لَا تَنْظُرُ اِلٰی فَخِذَ حَیٍّ وَّلَامَیِّتٍ ''کسی زندہ یا مردہ انسان کی ران پر نگاہ نہ ڈالو۔'' (ابو داؤد، ابن ماجہ، بحوالہ: تفہیم القرآن جلد سوم، صفحہ ۳۸۰ تا ۳۸۲)

ایک لطیف نکتہ

اوپر کی آیات میں شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کو دیا گیا ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ابن کثیر رحمۃ اللہ کے حوالے سے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں معاملے کی دونوں اطراف ابتداء اور انتہا یعنی نظر اور زنا سے منع فرمادیا ہے اور بیچ کی تمام منزلیں خود بخود اس میں آگئی ہیں۔'' (معارف القرآن، ششم ۳۹۹)

شرم گاہوں کی حفاظت کے حکم ربانی کی تشریح مفسرِ عصرِ حاضر سید مودودیؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

شرم گاہوں کی حفاظت، جامع مفہوم

''شرم گاہوں کی حفاظت سے مراد محض ناجائز شہوت رانی سے پرہیز ہی نہیں ہے بلکہ اپنے ستر کو دوسروں کے سامنے کھولنے سے پرہیز بھی ہے۔ مرد کے لیے ستر کے حدود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناف سے گھٹنے تک مقرر فرمائے ہیں۔ عورۃ الرجل مابین سرتہ الی رکبتہ ''مرد کا ستر اس کی ناف سے گھٹنے تک ہے۔'' (دارقطنی، بیہقی) اس حصہ جسم کو بیوی کے سوا کسی کے سامنے قصداً کھولنا حرام ہے۔ حضرت جرہد اسلمی، جو اصحاب صفہ میں سے ایک بزرگ تھے، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک دفعہ میری ران کھلی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اما علمت ان الفخذ عورۃ ''کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ ران چھپانے کے قابل چیز ہے؟'' (ترمذی، ابوداؤد، موطا) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تبرز (یا لا تکشف) فخذک ''اپنی ران کبھی نہ کھولو۔'' (ابو داؤد، ابن ماجہ) صرف دوسروں کے سامنے ہی نہیں، تنہائی میں بھی ننگا رہنا ممنوع ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایاکم

Marfat.com

والتعری فان معکم من لایفارقکم الاعند الغائط و حین یفضی الرجل الی اھلہ فاستحیوھم واکرموھم ''خبردار کبھی ننگے نہ رہو کیونکہ تمھارے ساتھ وہ ہیں جو کبھی تم سے جدا نہیں ہوتے (یعنی خیر اور رحمت کے فرشتے) سوائے اس وقت کے جب تم رفع حاجت کرتے ہو یا اپنی بیویوں کے پاس جاتے ہو، لہٰذا ان سے شرم کرو اور ان کا احترام ملحوظ رکھو۔'' (ترمذی) ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا احفظ عورتک الامن زوجتک او ما ملکت یمینک ''اپنے ستر کو اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا ہر ایک سے محفوظ رکھو۔'' سائل نے پوچھا اور جب ہم تنہائی میں ہوں؟ فرمایا فاللہ تبارک و تعالی احق ان یستحیامنہ ''تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔'' (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)۔ (ایضاً صفحہ ۳۸۲-۳۸۳)

عورتوں کے لیے غض بصر کا حکم

آیت نمبر ۳۰ میں مردوں کو غض بصر اور حفظ فروج کا حکم دیا گیا ہے اور آیت نمبر ۳۱ میں یہی حکم عورتوں کو دیا گیا ہے۔ حکم کے الفاظ ایک ہی ہیں مگر ان کے اطلاق میں کچھ باریک اور لطیف فرق ہے۔ سید مودودی رحمہ اللہ اس کے بارے میں سنت کی روشنی میں توضیح فرماتے ہیں:

''عورتوں کے لیے بھی غض بصر کے احکام وہی ہیں جو مردوں کے لیے ہیں، یعنی انھیں قصداً غیر مردوں کو نہ دیکھنا چاہیے، نگاہ پڑ جائے تو ہٹا لینی چاہیے اور دوسروں کے ستر کو دیکھنے سے پرہیز کرنا چاہیے لیکن مرد کے عورت کو دیکھنے کی بہ نسبت عورت کے مرد کو دیکھنے کے معاملے میں احکام تھوڑے سے مختلف ہیں۔ ایک طرف حدیث میں ہم کو یہ واقعہ ملتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں، اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے۔ نبی ﷺ نے دونوں بیویوں سے فرمایا: احتجبا منہ ''ان سے پردہ کرو۔'' بیویوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! الیس اعمی لا یبصرنا ولا یعرفنا ''یا رسول اللہ، کیا یہ اندھے نہیں ہیں؟ نہ ہمیں دیکھیں گے نہ پہچانیں گے۔ فرمایا: افعمیا وانِ انتما، الستما تبصرانہ ''کیا تم دونوں بھی

Marfat.com

اندھی ہو؟ کیا انھیں نہیں دیکھتیں؟'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تصریح کرتی ہیں کہ **ذلک بعد ان امر بالحجاب** ''یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب پردے کا حکم آ چکا تھا۔'' (احمد، ابو داؤد، ترمذی) اور اس کی تائید موطا کی یہ روایت کرتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نابینا آیا تو انھوں نے اس سے پردہ کیا۔ کہا گیا کہ آپ اس سے پردہ کیوں کرتی ہیں؟ یہ تو آپ کو نہیں دیکھ سکتا۔ جواب میں ام المومنین نے فرمایا: **لٰکنی انظر الیہ** ''میں تو اسے دیکھتی ہوں۔'' دوسری طرف ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ملتی ہے کہ ۷ ہجری میں حبشیوں کا وفد مدینہ آیا اور اس نے مسجد نبوی کے احاطے میں ایک تماشا کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ تماشا دکھایا۔ (بخاری، مسلم، احمد) تیسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کو جب ان کے شوہر نے تین طلاقیں دے دیں تو سوال پیدا ہوا کہ وہ عدت کہاں گزاریں؟ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام شریک انصاریہ کے ہاں رہو۔ پھر فرمایا: ''ان کے ہاں میرے صحابہ بہت جاتے رہتے ہیں (کیونکہ وہ ایک بڑی مالدار اور فیاض خاتون تھیں، بکثرت لوگ ان کے ہاں مہمان رہتے اور وہ ان کی ضیافت کرتی تھیں، لہٰذا تم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو، وہ اندھے آدمی ہیں، تم ان کے ہاں بے تکلف رہ سکو گی۔'' (مسلم، ابو داؤد) ان روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے مردوں کو دیکھنے کے معاملے میں اتنی سختی نہیں ہے جتنی مردوں کے عورتوں کو دیکھنے کے معاملے میں ہے۔ ایک مجلس میں آمنے سامنے بیٹھ کر دیکھنا ممنوع ہے۔ راستہ چلتے ہوئے یا دور سے کوئی جائز قسم کا کھیل تماشا دیکھتے ہوئے مردوں پر نگاہ پڑنا ممنوع نہیں ہے۔ اور کوئی حقیقی ضرورت پیش آ جائے تو ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی دیکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ امام غزالی اور ابن حجر عسقلانی نے بھی روایات سے قریب قریب یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار میں ابن حجر کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ''جواز کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عورتوں کے باہر نکلنے کے معاملے میں ہمیشہ جواز ہی پر عمل رہا ہے۔ مسجدوں میں، بازاروں میں اور سفروں میں عورتیں تو نقاب منہ پر ڈال کر جاتی تھیں کہ مردان کو نہ دیکھیں، مگر مردوں کو کبھی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ بھی نقاب اوڑھیں تاکہ

Marfat.com

عورتیں ان کو نہ دیکھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے معاملے میں حکم مختلف ہے۔'' (جلد ۶ صفحہ ۱۰۱) تاہم یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ عورتیں اطمینان سے مردوں کو گھوریں اور ان کے حسن سے آنکھیں سینکیں۔'' (ایضاً، صفحہ ۳۸۳-۳۸۴)

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو شرم گاہوں کی حفاظت کا جو حکم دیا ہے وہ جامع مگر مجمل ہے۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

''یعنی ناجائز شہوت رانی سے بھی پرہیز کریں اور اپنا ستر دوسروں کے سامنے کھولنے سے بھی۔ اس معاملے میں عورتوں کے لیے بھی وہی احکام ہیں جو مردوں کے لیے ہیں لیکن عورت کے ستر کے حدود مردوں سے مختلف ہیں۔ نیز عورت کا ستر مردوں کے لیے الگ ہے اور عورتوں کے لیے الگ۔''

عورت کا ستر

مردوں کے لیے عورت کا ستر ہاتھ اور منہ کے سوا اس کا پورا جسم ہے جسے شوہر کے سوا کسی دوسرے مرد، حتیٰ کہ باپ اور بھائی کے سامنے بھی نہ کھلنا چاہیے اور عورت کو ایسا باریک یا چست لباس بھی نہ پہننا چاہیے جس سے بدن اندر سے جھلکے یا بدن کی ساخت نمایاں ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ان کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً منہ پھیر لیا اور فرمایا یا اسماء ان المراۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح لھا ان یری منھا الا ھذا و ھذا و اشار الی وجھہ و کفیہ ''اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں ہے کہ منہ اور ہاتھ کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔'' (ابو داؤد) اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ان کے ہاں ان کے اخیافی بھائی عبداللہ بن الطفیل کی صاحبزادی آئی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو انھیں دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ میری بھتیجی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا عرکت المراۃ لم یحل لھا ان تظھر

Marfat.com

الا وجهها والا ما دون هذا و قبض على ذراع نفسه و ترك بين قبضته و بين الكف مثل قبضة اخرى ''جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ ظاہر کرے اپنے منہ کے سوا اور اپنے ہاتھ کے سوا اور ہاتھ کی حد آپ نے خود اپنی کلائی پر ہاتھ رکھ کر اس طرح بتائی کہ آپ کی مٹھی اور ہتھیلی کے درمیان صرف ایک مٹھی کی جگہ اور باقی تھی۔'' اس معاملے میں صرف اتنی رعایت ہے کہ اپنے محرم رشتہ داروں (مثلاً باپ بھائی وغیرہ) کے سامنے عورت اپنے جسم کا اتنا حصہ کھول سکتی ہے جسے گھر کا کام کاج کرتے ہوئے کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے، جیسے آٹا گوندھتے ہوئے آستینیں اوپر چڑھا لینا یا گھر کا فرش دھوتے ہوئے پائنچے کچھ اوپر کر لینا۔

اور عورت کے لیے عورت کے ستر کے حدود وہی ہیں جو مرد کے لیے مرد کے ستر کے ہیں، یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتوں کے سامنے عورت نیم برہنہ رہے بلکہ صرف یہ ہے کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ڈھانکنا فرض ہے اور دوسرے حصوں کا ڈھانکنا فرض نہیں ہے۔'' (ایضاً صفحہ ۳۸۴-۳۸۵)

نوٹ: مرشد مولانا مودودیؒ کی اس رائے کے بارے میں احقر کو تحفظات ہیں۔ عورت کے لیے اپنی گردن سے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک پورا جسم عورتوں کے سامنے بھی ستر کا تقاضا کرتا ہے جبکہ مرد کے لیے گھٹنے اور ناف کے درمیان کا حصہ مردوں کے سامنے کھولنے کا جواز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عورت اور مرد مساوی ہیں مگر یکساں نہیں

آیات زیر غور میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کی نسبت عورتوں سے زیادہ چیزوں کا تقاضا کیا ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر مرد اور عورت کے بارے میں یہ ہے کہ انسان ہونے کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ دونوں کی جسمانی ساخت، تخلیق اور حدود کار مختلف ہیں اس لیے دونوں مساوی ہونے کے باوجود یکساں نہیں ہیں۔ سید مودودی رحمۃ اللہ نے اسی لیے لکھا ہے کہ:

''یہ بات نگاہ میں رہے کہ شریعت الٰہی عورتوں سے صرف اتنا ہی مطالبہ نہیں کرتی جو

Marfat.com

مردوں سے اس نے کیا ہے، یعنی نظر بچانا اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا، بلکہ وہ ان سے کچھ اور مطالبے بھی کرتی ہے جو اس نے مردوں سے نہیں کیے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس معاملے میں عورت اور مرد یکساں نہیں ہیں۔'' (ایضاً، صفحہ ۳۸۵)

زینت

عورتوں کو زینت کے اظہار سے منع کیا گیا ہے۔ زینت کیا ہے؟ سید مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بناؤ سنگھار'' ہم نے ''زینت'' کا ترجمہ کیا ہے، جس کے لیے دوسرا لفظ آرایش بھی ہے۔ اس کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے، خوشنما کپڑے، زیور اور سر، منہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ کی مختلف آرائشیں جو بالعموم عورتیں دنیا میں کرتی ہیں، جن کے لیے موجودہ زمانے میں (Make up) کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہ بناؤ سنگھار کس کو نہ دکھایا جائے، اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔'' (ایضاً)

زینت پر اظہار خیال کرتے ہوئے مختلف لوگوں نے اپنی من مانی تاویلات کی ہیں۔ بعض متجددین نے تو خیر حد ہی کر دی ہے مگر اہل علم و اخلاص حضرات میں سے بھی کچھ لوگوں نے (محدود پیمانے پر ہی سہی) اظہار زیبایش کے جواز تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔ کسی کا نام لیے بغیر سید مودودی رحمہ اللہ اس موضوع پر اصولی موقف یوں پیش فرماتے ہیں:

''اس آیت کے مفہوم کو تفسیروں کے مختلف بیانات نے اچھا خاصا مبہم بنا دیا ہے۔ ورنہ بجائے خود بات بالکل صاف ہے۔ پہلے فقرے میں ارشاد ہوا ہے کہ لا یبدین زینتھن ''وہ اپنی آرایش و زیبایش کو ظاہر نہ کریں۔'' اور دوسرے فقرے میں الا بول کر اس حکم نہی سے جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ ہے ''ما ظھر منھا جو کچھ اس آرایش و زیبایش میں سے ظاہر ہو، یا ظاہر ہو جائے۔'' اس سے صاف مطلب

Marfat.com

یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو خود اس کا اظہار اور اس کی نمائش نہ کرنی چاہیے البتہ جو آپ سے آپ ظاہر ہو جائے (جیسے چادر کا ہوا سے اڑ جانا اور کسی زینت کا کھل جانا) یا جو آپ سے آپ ظاہر ہو (جیسے وہ چادر جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے، کیونکہ بہر حال اس کا چھپانا تو ممکن نہیں ہے اور عورت کے جسم پر ہونے کی وجہ سے بہر حال وہ بھی اپنے اندر ایک کشش رکھتی ہے) اس پر خدا کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ یہی مطلب اس آیت کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ اور ابراہیم نخعیؒ نے بیان کیا ہے۔ اس کے برعکس بعض مفسرین نے ما ظهر منها کا مطلب لیا ہے ما يظهره الانسان على العادة الجاريه (جسے عادۃ انسان ظاہر کرتا ہے) اور پھر وہ اس میں منہ اور ہاتھوں کو ان کی تمام آرائشوں سمیت شامل کر دیتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ عورت اپنے منہ کو مسی اور سرمے اور سرخی پاؤڈر سے اور اپنے ہاتھوں کو انگوٹھی چھلے اور چوڑیوں اور کنگن وغیرہ سے آراستہ رکھ کر لوگوں کے سامنے کھولے پھرے۔ یہ مطلب ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگردوں سے مروی ہے اور فقہاء حنفیہ کے ایک اچھے خاصے گروہ نے اسے قبول کیا ہے۔ (احکام القرآن للجصاص، جلد ۳، صفحہ ۳۸۸-۳۸۹) لیکن ہم یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ ما ظهر کے معنی ما يظهر عربی زبان کے کس قاعدے سے ہو سکتے ہیں۔ ''ظاہر ہونے'' اور ''ظاہر کرنے'' میں کھلا ہوا فرق ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن صریح طور پر ''ظاہر کرنے'' سے روک کر ''ظاہر ہونے'' کے معاملے میں رخصت دے رہا ہے۔ اس رخصت کو ''ظاہر کرنے'' کی حد تک وسیع کرنا قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان روایات کے بھی خلاف جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں حکم حجاب آنے کے بعد عورتیں کھلے منہ نہیں پھرتی تھیں، اور حکم حجاب میں منہ کا پردہ شامل تھا، اور احرام کے سوا دوسری تمام حالتوں میں

Marfat.com

نقاب کو عورتوں کے لباس کا ایک جز بنا دیا گیا تھا۔ پھر اس سے بھی زیادہ قابل تعجب بات یہ ہے کہ اس رخصت کے حق میں دلیل کے طور پر یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ منہ اور ہاتھ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہیں حالانکہ ستر اور حجاب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ستر تو وہ چیز ہے جسے محرم مردوں کے سامنے کھولنا بھی ناجائز ہے۔ رہا حجاب، تو وہ ستر سے زائد ایک چیز ہے جسے عورتوں اور غیر محرم مردوں کے درمیان حائل کیا گیا ہے اور یہاں بحث ستر کی نہیں بلکہ احکام حجاب کی ہے۔'' (ایضاً، صفحہ ۳۸۵-۳۸۶)

یہ موضوع آج کل خاصا اہم ہے۔ بلاد عرب و مصر کے علما بلکہ دنیا بھر کے شوافع اور کسی حد تک مالکیہ پردے کے بارے میں سید مودودی رحمہ اللہ کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے پاس اپنے دلائل ہیں۔ موضوع کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجایش نہیں۔ بہرحال اس علمی موضوع پر تحقیق بھی جاری ہے اور حالات و ظروف اور وقت کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر اہل علم اور فقہا کی آرا بھی سامنے آ رہی ہیں۔ مسئلہ وسعت نظر کا متقاضی ہے۔ اسے کفر و اسلام کی حد تک لے جانا مناسب نہیں ہے البتہ ہم ذاتی طور پر اسی مسلک کو اولیٰ اور اقرب الی السنۃ سمجھتے ہیں جو سید مودودی رحمہ اللہ اور دیگر حنفی و حنبلی علما نے اختیار کیا ہے۔

اوڑھنیوں کے آنچل

قرآن مجید میں عورتوں کو اوڑھنیوں کے آنچل سینے پر ڈالے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اس حکم کی تشریح بھی کی ہے اور دور جاہلیت میں عورتوں کے لباس اور سر ڈھانپنے کے انداز کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''زمانہ جاہلیت میں عورتیں سروں پر ایک طرح کے کساوے سے باندھے رکھتی تھیں جن کی گرہ جوڑے کی طرح پیچھے چوٹی پر لگائی جاتی تھی۔ سامنے گریبان کا ایک حصہ کھلا رہتا تھا جس سے گلا اور سینے کا بالائی حصہ صاف نمایاں ہوتا تھا۔ چھاتیوں پر

Marfat.com

قمیض کے سوا اور کوئی چیز نہ ہوتی تھی اور پیچھے دو دو تین تین چوٹیاں لہراتی رہتی تھیں۔(تفسیر کشاف جلد ۲،صفحہ ۹-ابن کثیر جلد ۳،صفحہ ۲۸۳-۲۸۴)

اس آیت کے نزول کے بعد مسلمان عورتوں میں دوپٹہ رائج کیا گیا، جس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آج کل کی صاحبزادیوں کی طرح بس اسے بل دے کر گلے کا ہار بنالیا جائے، بلکہ یہ تھا کہ اسے اوڑھ کر سر، کمر، سینہ سب اچھی طرح ڈھانک لیے جائیں۔ اہل ایمان خواتین نے قرآن کا یہ حکم سنتے ہی فوراً جس طرح اس کی تعمیل کی اس کی تعریف کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورۂ نور نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے اس کو سن کر لوگ اپنے گھروں کی طرف پلٹے اور جا کر انھوں نے اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں کو اس کی آیات سنائیں۔ انصار کی عورتوں میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو آیت ولیضربن بخمرھن علٰی جیوبھن کے الفاظ سن کر اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی ہو۔ ہر ایک اٹھی اور کسی نے اپنا کمر پٹہ کھول کر اور کسی نے چادر اٹھا کر فوراً اس کا دوپٹہ بنایا اور اوڑھ لیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز کے وقت جتنی عورتیں مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں سب دوپٹے اوڑھے ہوئے تھیں۔ اسی سلسلے کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید تفصیل یہ بتاتی ہیں کہ عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے موٹے کپڑے چھانٹے اور ان کے دوپٹے بنائے۔ (ابن کثیر، ج ۳،ص ۲۸۴-ابو داؤد، کتاب اللباس)

یہ بات کہ دوپٹہ باریک کپڑے کا نہ ہونا چاہیے، ان احکام کے مزاج اور مقصد پر غور کرنے سے خود ہی آدمی کی سمجھ میں آجاتی ہے، چنانچہ انصار کی خواتین نے حکم سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ اس کا منشا کس طرح کے کپڑے کا دوپٹہ بنانے سے پورا ہو سکتا ہے لیکن صاحب شریعت ﷺ نے اس بات کو بھی صرف لوگوں کے فہم پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ خود اس کی تصریح فرما دی۔ دحیہ کلبی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس مصر کی بنی ہوئی باریک ململ (قباطی) آئی۔ آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا مجھے دیا اور فرمایا ایک حصہ پھاڑ کر اپنا کرتہ بنالو اور ایک حصہ اپنی بیوی کو دوپٹہ بنانے کے لیے دے دو، مگر ان سے کہہ دینا کہ تجعل تحتہ ثوباً لا یصفھا اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگالیں تاکہ جسم کی

Marfat.com

ساخت اندر سے نہ جھلکے۔'' (ابو داؤد، کتاب اللباس) (ایضاً صفحہ ۳۸۶-۳۸۷)

محرم مردوں کے بارے میں حکم

خواتین کو مردوں سے پردے اور مخلوط محفلوں سے مکمل اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ آٹھ رشتے ایسے ہیں (خونی اور مناکحت کے سبب) جن سے پردہ نہیں ہے۔ ان سب کا ذکر آیت قرآنی میں موجود ہے۔ ان محرم مردوں میں جو رشتہ دار شامل ہیں ان میں سے بعض کی تشریح ذیل میں دی جا رہی ہے۔

(۱) باپ: اصل میں لفظ آباء استعمال ہوا ہے جس کے مفہوم میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا پردادا اور نانا بھی شامل ہیں لہٰذا ایک عورت اپنی ددھیال اور ننھیال اور اپنے شوہر کی ددھیال اور ننھیال کے ان سب بزرگوں کے سامنے اسی طرح آسکتی ہے جس طرح اپنے والد اور خسر کے سامنے آسکتی ہے۔

(۲) بیٹے: بیٹوں میں پوتے پرپوتے اور نواسے پرنواسے سب شامل ہیں اور اس معاملے میں سگے سوتیلے کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اپنے سوتیلے بچوں کی اولاد کے سامنے عورت اسی طرح آزادی کے ساتھ اظہار زینت کر سکتی ہے جس طرح خود اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے سامنے کر سکتی ہے۔

(۳) بھائی: ''بھائیوں'' میں سگے اور سوتیلے اور ماں جائے بھائی سب شامل ہیں۔

(۴-۵) بھتیجے اور بھانجے: بھائی بہنوں کے بیٹوں سے مراد تینوں قسم کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے، یعنی ان کے پوتے پرپوتے اور نواسے پرنواسے سب اس میں شامل ہیں۔

ان پانچ رشتوں کے علاوہ آیت میں تین مزید رشتوں کا بھی ذکر ہے۔ مندرجہ بالا پانچ رشتے تو خونی رشتے ہیں جبکہ یہ تین رشتے مناکحت کے سبب محرم گردانے جاتے ہیں۔ یہ ہیں:

(۱) خاوند (شادی ہو جانے کے بعد میاں بیوی فوراً ایک دوسرے کے محرم بن جاتے ہیں۔ جب تک ان کا تعلق نکاح قائم ہے، یہ رشتہ قائم ہے۔ نکاح ٹوٹ جائے تو یہ تعلق بھی ٹوٹ جاتا

Marfat.com

ہے۔)

(۲) سسر۔

(۳) خاوند کے بیٹے (دوسری بیویوں سے) ان دونوں رشتوں سے نکاح ہی کی وجہ سے حرمت قائم ہوتی ہے مگر نکاح ٹوٹ جانے کے بعد بھی چونکہ سسر سے اور خاوند کے بیٹوں سے شرعاً نکاح نہیں ہوسکتا اس لیے وہ تعلق جو نکاح کی وجہ سے قائم تھا، کمزور تو یقیناً ہو جاتا ہے مگر فقہی لحاظ سے وہ غیر محرم شمار نہیں ہوتے۔

قرآن میں بیان کردہ محرم مردوں کے علاوہ دیگر محرم جن کا ذکر حدیث وسنت میں ملتا ہے

جس طرح قرآن مجید ماخذ قانون وشریعت ہے اسی طرح سنت کا بھی درجہ ہے۔ قرآن میں بیان کردہ محرم مردوں پر فہرست ختم نہیں ہو جاتی بلکہ حدیث میں چچا اور ماموں کو بھی محرم کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں غالباً ان کا الگ ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ جس طرح باپ اور بیٹا کہہ کر دادا، پردادا اور پوتا، پرپوتا بھی ان میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ اسی طرح چچا اور ماموں بھی باپ کے درجے میں متصور سمجھے گئے ہیں۔ سید مودودی رحمہ اللہ اس مسئلے اور دیگر متعلقہ مسائل پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"یہاں چونکہ رشتہ داروں کا حلقہ ختم ہو رہا ہے اور آگے غیر رشتہ دار لوگوں کا ذکر ہے اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے تین مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیجیے، کیونکہ ان کو نہ سمجھنے سے متعدد الجھنیں واقع ہوتی ہیں:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بعض لوگ اظہار زینت کی آزادی کو صرف ان رشتہ داروں تک محدود سمجھتے ہیں جن کا نام یہاں لیا گیا ہے، باقی سب لوگوں کو، حتیٰ کہ سگے چچا اور سگے ماموں تک کو ان رشتہ داروں میں شمار کرتے ہیں جن سے پردہ کیا جانا چاہیے، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کا نام قرآن میں نہیں لیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ سگے چچا اور ماموں تو درکنار، نبی ﷺ نے

Marfat.com

تو رضاعی چچا اور ماموں سے بھی پردہ کرنے کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اجازت نہ دی۔ صحاح ستہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی روایت ہے کہ ابوالقعیس کے بھائی افلح ان کے ہاں آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ چونکہ پردے کا حکم آ چکا تھا اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت نہ دی۔ انھوں نے کہلا کر بھیجا کہ تم میری بھتیجی ہو، کیونکہ میرے بھائی ابوالقعیس کی بیوی کا تم نے دودھ پیا ہے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس میں تامل تھا کہ یہ رشتہ بھی ایسا ہے جس میں پردہ اٹھا دینا جائز ہو۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا کہ وہ تمھارے پاس آ سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس آیت کو اس معنی میں نہیں لیا ہے کہ اس میں جن جن رشتہ داروں کا ذکر آیا ہے ان سے پردہ نہ ہو اور باقی سب سے ہو بلکہ آپ نے اس سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ جن جن رشتہ داروں سے ایک عورت کا نکاح حرام ہے وہ سب اسی آیت کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً چچا، ماموں، داماد اور رضاعی رشتہ دار۔ تابعین میں سے حضرت حسن بصری نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، اور اسی کی تائید علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں فرمائی ہے۔ (ج ۳، ص ۳۹۰)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جن رشتہ داروں سے ابدی حرمت کا رشتہ نہ ہو (یعنی جن سے ایک کنواری یا بیوہ عورت کا نکاح جائز ہو) وہ نہ تو محرم رشتہ داروں کے حکم میں ہیں کہ عورتیں بے تکلف ان کے سامنے اپنی زینت کے ساتھ آئیں اور نہ بالکل اجنبیوں کے حکم میں کہ عورتیں ان سے ویسا ہی مکمل پردہ کریں جیسا غیروں سے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ٹھیک کیا رویہ ہونا چاہیے، یہ شریعت میں متعین نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا تعین ہو نہیں سکتا۔ اس کے حدود مختلف رشتہ داروں کے معاملے میں ان کے رشتے، ان کی عمر، عورت کی عمر، خاندانی تعلقات و روابط اور فریقین کے حالات (مثلاً مکان کا مشترک ہونا یا الگ الگ مکانوں میں رہنا) کے لحاظ سے لامحالہ مختلف ہوں گے اور ہونے چاہییں۔ اس معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طرزِ عمل جو کچھ تھا اس سے ہم کو یہی رہنمائی ملتی ہے۔ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی

Marfat.com

بکر رضی اللہ عنہا، جو نبی ﷺ کی سالی تھیں، آپ کے سامنے ہوتی تھیں اور آخر وقت تک آپ کے اور ان کے درمیان کم از کم چہرے اور ہاتھوں کی حد تک کوئی پردہ نہ تھا۔ حجتہ الوداع نبی ﷺ کی وفات سے صرف چند مہینے پہلے کا واقعہ ہے اور اس وقت بھی یہی حالت قائم تھی۔ (ملاحظہ ہو ابو داؤد، کتاب الحج، باب المحرم یُؤدِّبُ غلامَہٗ)

اسی طرح حضرت امّ ہانی رضی اللہ عنہا جو ابو طالب کی صاحبزادی اور نبی ﷺ کی چچازاد بہن تھیں، آخر وقت تک حضور ﷺ کے سامنے ہوتی رہیں اور کم از کم منہ اور چہرے کا پردہ انھوں نے آپ ﷺ سے کبھی نہیں کیا۔ فتح مکہ کے موقع کا ایک واقعہ وہ خود بیان کرتی ہیں جس سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ابو داؤد، کتاب الصوم، باب فی النیہ فی الصوم والرخصہ فیہ)

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عباس اپنے بیٹے فضل کو اور ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب (نبی ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی) اپنے بیٹے عبدالمطلب کو نبی ﷺ کے ہاں یہ کہہ کر بھیجتے ہیں کہ اب تم لوگ جوان ہو گئے ہو، تمھیں جب تک روزگار نہ ملے تمھاری شادیاں نہیں ہو سکتیں، لہٰذا تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر نوکری کی درخواست کرو۔ یہ دونوں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فضل کی حقیقی پھوپھی زاد بہن ہیں اور عبدالمطلب بن ربیعہ کے والد سے بھی ان کا وہی رشتہ ہے جو فضل سے۔ لیکن وہ ان دونوں کے سامنے نہیں ہوتیں اور حضور کی موجودگی میں ان کے ساتھ پردے کے پیچھے سے بات کرتی ہیں۔ (ابو داؤد، کتاب الخراج)

ان دونوں قسم کے واقعات کو ملا کر دیکھا جائے تو مسئلے کی صورت وہی کچھ سمجھ میں آتی ہے جو اوپر ہم بیان کر آئے ہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جہاں رشتے میں شبہ پڑ جائے وہاں محرم رشتہ دار سے بھی احتیاطاً پردہ کرنا چاہیے۔ بخاری و مسلم اور ابوداؤد میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کا ایک بھائی لونڈی زادہ تھا (یعنی ان کے باپ کی لونڈی کے بطن سے تھا) اس کے متعلق حضرت سعد بن ابی وقاص کو

Marfat.com

ان کے بھائی عتبہ نے وصیت کی کہ اس لڑکے کو اپنا بھتیجا سمجھ کر اس کی سرپرستی کرنا کیونکہ وہ دراصل میرے نطفے سے ہے۔ یہ مقدمہ نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے حضرت سعد کا دعویٰ یہ کہہ کر خارج کر دیا کہ بیٹا! اس کا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا، رہا زانی تو اس کے حصے میں کنکر پتھر۔ لیکن ساتھ ہی آپ نے حضرت سودہ سے فرمایا کہ اس لڑکے سے پردہ کرنا (احتجبی منه) کیونکہ یہ اطمینان نہ رہا تھا کہ وہ واقعی ان کا بھائی ہے۔ (تفہیم القرآن جلد سوم، صفحہ ۳۸۸-۳۸۹)

ان کی عورتیں

قرآن مجید نے جہاں مردوں کی مختلف اقسام (رشتے) بیان کر کے ان سے پردہ نہ کرنے کی اجازت دی ہے وہیں یہ بھی کہا ہے کہ ''اپنی عورتوں'' سے بھی خواتین پردہ نہ کریں۔ ان عورتوں سے کیا تمام عورتیں مراد ہیں یا خاص قسم کی بیبیاں؟ اس کا جواب سنت مطہرہ کے حوالوں سے سید مودودی رحمہ اللہ یوں دیتے ہیں:

''اصل میں لفظ نسائھن استعمال ہوا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے ''ان کی عورتیں۔'' اس سے کون عورتیں مراد ہیں، یہ بحث تو بعد کی ہے۔ سب سے پہلے جو بات قابل غور اور قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ محض ''عورتوں'' (النساء) کا لفظ استعمال نہیں کیا جس سے مسلمان عورت کے لیے تمام عورتوں اور ہر قسم کی عورتوں کے سامنے بے پردہ ہونا اور اظہار زینت کرنا جائز ہو جاتا بلکہ نسائھن کہہ کر عورتوں کے ساتھ اس کی آزادی کو بہر حال ایک خاص دائرے تک محدود کر دیا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ دائرہ کوئی سا ہو۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ کون سا دائرہ ہے اور وہ کون عورتیں ہیں جن پر لفظ نسائھن کا اطلاق ہوتا ہے، اس میں فقہا اور مفسرین کے اقوال مختلف ہیں:

پہلی رائے

ایک گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں۔ غیر مسلم عورتیں خواہ وہ ذمی ہوں یا کسی اور قسم کی، ان سے مسلمان عورتوں کو اسی طرح پردہ کرنا چاہیے جس طرح مردوں سے کیا جاتا ہے۔ ابن عباس، مجاہد اور ابن جریج کی یہی رائے ہے، اور یہ لوگ اپنی تائید میں یہ واقعہ بھی

Marfat.com

پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ کو لکھا ''میں نے سنا ہے مسلمانوں کی بعض عورتیں غیر مسلم عورتوں کے ساتھ حماموں میں جانے لگی ہیں۔ حالانکہ جو عورت اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس کے جسم پر اس کے اہل ملت کے سوا کسی اور کی نظر پڑے۔ یہ خط جب حضرت ابوعبیدہ کو ملا تو وہ ایک دم گھبرا کے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ''خدایا جو مسلمان عورت محض گوری ہونے کے لیے ان حماموں میں جائے، اس کا منہ آخرت میں کالا ہو جائے۔'' (ابن جریر، بیہقی، ابن کثیر)

دوسری رائے

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد تمام عورتیں ہیں۔ امام رازی کے نزدیک یہی صحیح مذہب ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر فی الواقع اللہ تعالیٰ کا منشا بھی یہی تھا تو پھر نسائھن کہنے کا کیا مطلب؟ اس صورت میں تو محض النساء کہنا چاہیے تھا۔

تیسری رائے

تیسری رائے یہ ہے اور یہی معقول بھی ہے اور قرآن کے الفاظ سے قریب تر بھی کہ اس سے دراصل ان کے میل جول کی عورتیں، ان کی جانی بوجھی عورتیں، ان سے تعلقات رکھنے والی اور ان کے کام کاج میں حصہ لینے والی عورتیں مراد ہیں، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ اور مقصود ان عورتوں کو اس دائرے سے خارج کرنا ہے جو یا تو اجنبی ہوں کہ ان کے اخلاق وتہذیب کا حال معلوم نہ ہو یا جن کے ظاہری حالات مشتبہ ہوں اور ان پر اعتماد نہ کیا جا سکے۔ اس رائے کی تائید ان صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس ذمی عورتوں کی حاضری کا ذکر آتا ہے۔ اس معاملے میں اصل چیز جس کا لحاظ کیا جائے گا وہ مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اخلاقی حالت ہے۔ شریف، باحیا اور نیک اطوار عورتیں جو معروف اور قابل اعتماد خاندانوں سے تعلق رکھنے والی ہوں، ان سے مسلمان عورتیں پوری طرح بے تکلف ہو سکتی ہیں، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن بے حیا، آبرو باختہ اور بد اطوار عورتیں، خواہ ''مسلمان'' ہی کیوں نہ ہوں، ہر

Marfat.com

شریف عورت کو ان سے پردہ کرنا چاہیے کیونکہ اخلاق کے لیے ان کی صحبت غیر مردوں کی صحبت سے کچھ کم تباہ کن نہیں ہے۔ رہیں ان جانی عورتیں، جن کی حالت معلوم نہیں ہے تو ان سے ملاقات کی حد ہمارے نزدیک وہی ہے جو غیر محرم رشتہ داروں کے سامنے آزادی کی زیادہ سے زیادہ حد ہو سکتی ہے، یعنی یہ کہ عورت صرف منہ اور ہاتھ ان کے سامنے کھولے، باقی اپنا سارا جسم اور آرائش چھپا کر رکھے۔" (ایضاً صفحہ ۳۸۹-۳۹۰)

ما ملکت سے مراد

ما ملکت کا لغوی معنی مملوک ہے خواہ وہ غلام ہوں یا کنیزیں۔ یہاں خواتین کے لیے پردے کے احکام میں اس سے کیا مراد لیا جائے۔ اس بارے میں حضرات فقہائے کرام اور ائمہ عظام کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ سید مودودی رحمہ اللہ اس ضمن میں مختلف فقہا کے مسالک پر مندرجہ ذیل سطور میں روشنی ڈالتے ہیں:

"اس حکم کا مطلب سمجھنے میں بھی فقہا کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایک گروہ اس سے مراد صرف وہ لونڈیاں لیتا ہے جو کسی عورت کی ملک میں ہوں۔ ان حضرات کے نزدیک ارشاد الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی خواہ مشرکہ ہو یا اہل کتاب میں سے، مسلمان مالکہ اس کے سامنے تو اظہار زینت کر سکتی ہے مگر غلام چاہے وہ عورت کا اپنا مملوک ہی کیوں نہ ہو، پردے کے معاملہ میں اس کی حیثیت وہی ہے جو کسی آزاد اجنبی مرد کی ہے۔ یہ عبداللہ بن مسعود، مجاہد، حسن بصری، ابن سیرین، سعید بن مسیّب، طاؤس اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور ایک قول امام شافعی کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ ان بزرگوں کا استدلال یہ ہے کہ غلام کے لیے اس کی مالکہ محرم نہیں ہے۔ اگر وہ آزاد ہو جائے تو اپنی اسی سابق مالکہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ لہٰذا محض غلامی اس امر کا سبب نہیں بن سکتی کہ عورت اس کے سامنے وہ آزادی برتے جس کی اجازت محرم مردوں کے سامنے برتنے کے لیے دی گئی ہے۔ رہا یہ سوال کہ ما ملکت ایمانھن کے الفاظ عام ہیں، جو لونڈی اور غلام دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، پھر اسے لونڈیوں کے لیے خاص کرنے کی کیا دلیل ہے؟

Marfat.com

اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر موقع و محل ان کا مفہوم لونڈیوں کے لیے خاص کر رہا ہے۔ پہلے نسائھن فرمایا، پھر ما ملکت ایمانھن ارشاد ہوا۔ نسائھن کے الفاظ سن کر عام آدمی یہ سمجھ سکتا تھا کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو کسی عورت کی ملنے جلنے والی یا رشتہ دار ہوں۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی کہ شاید لونڈیاں اس میں شامل نہ ہوں۔ اس لیے ماملکت ایمانھن کہہ کر یہ بات صاف کردی گئی کہ آزاد عورتوں کی طرح لونڈیوں کے سامنے بھی اظہار زینت کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس اجازت میں لونڈی اور غلام دونوں شامل ہیں۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض ائمہ اہل بیت کا مذہب ہے اور امام شافعی کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ ان کا استدلال صرف لفظ ما ملکت ایمانھن کے عموم ہی سے نہیں ہے بلکہ وہ سنت سے بھی اپنی تائید میں شواہد پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ واقعہ کہ نبی ﷺ ایک غلام عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری کو لیے ہوئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت ایک ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھیں جس سے سر ڈھانکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔ نبی ﷺ نے ان کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا: لیس علیک باس انما ھو ابوک و غلامک ''کوئی حرج نہیں، یہاں بس تمھارا باپ ہے اور تمھارا غلام۔'' (ابوداؤد، احمد، بیہقی، بروایت انس بن مالک)

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ غلام نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا، انھوں نے اسے پرورش کیا اور پھر آزاد کردیا، مگر اس احسان کا بدلہ جو اس نے دیا وہ یہ تھا کہ جنگ صفین کے زمانے میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بدترین دشمن اور امیر معاویہ کا پرجوش حامی تھا۔ اسی طرح وہ نبی ﷺ کے اس ارشاد سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اذا کان لا حدا کن مکاتب و کان لہ ما یودی فلتحتجب منہ ''جب تم میں سے کوئی اپنے غلام سے مکاتبت کرے اور وہ مال کتابت ادا کرنے کی مقدرت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ ایسے غلام سے پردہ

Marfat.com

کرے۔"(ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ بروایت ام سلمہ)(ایضاً صفحہ ۳۹۰-۳۹۱)

زیردست مرد

التابعین غیر اولی الاربہ سے مراد حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس کے حوالے سے مغفل اور بدحواس قسم کے لوگ لیے ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت اور دلچسپی نہ ہو۔ ابن کثیر اور ابن عطیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اس کی تشریح میں مختلف ائمہ تفسیر کے جو اقوال نقل کیے ہیں وہ ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

"اصل میں التابعین غیر اولی الاربة من الرجال کے الفاظ ہیں جن کا لفظی ترجمہ ہو گا: "مردوں میں سے وہ مرد جو تابع ہوں خواہش نہ رکھنے والے۔" ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محرم مردوں کے سوا دوسرے کسی مرد کے سامنے ایک مسلمان عورت صرف اس صورت میں اظہار زینت کر سکتی ہے جبکہ اس میں دو صفات پائی جاتی ہوں، ایک یہ کہ وہ تابع یعنی زیردست اور ماتحت ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ خواہش نہ رکھنے والا ہو، یعنی اپنی عمر یا جسمانی عدم اہلیت یا عقلی کمزوری یا فقر و مسکنت یا زیردستی و محکومی کی بنا پر جس میں یہ طاقت یا جرأت نہ ہو کہ صاحب خانہ کی بیوی، بیٹی، بہن یا ماں کے متعلق کوئی بری نیت دل میں لا سکے۔ اس حکم کو جو شخص بھی فرمانبرداری کی نیت سے، نہ کہ نافرمانی کی گنجائشیں ڈھونڈنے کی نیت سے پڑھے گا وہ اول نظر ہی میں محسوس کر لے گا کہ آج کل کے بیرے، خانسامے، شوفر اور دوسرے جوان جوان نوکر تو بہرحال اس تعریف میں نہیں آتے۔ مفسرین اور فقہا نے اس کی جو تشریحات کی ہیں، ان پر ایک نظر ڈال لینے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل علم ان الفاظ کا کیا مطلب سمجھتے رہے ہیں:

ابن عباس: اس سے مراد وہ سیدھا سادھا بدھو (مغفل) آدمی ہے جو عورتوں سے دلچسپی نہ رکھتا ہو۔

قتادہ: ایسا دست نگر آدمی جو پیٹ کی روٹی پانے کے لیے تمھارے ساتھ لگا رہے۔

مجاہد: ابلہ جو روٹی چاہتا ہے اور عورتوں کا طالب نہیں ہے۔

Marfat.com

شعبی: وہ جو صاحب خانہ کا تابع و دست نگر ہو اور جس کی اتنی ہمت ہی نہ ہو کہ عورتوں پر نگاہ ڈال سکے۔

ابن زید: وہ جو کسی خاندان کے ساتھ لگا رہے، حتیٰ کہ گویا اسی گھر کا ایک فرد بن گیا ہو اور اسی گھر میں پلا بڑھا ہو۔ جو گھر والوں کی عورتوں پر نگاہ نہ رکھتا ہو، نہ اس کی ہمت ہی کر سکتا ہو۔ وہ ان کے ساتھ اس لیے لگا رہتا ہو کہ ان سے اس کو روٹی ملتی ہے۔

طاؤس اور زہری: بے وقوف آدمی جس میں نہ عورتوں کی طرف رغبت ہو اور نہ اس کی ہمت۔ (ابن جریر، ج ۱۸، ص ۹۵-۹۶ ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۸۵)

ان تشریحات سے بھی زیادہ واضح تشریح وہ واقعہ ہے جو نبی ﷺ کے زمانے میں پیش آیا تھا اور جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور احمد وغیرہ محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ مدینہ طیبہ میں ایک مخنث تھا جسے ازواج مطہرات اور دوسری خواتین غیر اولی الاربہ میں شمار کر کے اپنے ہاں آنے دیتی تھیں۔ ایک روز جب نبی ﷺ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ سے باتیں کرتے سن لیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کل اگر طائف فتح ہو جائے تو غیلان ثقفی کی بیٹی بادیہ کو حاصل کیے بغیر نہ رہنا۔ پھر اس نے بادیہ کے حسن اور اس کے جسم کی تعریف کرنی شروع کی اور اس کے پوشیدہ اعضا تک کی صفت بیان کر ڈالی۔ نبی ﷺ نے یہ باتیں سنیں تو فرمایا: ''خدا کے دشمن، تو نے تو اس میں نظریں گاڑ دیں۔'' پھر آپ نے حکم دیا کہ اس سے پردہ کرو، آیندہ یہ گھروں میں نہ آنے پائے۔ اس کے بعد آپ نے اسے مدینے سے باہر نکال دیا اور دوسرے مخنثوں کو بھی گھروں میں گھسنے سے منع فرما دیا، کیونکہ ان کو مخنث سمجھ کر عورتیں ان سے احتیاط نہ کرتی تھیں اور وہ ایک گھر کی عورتوں کا حال دوسرے مردوں سے بیان کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اولی الاربہ ہونے کے لیے صرف یہ بات کافی نہیں ہے کہ ایک شخص جسمانی طور پر بدکاری کے لائق نہیں ہے۔ اگر اس میں دبی ہوئی صنفی

Marfat.com

خواہشات موجود ہیں اور وہ عورتوں سے دلچسپی رکھتا ہے تو بہر حال وہ بہت سے فتنوں کا موجب بن سکتا ہے۔'' (ایضاً صفحہ ۳۹۱-۳۹۳)

نابالغ بچے

نابالغ بچوں سے بھی پردہ نہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو مخصوص معاملات کے لحاظ سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہ کرتے ہوں۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''یعنی جن میں ابھی صنفی احساسات بیدار نہ ہوئے ہوں۔ یہ تعریف زیادہ سے زیادہ دس بارہ برس کی عمر تک کے لڑکوں پر صادق آسکتی ہے۔ اس سے زیادہ عمر کے لڑکے اگرچہ نابالغ ہوں مگر ان میں صنفی احساسات بیدار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔'' (ایضاً صفحہ ۳۹۳)

اظہار زینت

قرآن میں اظہار زینت سے منع کیا گیا ہے اس کی تفسیر مولانا مودودی رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو صرف زیوروں کی جھنکار تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ اس سے یہ اصول اخذ فرمایا ہے کہ نگاہ کے سوا دوسرے حواس کو مشتعل کرنے والی چیزیں بھی اس مقصد کے خلاف ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اظہار زینت سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حکم دیا کہ خوشبو لگا کر باہر نہ نکلیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تمنعوا اماء الله مساجد الله ولكن ليخرجن وهن تفلات ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو، مگر وہ خوشبو لگا کر نہ آئیں۔'' (ابو داؤد، احمد)

اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک عورت مسجد سے نکل کر جا رہی تھی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے گزرے اور انھوں نے محسوس کیا کہ وہ خوشبو لگائے ہوئے

Marfat.com

ہے۔ انھوں نے اسے روک کر پوچھا: ''اے خدائے جبار کی بندی، کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟'' اس نے کہا ہاں! بولے'' میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو عورت مسجد میں خوشبو لگا کر آئے اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک وہ گھر جا کر غسل جنابت نہ کر لے۔'' (ابو داؤد، ابن ماجه، احمد، نسائی)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **اذا استعطرت المراة فمرت علی القوم لیجدوا ریحها فهی کذا و کذا قال قولا شدیدا** ''جو عورت عطر لگا کر راستے سے گزرے تاکہ لوگ اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوں تو وہ ایسی اور ایسی ہے، آپ نے اس کے لیے بڑے سخت الفاظ فرمائے۔'' (ترمذی، ابو داؤد، نسائی) آپ کی ہدایت یہ تھی کہ عورتوں کو وہ خوشبو استعمال کرنی چاہیے جس کا رنگ تیز ہو اور بو ہلکی ہو۔ (ابو داؤد)

آواز کا پردہ؟

اسی طرح آپ نے اس بات کو بھی ناپسند فرمایا کہ عورتیں بلاضرورت اپنی آواز مردوں کو سنائیں۔ ضرورت پڑنے پر بات کرنے کی اجازت تو خود قرآن میں دی گئی ہے اور لوگوں کو دینی مسائل خود نبی ﷺ کی ازواج مطہرات بتایا کرتی تھیں لیکن جہاں اس کی نہ ضرورت ہو اور نہ کوئی دینی یا اخلاقی فائدہ، وہاں اس بات کو پسند نہیں کیا گیا ہے کہ عورتیں اپنی آواز غیر مردوں کو سنائیں۔ چنانچہ نماز میں اگر امام بھول جائے تو مردوں کو حکم ہے کہ سبحان اللہ کہیں، مگر عورتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر امام کو متنبہ کریں۔ **التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔** (بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجه) (ایضاً)

توبہ کا حکم

اہل ایمان کو توبہ کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی ان لغزشوں اور غلطیوں سے توبہ کرو جو اس معاملے میں اب تک کرتے رہے ہو اور آیندہ کے لیے اپنے طرز عمل کی اصلاح ان ہدایات کے مطابق کرو جو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہیں۔

Marfat.com

دیگر اصلاحات

اوپر بیان کی گئی اصلاحات اور آداب کے علاوہ بعض دیگر اصلاحات خود آنحضور ﷺ نے اپنے معاشرے کے لیے تجویز اور نافذ فرمائیں۔ ان کی پابندی سے معاشرہ بے شمار الجھنوں سے محفوظ ہوسکتا ہے۔ نابغہ عصر سید مودودی رحمہ اللہ اس موضوع پر سنت رسول ﷺ کی ترجمانی یوں فرماتے ہیں:

''اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دوسری اصلاحات کا بھی ایک خلاصہ دے دیا جائے جو ان احکام کے نزول کے بعد قرآن کی روح کے مطابق نبی ﷺ نے اسلامی معاشرے میں رائج فرمائیں:

غیر محرم مرد اور عورت کی خلوت ممنوع ہے

(۱) آپ ﷺ نے محرم رشتہ داروں کی غیر موجودگی میں دوسرے لوگوں کو (خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں) کسی عورت سے تنہا ملنے اور اس کے پاس تنہا بیٹھنے سے منع فرما دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم** ''جن عورتوں کے شوہر باہر گئے ہوئے ہوں ان کے پاس نہ جاؤ کیونکہ شیطان تم میں سے ایک شخص کے اندر خون کی طرح گردش کر رہا ہے۔ (ترمذی)۔

انھی حضرت جابر کی دوسری روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلایخلون بامراۃ لیس معھا ذو محرم منھا فان ثالثھما الشیطان** ''جو شخص اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ کبھی کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے جب تک کہ اس کے ساتھ اس عورت کا کوئی محرم نہ ہو کیونکہ تیسرا اس وقت شیطان ہوتا ہے۔'' (احمد)

قریب قریب اسی مضمون کی ایک اور روایت امام احمد نے عامر بن ربیعہ سے نقل کی ہے۔ اس معاملے میں حضور ﷺ کی اپنی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ رات کے وقت آپ حضرت صفیہ کے ساتھ ان کے مکان کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں دو انصاری پاس سے گزرے۔

Marfat.com

آپ نے ان کو روک کر ان سے فرمایا۔ یہ میرے ساتھ میری بیوی صفیہ ہیں۔ انھوں نے عرض کیا سبحان اللہ، یا رسول اللہ، بھلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہوسکتی ہے؟ فرمایا شیطان آدمی کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہیں وہ تمھارے دل میں کوئی برا گمان نہ ڈال دے۔ (ابو داؤد، کتاب الصوم)

صنف مخالف کو چھونا منع ہے

(۲) آپ ﷺ نے اس کو بھی جائز نہیں رکھا کہ کسی مرد کا ہاتھ کسی غیر محرم عورت کے جسم پر لگے۔ چنانچہ آپ مردوں سے بیعت تو ہاتھ میں ہاتھ لے کر کرتے تھے لیکن عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ آپ ﷺ نے کبھی اختیار نہیں فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ''نبی ﷺ کا ہاتھ کبھی کسی غیر عورت کے جسم کو نہیں لگا۔ آپ عورت سے صرف زبانی عہد لیتے تھے اور جب وہ عہد کر چکتی تھی تو فرماتے، جاؤ بس تمھاری بیعت ہوگئی۔'' (ابو داؤد، کتاب الخراج)

محرم کے بغیر عورت کے سفر کا مسئلہ

(۳) آپ ﷺ نے عورت کو محرم کے بغیر تنہا یا غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرما دیا۔ بخاری و مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے خطبے میں فرمایا: لا یخلون رجل بامراۃ الا ومعھا ذو محرم ولا تسافر المراۃ الا مع ذی محرم، ''کوئی مرد کسی عورت سے خلوت میں نہ ملے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو اور کوئی عورت سفر نہ کرے جب تک کہ اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ نہ ہو۔'' ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا کہ میری بیوی حج کو جا رہی ہے اور میرا نام فلاں مہم پر جانے والوں میں لکھا جا چکا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: فانطلق فحج مع امراتک ''اچھا تو تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کو چلے جاؤ۔'' اس مضمون کی متعدد احادیث ابن عمر، ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے معتبر کتب حدیث میں مروی ہیں جن میں صرف مدت سفر یا مسافت سفر کے اعتبار سے اختلاف بیان ہے، مگر اس امر میں اتفاق ہے کہ کسی مومن عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کو مانتی ہو، محرم کے بغیر سفر کرنا حلال نہیں ہے۔

Marfat.com

ان میں سے کسی حدیث میں ۱۲ میل یا اس سے زیادہ کے سفر پر پابندی کا ذکر ہے کسی میں ایک دن، کسی میں ایک شب و روز، کسی میں دو دن اور کسی میں تین دن کی حد بتائی گئی ہے لیکن یہ اختلاف ان احادیث کو نہ تو ساقط الاعتبار بنا دیتا ہے اور نہ اس کی وجہ سے یہی ضروری ہے کہ ہم ان میں سے کسی ایک روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دے کر اس حد کو قانونی مقدار قرار دینے کی کوشش کریں جو اس روایت میں بیان ہوئی ہو۔ اس لیے کہ اس اختلاف کی یہ معقول وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے کہ مختلف مواقع پر جیسی صورت معاملہ حضور کے سامنے پیش ہوئی ہو۔ اسی کے لحاظ سے آپ نے حکم بیان فرمایا ہو۔ مثلاً کوئی عورت تین دن کی مسافت پر جا رہی ہو اور آپ نے اسے محرم کے بغیر جانے سے منع فرمایا ہو اور کوئی ایک دن کی مسافت پر جا رہی ہو اور آپ نے اسے بھی روک دیا ہو۔ اس میں مختلف سائلوں کے الگ الگ حالات اور ہر ایک کو آپ کے مختلف جوابات اصل چیز نہیں ہیں، بلکہ اصل چیز وہ قاعدہ ہے جو اوپر ابن عباسؓ والی روایت میں ارشاد ہوا ہے یعنی سفر، جسے عرف عام میں سفر کہا جاتا ہے، محرم کے بغیر کسی عورت کو نہ کرنا چاہیے۔

مخلوط مجالس کی ممانعت

(۴) آپ ﷺ نے عورتوں اور مردوں کے اختلاط کو روکنے کی عملاً بھی کوشش فرمائی اور قولاً بھی اس سے منع فرمایا۔ اسلامی زندگی میں جمعہ اور جماعت کی جو اہمیت ہے، کسی صاحب علم سے پوشیدہ نہیں۔ جمعہ کو اللہ نے خود فرض کیا ہے اور نماز با جماعت کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا عذر مسجد میں حاضر نہ ہو اور اپنے گھر میں نماز پڑھے تو نبی ﷺ کے قول کے مطابق اس کی نماز مقبول ہی نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی، حاکم، بروایت ابن عباس) لیکن نبی ﷺ نے عورتوں کو جمعہ کی فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیا۔ (ابو داؤد بروایت ام عطیہ، دارقطنی و بیہقی بروایت جابر، ابوداؤد و حاکم بروایت طارق بن شہاب) اور نماز با جماعت میں عورتوں کی شرکت نہ صرف یہ کہ لازم نہیں رکھی بلکہ اس کی اجازت ان الفاظ میں دی کہ اگر وہ آنا چاہیں تو انھیں روکو نہیں پھر اس کے ساتھ یہ تصریح بھی فرما دی کہ ان کے لیے گھر کی

Marfat.com

نماز مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو۔'' (ابوداؤد) دوسری روایات ابن عمر سے ان الفاظ اوران سے ملتے جلتے الفاظ میں ہیں۔ ائذنوا للنساء الی المساجد باللیل ''عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں آنے کی اجازت دو۔'' (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابو داؤد) اور ایک روایت ان الفاظ میں ہے لا تمنعوا نساء کم المساجد و بیوتھن خیر لھن ''اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روکو نہیں، اگر چہ ان کے گھران کے لیے زیادہ بہتر ہیں۔'' (احمد، ابو داؤد) ام حمید ساعدیہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بڑا شوق ہے۔ فرمایا ''تمھارا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں پڑھنے سے بہتر ہے اور تمھارا اپنے گھر میں نماز پڑھنا اپنے محلے کی مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے اور تمھارا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا جامع مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے۔'' (احمد، طبرانی) قریب قریب اسی مضمون کی روایت ابوداؤد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں نبی ﷺ کے الفاظ یہ ہیں خیر مساجد النساء قعر بیوتھن ''عورتوں کے لیے بہترین مسجدان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔'' (احمد، طبرانی) لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دور بنی امیہ کی حالت دیکھ کر فرماتی ہیں ''اگر نبی ﷺ عورتوں کے یہ رنگ ڈھنگ دیکھتے جواب ہیں تو ان کا مسجدوں میں آنا اسی طرح بند فرمادیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کا آنا بند کیا گیا تھا۔'' (بخاری، مسلم، ابو داؤد) مسجد نبوی میں حضور ﷺ نے عورتوں کے داخل ہونے کے لیے ایک الگ دروازہ مخصوص کر دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور حکومت میں مردوں کو اس دروازے سے آنے جانے کی سخت ممانعت فرماتے تھے۔ (ابو داؤد، باب اعتزال النساء فی المساجد اور باب ما جاء فی خروج النساء الی المساجد) جماعت میں عورتوں کی صفیں مردوں سے پیچھے رکھی جاتی تھیں اور نماز کے خاتمے پر حضور ﷺ سلام پھیرنے کے بعد کچھ دیر توقف فرماتے تھے تا کہ مردوں کے

Marfat.com

اٹھنے سے پہلے عورتیں اٹھ کر چلی جائیں۔(احمد و بخاری بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا) آپ کا ارشاد تھا کہ مردوں کی بہترین صف سب سے آگے کی صف ہے اور بدترین صف سب سے پیچھے (یعنی عورتوں سے قریب) کی صف اور عورتوں کی بہترین صف سب سے پیچھے کی صف ہے اور بدترین صف سب سے آگے کی (یعنی مردوں سے قریب کی) صف ہے۔"(مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد) عیدین کی نماز میں عورتیں شریک ہوتی تھیں مگر ان کی جگہ مردوں سے الگ تھی اور نبی ﷺ خطبے کے بعد عورتوں کی طرف جا کر ان کو الگ خطاب فرماتے تھے۔(ابو داؤد بروایت جابر بن عبداللہ۔ بخاری و مسلم بروایت ابن عباس) ایک مرتبہ مسجد نبوی کے باہر آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ راستے میں مرد اور عورت سب گڈمڈ ہو گئے ہیں۔اس پر آپ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا: استاخرن فانه ليس لكن ان تحتضن الطريق، عليكن بحافات الطريق "ٹھیر جاؤ تمھارے لیے سڑک کے بیچ میں چلنا درست نہیں ہے، کنارے پر چلو۔" یہ ارشاد سنتے ہی عورتیں کنارے ہو کر دیواروں کے ساتھ ساتھ چلنے لگیں (ابوداؤد) ان احکام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط مجلس اسلام کے مزاج سے کیسی سخت مغایرت رکھتی ہے۔ جو دین خدا کے گھر میں عبادت کے موقع پر بھی دونوں صنفوں کو خلط ملط نہیں ہونے دیتا اس کے متعلق کون تصور کر سکتا ہے کہ وہ کالجوں میں، دفتروں میں، کلبوں اور جلسوں میں اسی اختلاط کو جائز رکھے گا۔

بناؤ سنگھار کی حدود

(۵) عورتوں کو اعتدال کے ساتھ بناؤ سنگھار کرنے کی آپ نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ بسا اوقات خود اس کی ہدایت فرمائی ہے، مگر اس میں حد سے گزر جانے کو بڑی سختی کے ساتھ روکا ہے۔اس زمانے میں جس قسم کے بناؤ سنگھار عرب کی عورتوں میں رائج تھے ان میں سے حسب ذیل چیزوں کو آپ نے قابل لعنت اور سبب ہلاکت اقوام قرار دیا۔اپنے بالوں میں دوسرے بال ملا کر ان کو زیادہ لمبا اور گھنا دکھانے کی کوشش کرنا۔جسم کے مختلف حصوں کو گودنا اور مصنوعی تل لگانا۔

Marfat.com

بال اکھاڑ اکھاڑ کر بھویں خاص وضع کی بنانا اور روئیں نوچ نوچ کر منہ صاف کرنا۔ دانتوں کو گھس گھس کر باریک بنانا یا دانتوں کے درمیان مصنوعی چھنیاں پیدا کرنا۔ زعفران یا وَرس وغیرہ کے مصنوعی ابٹنے مل کر چہرے پر مصنوعی رنگ پیدا کرنا۔ یہ احکام صحاح ستہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہؓ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور امیر معاویہؓ سے معتبر سندوں کے ساتھ مروی ہیں۔

تاویلات سے اجتناب

اللہ اور رسول ﷺ کی ان صاف صاف ہدایات کو دیکھ لینے کے بعد ایک مومن انسان کے لیے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں۔ یا تو وہ ان کی پیروی کرے اور اپنی، اپنے گھر کی اور اپنے معاشرے کی زندگی کو ان اخلاقی فتنوں سے پاک کردے جن کے سدباب کے لیے اللہ نے قرآن میں اور اس کے رسول ﷺ نے سنت میں اس قدر تفصیلی احکام دیے ہیں یا پھر اگر وہ اپنے نفس کی کمزوری کے باعث ان کی یا ان میں سے کسی کی خلاف ورزی کرتا ہے تو کم از کم اسے گناہ سمجھتے ہوئے کرے اور اس کو گناہ مانے اور خواہ مخواہ کی تاویلوں سے گناہ کو ثواب بنانے کی کوشش نہ کرے۔ ان دونوں صورتوں کو چھوڑ کر جو لوگ قرآن و سنت کے صریح احکام کے خلاف مغربی معاشرت کے طور طریقے اختیار کرلینے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پھر انھی کو عین اسلام ثابت کرنے کی کوشش شروع کردیتے ہیں اور علانیہ دعوے کرتے پھرتے ہیں کہ اسلام میں سرے سے پردے کا حکم موجود ہی نہیں ہے، وہ گناہ اور نافرمانی پر جہالت اور منافقانہ ڈھٹائی کا اور اضافہ کرلیتے ہیں جس کی قدر نہ دنیا میں کوئی شریف آدمی کرسکتا ہے نہ آخرت میں خدا سے اس کی امید کی جاسکتی ہے۔ لیکن مسلمانوں میں تو منافقوں سے بھی چار قدم آگے بڑھ کر ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو خدا اور رسول کے ان احکام کو غلط اور ان طریقوں کو صحیح و برحق سمجھتے ہیں جو انھوں نے غیر مسلم قوموں سے سیکھے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت مسلمان نہیں ہیں کیونکہ اس کے بعد بھی اگر وہ مسلمان ہوں تو پھر اسلام اور کفر کے الفاظ قطعاً بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے نام بدل دیتے اور علانیہ اسلام

Marfat.com

سے نکل جاتے تو کم از کم ان کی اخلاقی جرأت کا اعتراف کرتے۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ یہ خیالات رکھتے ہوئے بھی وہ مسلمان بنے پھرتے ہیں۔ انسانیت کی اس سے زیادہ ذلیل قسم غالباً دنیا میں اور کوئی نہیں پائی جاتی۔ اس سیرت و اخلاق کے لوگوں سے کوئی جعل سازی، کوئی فریب، کوئی دغا بازی اور کوئی خیانت بھی خلاف توقع نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن جلد سوم، صفحہ ۳۹۴-۳۹۷)

Marfat.com

نکاح مسلم معاشرے کا قلعہ

نکاح مرد اور عورت کے درمیان جائز اور حلال تعلقات قائم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے بغیر جو بھی تعلقات ہوئے وہ ناجائز اور حرام ہوں گے۔ قران پاک میں نکاح کو حصن قرار دیا ہے۔ حصن کا معنی عربی زبان میں قلعہ ہے۔ قلعہ حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ جو خاتون اسلامی طریقے کے مطابق مسلمان مرد کے نکاح میں آجاتی ہے اسے مُحصَنہ کہا گیا ہے، گویا وہ قلعہ میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس قلعہ میں شیطانی حملوں کا توڑ اور شیطانی قوتوں کی پسپائی کا سامان ہے۔ مرد جو شادی کرتا ہے اور نکاح کے بندھن میں اپنے آپ کو دیتا ہے اسے مُحصِن قرار دیا گیا ہے، یعنی قلعہ تعمیر کرنے والا۔

نکاح کی ترغیب

قرآن مجید میں نکاح کی ترغیب بصیغہ امر دی گئی ہے۔ نکاح کو قرآن اور حدیث نے قلعہ ن قرار دیا ہے۔ نکاح کے بغیر انسان (مرد ہو یا عورت) غیر محفوظ ہوتا ہے اور خرابیوں میں مبتلا ہونے کا زیادہ خدشہ موجود رہتا ہے۔ اگر عملاً وہ گناہ میں مبتلا نہ بھی ہو تو بھی فکری انتشار اور خرابی میں پڑ جانے کا بہت زیادہ احتمال پایا جاتا ہے۔ قرآن کا حکم ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ (النور ۲۴: ۳۲-۳۳)

”تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمھارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں، ان کے نکاح کر دو اور اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا، اللہ بڑی

Marfat.com

وسعت والا اور علیم ہے اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں انھیں چاہیے کہ عفت مآبی اختیار کریں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔''

ایامیٰ

مجرد ''ایامیٰ'' کا ترجمہ ہے۔ ایامیٰ سے کیا مراد ہے؟ سید مودودی رحمہ اللہ اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اصل میں لفظ ایامیٰ استعمال ہوا ہے جسے عام طور پر لوگ محض بیوہ عورتوں کے معنی میں لے لیتے ہیں حالانکہ دراصل اس کا اطلاق ایسے تمام مردوں اور عورتوں پر ہوتا ہے جو بے زوج ہوں۔ ایامیٰ جمع ہے ایم کی، اور ایم ہر اس مرد کو کہتے ہیں جس کی کوئی بیوی نہ ہو اور ہر اس عورت کو کہتے ہیں جس کا کوئی شوہر نہ ہو۔ اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ مجرد کیا ہے۔'' (ایضاً صفحہ ۳۹۷)

صالح

صالح ایک جامع اصطلاح ہے۔ یہاں لونڈیوں اور غلاموں کے نکاح کا تذکرہ ہے اور ان کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ صالح ہوں۔ لفظ صالح کا مفہوم صاحب تفہیم القرآن یوں متعین کرتے ہیں:

''یعنی جن کا رویہ تمھارے ساتھ بھی اچھا ہو اور جن میں تم یہ صلاحیت بھی پاؤ کہ وہ ازدواجی زندگی نباہ لیں گے۔ مالک کے ساتھ جس غلام یا لونڈی کا رویہ ٹھیک نہ ہو اور جس کے مزاج کو دیکھتے ہوئے یہ توقع بھی نہ ہو کہ شادی ہونے کے بعد اپنے شریک زندگی کے ساتھ اس کا نباہ ہو سکے گا، اس کا نکاح کر دینے کی ذمہ داری مالک پر نہیں ڈالی گئی ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ ایک دوسرے فرد کی زندگی کو خراب کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔ یہ شرط آزاد آدمیوں کے معاملے میں نہیں لگائی گئی، کیونکہ آزاد آدمی کے نکاح میں حصہ لینے والے کی ذمہ داری درحقیقت ایک مشیر، ایک معاون اور ایک ذریعہ تعارف سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اصل رشتہ ناکح اور منکوح

Marfat.com

کی اپنی ہی رضامندی سے ہوتا ہے۔ لیکن غلام یا لونڈی کا رشتہ کرنے کی پوری ذمہ داری اس کے مالک پر ہوتی ہے۔ وہ اگر جان بوجھ کر کسی غریب کو ایک بدمزاج اور بدسرشت آدمی کے ساتھ بندھوا دے تو اس کا سارا وبال اسی کے سر ہوگا۔'' (ایضاً)

کیا نکاح واجب ہے؟

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس پر مفید بحث کی ہے اور اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ بعض صورتوں میں یہ واجب ہو جاتا ہے جبکہ بعض صورتوں میں مسنون۔ بعض لوگوں کے احوال ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ نکاح نہ کریں تو بھی ان کے لیے جواز ہوتا ہے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے: معارف القرآن، ششم صفحہ ۴۰۹۔۔۴۱۳)

سید مودودی رحمہ اللہ نے اس موقع پر اپنی رائے یوں بیان کی ہے:

''بظاہر یہاں صیغہ امر دیکھ کر علماء کے ایک گروہ نے یہ خیال کر لیا کہ ایسا کرنا واجب ہے حالانکہ معاملے کی نوعیت خود بتا رہی ہے کہ یہ حکم وجوب کے معنی میں نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کا نکاح کر دینا دوسروں پر واجب کیسے ہو سکتا ہے۔ آخر کس کا کس سے نکاح کر دینا واجب ہو؟ اور بالفرض اگر واجب ہو بھی تو خود اس شخص کی کیا حیثیت رہی جس کا نکاح پیشِ نظر ہے؟ کیا دوسرے لوگ جہاں بھی اس کا نکاح کرنا چاہیں اسے قبول کر لینا چاہیے؟ اگر یہ اس پر فرض ہے تو گویا اس کے نکاح میں اس کی اپنی مرضی کا دخل نہیں اور اگر اسے انکار کا حق ہے تو جن پر یہ کام واجب ہے وہ آخر اپنے فرض سے کس طرح سبکدوش ہوں؟ انھی پہلوؤں کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر جمہور فقہا نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کام کو واجب نہیں بلکہ مندوب قرار دیتا ہے، یعنی اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو عام طور پر یہ فکر ہونی چاہیے کہ ان کے معاشرے میں لوگ بن بیاہے نہ بیٹھے رہیں۔ خاندان والے، دوست، ہمسائے سب اس معاملے میں دلچسپی لیں اور

Marfat.com

جس کا کوئی نہ ہو اس کو حکومت اس کام میں مدد دے۔'' (تفہیم القرآن جلد سوم، صفحہ ۳۹۸)

اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مفلس لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ مفتی محمد شفیع صاحب اس وعدے کو مشروط قرار دیتے ہیں کہ نکاح کرنے والے کی نیت عفت کی حفاظت اور سنت پر عمل ہو۔ یہ بہت صائب رائے ہے۔

سید مودودی رحمہ اللہ اس کی حکمت اور اس سے مستنبط ہونے والے معاشرتی آداب کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں:

''اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کا بھی نکاح ہو جائے گا اللہ اس کو مالدار بنا دے گا، بلکہ مدعا یہ ہے کہ لوگ اس معاملے میں بہت زیادہ حسابی بن کر نہ رہ جائیں۔ اس میں لڑکی والوں کے لیے بھی ہدایت ہے کہ نیک اور شریف آدمی اگر ان کے ہاں پیغام دے تو محض اس کی غربت دیکھ کر انکار نہ کر دیں۔ لڑکے والوں کو بھی تلقین ہے کہ کسی نوجوان کو محض اس لیے نہ بٹھا رکھیں کہ ابھی وہ بہت نہیں کما رہا ہے۔ اور نوجوانوں کو بھی نصیحت ہے کہ زیادہ کشایش کے انتظار میں اپنی شادی کے معاملے کو خواہ مخواہ نہ ٹالتے رہیں۔ تھوڑی آمدنی بھی ہو تو اللہ کے بھروسے پر شادی کر ڈالنی چاہیے۔ بسا اوقات خود شادی ہی آدمی کے حالات درست ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ بیوی کی مدد سے اخراجات قابو میں آ جاتے ہیں۔ ذمہ داریاں سر پر آ جانے کے بعد آدمی خود بھی پہلے سے زیادہ محنت اور کوشش کرنے لگتا ہے۔ بیوی معاش کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹا سکتی ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ مستقبل میں کس کے لیے کیا لکھا ہے، اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ اچھے حالات برے حالات میں بھی بدل سکتے ہیں اور برے حالات اچھے حالات میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آدمی کو ضرورت سے زیادہ حساب لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔'' (ایضاً)

Marfat.com

استعفاف

جو نکاح کی استطاعت اور موقع نہ پائیں انھیں عفت مآبی کی تلقین ربانی اوپر آپ کی نظر سے گزری ہے۔ اس کی تفسیر خود رسول رحمت ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف انداز میں فرمائی۔ سید مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ان آیات کی بہترین تفسیر وہ احادیث ہیں جو اس سلسلے میں نبی ﷺ سے مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: یا معشر الشباب، من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء "نوجوانو! تم میں سے جو شخص شادی کر سکتا ہو، اسے کر لینی چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو بدنظری سے بچانے اور آدمی کی عفت قائم رکھنے کا بڑا ذریعہ ہے اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزے آدمی کی طبیعت کا جوش ٹھنڈا کر دیتے ہیں۔" (بخاری و مسلم) حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ثلثة حق علی اللہ عونهم، الناکح یرید العفاف، والمکاتب یرید الاداء والغازی فی سبیل اللہ "تین آدمی ہیں جن کی مدد اللہ کے ذمے ہے، ایک وہ شخص جو پاک دامن رہنے کے لیے نکاح کرے، دوسرے وہ مکاتب جو مال کتابت ادا کرنے کی نیت رکھے، تیسرے وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجه اور مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفهیم القرآن، جلد اول، النساء آیت ۲۵، ایضاً، صفحہ ۳۹۹)

Marfat.com

غلامی کا تدارک اور متفرق امور

مکاتبت

پچھلے صفحات میں نکاح کے ضمن میں غلاموں اور لونڈیوں کا ذکر ہوا ہے۔ اسلام نے انسان ہونے کے ناطے ان کی ضروریات، داعیات اور فطری خواہشات کو ملحوظ رکھا ہے۔ آزادی بھی ان کا حق ہے اور اسلام تو آیا ہی انسانیت کو آزادی دلوانے کے لیے ہے۔ حکمت اور مصلحت عامہ کے تحت غلامی کو یکسر منسوخ نہیں کیا گیا مگر اس کے بتدریج خاتمے کے لیے حکمت کے ساتھ ایک نظام متعارف کرایا گیا۔ مختلف گناہوں کے کفارے میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ حدیث میں غلاموں کو آزاد کرنے کی بے پناہ ترغیب دی گئی ہے۔ اس کے نتیجے میں کئی مال دار صحابہ نے ہزاروں کی تعداد میں غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کیا۔ جن کنیزوں سے مالک تمتع کرتے تو ان کی اولاد مالک کی دیگر بیویوں کی طرح مکمل طور پر آزاد اور تمام حقوق میں ان کے برابر ہوتی۔ جونہی مالک کی وفات ہوتی تو کنیز خود بخود آزاد ہو جاتی۔ ظاہر ہے اس کی اولاد جائیداد میں حصہ دار ہوتی تھی، اسے بھی ان کی جائیداد میں وراثت کا پورا حق مل جاتا۔ گویا اسلام کے پیش نظر غلامی کا خاتمہ تھا، مگر اس انداز میں کہ معاشرتی نظام کسی خرابی کا شکار نہ ہو جائے۔

اس کے علاوہ بھی اسلام نے غلامی کے خاتمے کے لیے اتنے بے شمار طریقے متعارف کرائے کہ مسلم معاشرے میں قدم قدم پر غلاموں کو آزادی ملتی چلی گئی۔ یہ الگ موضوع ہے جس پر اہل علم نے تفصیل سے لکھا ہے۔ یہاں غلاموں سے مکاتبت کی تلقین فرمائی گئی ہے اور ان کی اس معاملے میں مالی امداد کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ (النور ۲۴:۳۳)

اور تمھارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں، ان سے مکاتبت کرلو اگر تمھیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمھیں دیا ہے۔

مکاتبت کا حکم آنے کے بعد بے شمار غلام اور لونڈیاں اس سے فائدہ اٹھا کر آزاد ہوئے۔ اسلامی حکومت اور مخیّر لوگ اس معاملے میں ان کی بڑی مدد کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں سورۃ التوبہ میں مصارف زکوٰۃ میں سے ایک غلاموں کی آزادی میں مدد بھی ہے۔ سید مودودی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

''مکاتبت کے لفظی معنی تو ہیں ''لکھا پڑھی''، مگر اصطلاح میں یہ لفظ اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ کوئی غلام یا لونڈی اپنی آزادی کے لیے اپنے آقا کو ایک معاوضہ ادا کرنے کی پیشکش کرے اور جب آقا اسے قبول کرلے تو دونوں کے درمیان شرائط کی لکھا پڑھی ہو جائے۔ اسلام میں غلاموں کی آزادی کے لیے جو صورتیں رکھی گئی ہیں، یہ ان میں سے ایک ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ معاوضہ مال ہی کی شکل میں ہو۔ آقا کے لیے کوئی خاص خدمت انجام دینا بھی معاوضہ بن سکتا ہے، بشرطیکہ فریقین اس پر راضی ہو جائیں۔ معاہدہ ہو جانے کے بعد آقا کو یہ حق نہیں رہتا کہ غلام کی آزادی میں بے جا رکاوٹیں ڈالے۔ وہ اس کو مالِ کتابت فراہم کرنے کے لیے کام کرنے کا موقع دے گا اور مدت مقررہ کے اندر جب بھی غلام اپنے ذمے کی رقم یا خدمت انجام دے دے وہ اس کو آزاد کردے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک غلام نے اپنی مالکہ سے مکاتبت کی اور مدت مقررہ سے پہلے ہی مالِ کتابت فراہم کر کے اس کے پاس لے گیا۔ مالکہ نے کہا کہ میں تو یک مشت نہ

Marfat.com

لوں گی بلکہ سال بسال اور ماہ بماہ قسطوں کی صورت میں لوں گی۔ غلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ انھوں نے فرمایا یہ رقم بیت المال میں داخل کر دے اور جا تو آزاد ہے۔ پھر مالکہ کو کہلا بھیجا کہ تیری رقم یہاں جمع ہو چکی ہے۔ اب تو چاہے یک مشت لے لے ورنہ ہم تجھے سال بسال اور ماہ بماہ دیتے رہیں گے۔'' (دار قطنی بروایت ابوسعید مقبری) (ایضاً)

بھلائی

آیت مکاتبت میں فرمایا گیا ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں سے مکاتبت کر لو، اگر تمھیں ان کے اندر بھلائی نظر آئے۔ بھلائی سے کیا مراد ہے؟ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ مستند حوالوں سے صحابہ کرام اور ائمہ کبار کی یہ رائے بیان فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی آزادی سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ کافر ہو اور بصورت آزادی کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو زک پہنچا سکتا ہو تو اس کی آزادی میں کوئی بھلائی نہیں۔ بھلائی یہ ہے کہ وہ قوت کسب بھی رکھتا ہو کہ مکاتبت کی رقم کما کر ادا کر سکے اور مسلمان بھی اس کے ضرر اور شر سے محفوظ ہوں۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے معارف القرآن، جلد ششم صفحہ ۴۱۴)

سید مودودی رحمہ اللہ نے بھی کم و بیش وہی نکات اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں جو حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمائے ہیں۔ صاحب تدبر حضرت مولانا امین احسن اصلاحی دامت برکاتہ کے نزدیک مکاتبت کے لیے ایک ہی شرط معتبر ہے اور وہ یہ کہ غلام یا لونڈی میں یہ صلاحیت ہو کہ معاہدے کو پورا کر سکے۔ (تدبر القرآن چہارم ص ۵۳۴)

سید مودودی رحمہ اللہ نے بھلائی سے تین چیزیں مراد لی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

'' بھلائی سے مراد تین چیزیں ہیں:

ایک یہ کہ غلام میں مال کتابت ادا کرنے کی صلاحیت ہو، یعنی وہ کما کر یا محنت کر کے اپنی آزادی کا فدیہ ادا کر سکتا ہو، جیسا کہ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان

Marfat.com

علمتم فیهم حرفة ولا تر سلوهم كلاً على الناس ''اگر تمھیں معلوم ہو کہ وہ کما سکتا ہے تو مکاتب کرو۔ یہ نہ ہو کہ اسے لوگوں سے بھیک مانگتے پھرنے کے لیے چھوڑ دو۔'' (ابن کثیر بحوالہ ابو داؤد)

دوسرے یہ کہ اس میں اتنی دیانت اور راست بازی موجود ہو کہ اس کے قول پر اعتماد کر کے معاہدہ کیا جا سکے۔ ایسا نہ ہو کہ مکاتبت کر کے وہ مالک کی خدمت سے چھٹی بھی پا لے اور جو کچھ اس دوران میں کمائے اسے کھا پی کر برابر بھی کر دے۔

تیسرے یہ کہ مالک اس میں ایسے برے اخلاقی رجحانات، یا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کے ایسے تلخ جذبات نہ پاتا ہو جن کی بنا پر یہ اندیشہ ہو کہ اس کی آزادی مسلم معاشرے کے لیے خطرناک ہو گی۔ بالفاظ دیگر اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہو کہ مسلم معاشرے کا ایک اچھا آزاد شہری بن سکے گا نہ کہ آستین کا سانپ بن کر رہے گا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ معاملہ جنگی قیدیوں کا بھی تھا جن کے بارے میں یہ احتیاطیں ملحوظ خاطر رکھنے کی ضرورت تھی۔'' (تفہیم القرآن، جلد سوم، صفحہ ۴۰۰-۴۰۱)

مکاتب کب آزاد ہوگا

مفسرین نے اس موضوع پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ابن عطیہ نے اس ضمن میں صحابہ کرام کے تین اقوال نقل کیے ہیں۔ (الوجیز جلد دہم ص ۵۰۰)

(۱) مکاتبت کی پوری رقم ادا ہو جانے پر غلام آزاد ہو گا۔ اگر معمولی رقم بھی بقایا ہے تو آزادی نہیں ملے گی۔ یہ جمہور کی رائے ہے۔

(۲) جب معاہدے کی ۳/۱ رقم ادا ہو جائے گی تو غلام آزاد شمار ہو گا مگر یہ آزادی مشروط ہو گی بقیہ رقم کی ادائیگی کی ثقہ یقین دہانی سے۔ یہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے ہے۔

(۳) پہلی قسط کی ادائیگی پر غلام آزاد متصور ہو گا اور بطور آزاد فرد باقی کی اقساط ادا کرتا رہے گا۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رائے ہے۔

Marfat.com

مکاتبت کے متعلق علمی بحث

مکاتبت اسلامی شریعت میں معروف اصطلاح ہے۔ ادب اسلامی میں اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ قرآن کی آیت مکاتبت کے بارے میں مختلف ثقہ علمی آرا کا احاطہ صاحب تفہیم القرآن نے یوں کیا ہے:

''اس آیت کا مطلب فقہا کے ایک گروہ نے یہ لیا ہے کہ جب کوئی لونڈی یا غلام مکاتبت کی درخواست کرے تو آقا پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ یہ عطاء، عمرو بن دینار، ابن سیرین، مسروق، ضحاک، عکرمہ، ظاہریہ اور ابن جریر طبری کا مسلک ہے اور امام شافعی بھی پہلے اسی کے قائل تھے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب اور مندوب ہے۔ اس گروہ میں شعبی، مقاتل بن حیان، حسن بصری، عبدالرحمٰن بن زید، سفیان ثوری، ابوحنیفہ اور مالک بن انس جیسے بزرگ شامل ہیں اور آخر میں امام شافعی بھی اسی کے قائل ہو گئے تھے۔ پہلے گروہ کے مسلک کی تائید دو چیزیں کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ آیت کے الفاظ میں کاتبوھم ''ان سے مکاتبت کر لو۔'' یہ الفاظ صاف طور پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ دوسرے یہ کہ معتبر روایات سے ثابت ہے کہ مشہور فقیہ و محدث حضرت محمد بن سیرینؒ کے والد سیرینؒ نے اپنے آقا حضرت انسؓ سے جب مکاتبت کی درخواست کی اور انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو سیرین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لے گئے۔ انھوں نے واقعہ سنا تو درہ لے کر حضرت انسؓ پر پل پڑے اور فرمایا ''اللہ کا حکم ہے کہ مکاتبت کر لو۔'' (بخاری) اس واقعہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی فعل نہیں بلکہ صحابہ کی موجودگی میں کیا گیا تھا اور کسی نے اس پر اظہار اختلاف نہیں کیا، لہٰذا یہ اس آیت کی مستند تفسیر ہے۔ دوسرے گروہ کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف فکاتبوھم نہیں فرمایا ہے بلکہ فکاتبوھم ان علمتھم

Marfat.com

فیھم خیرا۔ (النور ۲۴:۳۳) ارشاد فرمایا ہے، یعنی ''ان سے مکاتبت کرلو اگر ان کے اندر بھلائی پاؤ۔'' یہ بھلائی پانے کی شرط ایسی ہے جس کا انحصار مالک کی رائے پر ہے اور کوئی متعین معیار اس کا نہیں ہے جسے کوئی عدالت جانچ سکے۔ قانونی احکام کی یہ شان نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے اس حکم کو تلقین اور ہدایت ہی کے معنی میں لیا جائے گا نہ کہ قانونی حکم کے معنی میں اور سیرین کی نظیر کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی ایک غلام تو نہ تھا جس نے مکاتبت کی درخواست کی۔ ہزار ہا غلام عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں موجود تھے اور بکثرت غلاموں نے مکاتبت کی ہے۔ سیرینؒ والے واقعہ کے سوا کوئی مثال ہم کو نہیں ملتی کہ کسی آقا کو عدالتی حکم کے ذریعے سے مکاتبت پر مجبور کیا گیا ہو۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو ایک عدالتی فعل سمجھنے کے بجائے ہم اس معنی میں لیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے درمیان محض قاضی ہی نہ تھے بلکہ افراد ملت کے ساتھ ان کا تعلق باپ اور اولاد کا تھا۔ بسا اوقات وہ بہت سے ایسے معاملات میں بھی دخل دیتے تھے جن میں ایک باپ تو دخل دے سکتا ہے مگر ایک حاکم عدالت دخل نہیں دے سکتا۔'' (ایضاً صفحہ ۳۹۹-۴۰۰)

غلاموں کی مدد کا حکم

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اپنے مال میں سے جو ان کو اللہ ہی نے عطا کیا ہے مکاتبین کی دل کھول کر مدد کریں۔ اس حکم کے مخاطب کون ہیں؟ سید مودودی رحمہ اللہ اس کا جامع جواب سنت مطہرہ کی روشنی میں دیتے ہیں:

''یہ عام حکم ہے جس کے مخاطب آقا بھی ہیں، عام مسلمان بھی اور اسلامی حکومت بھی۔

آقا کے لیے حکم

آقاؤں کو ہدایت ہے کہ مال کتابت میں سے کچھ نہ کچھ معاف کر دو، چنانچہ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام اپنے مکاتبوں کو مال کتابت کا ایک معتدبہ حصہ معاف کر دیا کرتے

Marfat.com

تھے، حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو ہمیشہ ۴/ ا حصہ معاف کیا ہے اور اسی کی تلقین فرمائی ہے۔ (ابن جریر)

امت مسلمہ کو ہدایت

عام مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ جو مکاتب بھی اپنا مال کتابت ادا کرنے کے لیے ان سے مدد کی درخواست کرے، وہ دل کھول کر اس کی امداد کریں۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے جو مصارف بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک فی الرقاب بھی ہے، یعنی "گردنوں کو بندِ غلامی سے رہا کرانا۔" (سورۂ توبہ آیت ۶۰) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک فک رقبۃ "گردن کا بند کھولنا" ایک بڑی نیکی کا کام ہے۔ (سورۂ بلد آیت ۱۳)۔ حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے وہ عمل بتائیے جو مجھ کو جنت میں پہنچا دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو نے بڑے مختصر الفاظ میں بہت بڑی بات پوچھ ڈالی۔ غلام آزاد کر، غلاموں کو آزادی حاصل کرنے میں مدد دے، کسی کو جانور دے تو خوب دودھ دینے والا دے اور تیرا جو رشتہ دار تیرے ساتھ ظلم سے پیش آئے اس کے ساتھ نیکی کر اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو بھوکے کو کھانا کھلا، پیاسے کو پانی پلا، بھلائی کی تلقین کر، برائی سے منع کر اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو اپنی زبان کو روک کر رکھ۔ کھلے تو بھلائی کے لیے کھلے ورنہ بند رہے۔" (بیہقی فی شعب الایمان، عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ)

حکومت کو ہدایت

اسلامی حکومت کو بھی ہدایت ہے کہ بیت المال میں جو زکوٰۃ جمع ہو اس میں سے مکاتب غلاموں کی رہائی کے لیے ایک حصہ خرچ کریں۔ (مصارف زکوٰۃ کی ایک مستقل مد غلاموں کو آزاد کرانا بھی ہے)

غلاموں کی اقسام

اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ قدیم زمانے میں غلام تین طرح کے تھے۔ ایک جنگی قیدی، دوسرے آزاد آدمی جن کو پکڑ پکڑ کر غلام بنایا اور بیچ ڈالا جاتا تھا۔ تیسرے وہ جو نسلوں سے

Marfat.com

غلام چلے آ رہے تھے اور کچھ پتہ نہ تھا کہ ان کے آباؤ اجداد کب غلام بنائے گئے تھے اور دونوں قسموں میں سے کس قسم کے غلام تھے۔ اسلام جب آیا تو عرب اور بیرون عرب، دنیا بھر کا معاشرہ ان تمام اقسام کے غلاموں سے بھرا ہوا تھا اور سارا معاشی و معاشرتی نظام مزدوروں اور نوکروں سے زیادہ ان غلاموں کے سہارے چل رہا تھا۔ اسلام کے سامنے پہلا سوال یہ تھا کہ یہ غلام جو پہلے سے چلے آ رہے ہیں ان کا کیا کیا جائے۔ اور دوسرا سوال یہ تھا کہ آیندہ کے لیے غلامی کے مسئلے کا کیا حل ہے۔ پہلے سوال کے جواب میں اسلام نے یہ نہیں کیا کہ یکلخت قدیم زمانے کے تمام غلاموں پر سے لوگوں کے حقوق ملکیت ساقط کر دیتا کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ پورا معاشرتی و معاشی نظام مفلوج ہو جاتا، بلکہ عرب کو امریکہ کی خانہ جنگی سے بھی بدرجہا زیادہ سخت تباہ کن خانہ جنگی سے دوچار ہونا پڑتا اور پھر بھی اصل مسئلہ حل نہ ہوتا جس طرح امریکہ میں حل نہ ہو سکا اور سیاہ فام لوگوں (Negroes) کی ذلت کا مسئلہ بہرحال باقی رہ گیا۔ اس احمقانہ طریق اصلاح کو چھوڑ کر اسلام نے فک رقبہ کی ایک زبردست اخلاقی تحریک شروع کی اور تلقین و ترغیب، مذہبی احکام اور ملکی قوانین کے ذریعے سے لوگوں کو اس بات پر ابھارا کہ یا تو آخرت کی نجات کے لیے طوعاً غلاموں کو آزاد کریں یا اپنے قصوروں کے کفارے ادا کرنے کے لیے مذہبی احکام کے تحت انھیں رہا کریں، یا مالی معاوضہ لے کر ان کو چھوڑ دیں۔ اس تحریک میں نبی ﷺ نے خود ۶۳ غلام آزاد کیے۔ آپ کی بیویوں میں سے صرف ایک بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ تھی۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ۷۰ غلاموں کو آزاد کیا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ۱۰۰، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار، ذوالکلاع حمیری رضی اللہ عنہ نے آٹھ ہزار اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار کو رہائی بخشی۔ ایسے ہی واقعات دوسرے صحابہ کی زندگی میں بھی ملتے ہیں جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام بہت ممتاز ہیں۔ خدا کی رضا حاصل کرنے کا ایک عام شوق تھا، جس کی بدولت لوگ کثرت سے خود اپنے غلام بھی آزاد کرتے تھے اور دوسروں سے بھی غلام خرید خرید کر آزاد کرتے چلے جاتے تھے۔ اس طرح جہاں

Marfat.com

تک سابق دور کے غلاموں کا تعلق ہے، وہ خلفائے راشدین کا زمانہ ختم ہونے سے پہلے ہی تقریباً سب کے سب رہا ہو چکے تھے۔

دورِ حاضر

اب رہ گیا آیندہ کا مسئلہ۔ اس کے لیے اسلام نے غلامی کی اس شکل کو تو قطعی حرام اور قانوناً مسدود کر دیا کہ کسی آزاد آدمی کو پکڑ کر غلام بنایا اور بیچا اور خریدا جائے۔ البتہ جنگی قیدیوں کو صرف اس صورت میں غلام بنا کر رکھنے کی اجازت (حکم نہیں بلکہ اجازت) دی جبکہ ان کی حکومت ہمارے جنگی قیدیوں سے ان کا تبادلہ کرنے پر راضی نہ ہو اور خود بھی اپنا فدیہ ادا نہ کریں۔ پھر ان غلاموں کے لیے ایک طرف اس امر کا موقع کھلا رکھا گیا کہ وہ اپنے مالکوں سے مکاتبت کر کے رہائی حاصل کر لیں اور دوسری طرف وہ تمام ہدایات ان کے حق میں موجود ہیں جو قدیم غلاموں کے بارے میں تھیں کہ نیکی کا کام سمجھ کر رضائے الٰہی کے لیے انھیں آزاد کیا جائے، یا گناہوں کے کفارے میں ان کو آزادی بخش دی جائے، یا کوئی شخص اپنی زندگی تک اپنے غلام کو غلام رکھے اور بعد کے لیے وصیت کر دے کہ اس کے مرتے ہی وہ آزاد ہو جائے گا (جسے اسلامی فقہ کی اصطلاح میں تدبیر اور ایسے غلام کو مدبر کہتے ہیں) یا کوئی شخص اپنی لونڈی سے تمتع کرے اور اس کے ہاں اولاد ہو جائے، اس صورت میں مالک کے مرتے ہی وہ آپ سے آپ آزاد ہو جائے گی خواہ مالک نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو...... یہ حل ہے جو اسلام نے غلامی کے مسئلے کا کیا ہے۔ جاہل معترضین اس کو سمجھے بغیر اعتراضات جڑتے ہیں اور معذرت پیشہ حضرات اس کی معذرتیں پیش کرتے کرتے آخر کار اس امر واقعہ ہی کا انکار کر بیٹھتے ہیں کہ اسلام نے غلامی کو کسی نہ کسی صورت میں باقی رکھا تھا۔" (ایضاً صفحہ ۴۰۱-۴۰۲)

قحبہ گری کی ممانعت

قرآن مجید نے قحبہ گری کو حرام اور ممنوع قرار دے دیا۔ سورہ نور میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ

Marfat.com

مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ (النور ۲۴:۳۳)

اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر فحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں اور جو کوئی ان کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ ان کے لیے غفور ورحیم ہے۔

عرب کے معاشرے میں دنیا کے دیگر معاشروں کی طرح ہر قسم کے اخلاقی امراض وعیوب عام تھے۔ فحبہ گری ایک کاروبار تھا جس میں بظاہر بڑے بڑے معزز سردار اور رؤسا بھی ملوث تھے۔ اوپر دیے گئے حکم ربانی کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔

"اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر لونڈیاں خود پاک دامن نہ رہنا چاہتی ہوں تو ان کو فحبہ گری پر مجبور کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لونڈی خود اپنی مرضی سے بدکاری کی مرتکب ہو تو وہ اپنے جرم کی آپ ذمہ دار ہے، قانون اس کے جرم پر اسی کو پکڑے گا، لیکن اگر اس کا مالک جبر کر کے اس سے یہ پیشہ کرائے تو ذمہ داری مالک کی ہے اور وہی پکڑا جائے گا اور ظاہر ہے کہ جبر کا سوال پیدا ہی اسی وقت ہوتا ہے جبکہ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف کسی کام پر مجبور کیا جائے۔ رہا "دنیوی فائدوں کی خاطر" کا فقرہ، تو دراصل یہ ثبوت حکم کے لیے شرط اور قید کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے کہ اگر مالک اس کی کمائی نہ کھا رہا ہو تو لونڈی کو فحبہ گری پر مجبور کرنے میں وہ مجرم نہ ہو بلکہ اس سے مقصود اس کمائی کو بھی حرمت کے حکم میں شامل کرنا ہے جو اس ناجائز جبر کے ذریعے حاصل کی گئی ہو"۔

فحبہ گری کی دو صورتیں

لیکن اس حکم کا پورا مقصد محض اس کے الفاظ اور سیاق وسباق سے سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان حالات کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جن میں یہ نازل ہوا ہے۔ اس وقت عرب میں فحبہ گری کی دو صورتیں رائج تھیں۔ ایک خانگی کا پیشہ،

Marfat.com

دوسرے باقاعدہ چکلہ۔

''خانگی'' کا پیشہ کرنے والی زیادہ تر آزاد شدہ لونڈیاں ہوتی تھیں جن کا کوئی سرپرست نہ ہوتا، یا ایسی آزاد عورتیں ہوتی تھیں جن کی پشت پناہی کرنے والا کوئی خاندان یا قبیلہ نہ ہوتا۔ یہ کسی گھر میں بیٹھ جاتیں اور کئی کئی مردوں سے بیک وقت ان کا معاہدہ ہو جاتا کہ وہ ان کو مدد خرچ دیں گے اور اپنی حاجت رفع کرتے رہیں گے۔ جب بچہ پیدا ہوتا تو عورت ان مردوں میں سے جس کے متعلق کہہ دیتی کہ یہ بچہ اس کا ہے اسی کا بچہ وہ تسلیم کرلیا جاتا تھا۔ یہ گویا معاشرے میں ایک مسلّم ادارہ تھا جسے اہل جاہلیت ایک قسم کا ''نکاح'' سمجھتے تھے۔۔ اسلام نے آکر نکاح کے صرف اس معروف طریقے کو قانونی نکاح قرار دیا جس میں ایک عورت کا صرف ایک شوہر ہوتا ہے اور اسی طرح باقی تمام صورتیں زنا میں شمار ہوکر آپ سے آپ جرم ہو گئیں''۔ (ابو داؤد، باب فی وجوه النکاح التی کان یتناکح اهل الجاهلیه)

دوسری صورت، یعنی کھلی قحبہ گری تمام تر لونڈیوں کے ذریعے سے ہوتی تھی۔ اس کے دو طریقے تھے۔ ایک یہ کہ لوگ اپنی جوان لونڈیوں پر ایک بھاری رقم عائد کردیتے تھے کہ ہر مہینے اتنا کما کر ہمیں دیا کرو اور وہ بے چاریاں بدکاری کرا کرا کر یہ مطالبہ پورا کرتی تھیں۔ اس کے سوا نہ کسی دوسرے ذریعے سے وہ اتنا کما سکتی تھیں، نہ مالک ہی یہ سمجھتے تھے کہ وہ کسی پاکیزہ کسب کے ذریعے سے یہ رقم لایا کرتی ہیں اور نہ جوان لونڈیوں پر عام مزدوری کی شرح سے کئی کئی گنی رقم عائد کرنے کی کوئی دوسری معقول وجہ ہی ہوسکتی تھی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ لوگ اپنی جوان جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو کوٹھوں پر بٹھا دیتے تھے اور ان کے دروازوں پر جھنڈے لگا دیتے تھے جنھیں دیکھ کر دور ہی سے معلوم ہو جاتا تھا کہ ''حاجت مند'' آدمی کہاں اپنی حاجت رفع کرسکتا ہے۔ یہ عورتیں ''قلیقیات'' کہلاتی تھیں اور ان کے گھر ''مواخیر'' کے نام سے مشہور تھے۔ بڑے بڑے معزز

Marfat.com

رئیسوں نے اس طرح کے چکلے کھول رکھے تھے۔ خود عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین، وہی صاحب جنھیں نبی ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانا طے کر چکے تھے اور وہی صاحب جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں سب سے پیش پیش تھے) مدینہ میں ان کا ایک باقاعدہ چکلہ موجود تھا جس میں چھ خوبصورت لونڈیاں رکھی گئی تھیں۔ ان کے ذریعے سے وہ صرف دولت ہی نہیں کماتے تھے بلکہ عرب کے مختلف حصوں سے آنے والے معزز مہمانوں کی تواضع بھی انھی سے فرمایا کرتے تھے اور ان کی ناجائز اولاد سے اپنے خدم وحشم کی فوج بھی بڑھاتے تھے۔ انھی لونڈیوں میں سے ایک جس کا نام معاذہ تھا، مسلمان ہوگئی اور اس نے توبہ کرنی چاہی تو ابن ابی نے اس پر تشدد کیا۔ اس نے جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ انھوں نے معاملہ سرکار تک پہنچایا اور سرکار رسالت مآب ﷺ نے حکم دے دیا کہ لونڈی اس ظالم کے قبضے سے نکال لی جائے۔ (ابن جریر، ج ۱۸، ص ۵۵ تا ۵۸-۱۰۳-۱۰۴ الاستیعاب لابن عبدالبر، ج ۲، ص ۷۶۲، ابن کثیر ج ۳، ص ۲۸۸-۲۹۸) یہی زمانہ تھا جب بارگاہ خداوندی سے یہ آیت نازل ہوئی۔ اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل مقصود محض لونڈیوں کو جرم زنا پر مجبور کرنے سے روکنا نہیں ہے بلکہ دولت اسلامیہ کے حدود میں قحبہ گری (Prostitution) کے کاروبار کو بالکل خلاف قانون قرار دے دینا ہے، اور ساتھ ساتھ ان عورتوں کے لیے اعلان معافی بھی ہے جو اس کاروبار میں جبراً استعمال کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان آ جانے کے بعد نبی ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ لا مساعاة فی الاسلام ''اسلام میں قحبہ گری کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' (ابو داؤد بروایت ابن عباس، باب فی ادعاء ولد الزنا) دوسرا حکم جو آپ نے دیا وہ یہ تھا کہ زنا کے ذریعے سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام، ناپاک اور قطعی ممنوع ہے۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے مهر البغی یعنی زنا کے معاوضے کو خبیث اور شر المکاسب، ناپاک اور بدترین آمدنی قرار دیا۔ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی)۔ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کسب البغی یعنی

Marfat.com

پیشہ زنا سے کمائی ہوئی آمدنی کو حرام ٹھہرایا (بخاری، مسلم، احمد) ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے مهر البغی کالین دین ممنوع قرار دیا۔ (صحاح ستہ و احمد) تیسرا حکم آپ نے یہ دیا کہ لونڈی سے جائز طور پر صرف ہاتھ پاؤں کی خدمت لی جاسکتی ہے اور مالک کوئی ایسی رقم اس پر عائد یا اس سے وصول نہیں کر سکتا جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ یہ رقم وہ کہاں سے اور کیا کر کے لاتی ہے۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن کسب الامة حتی یعلم من این هو ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی سے کوئی آمدنی وصول کرنا ممنوع قرار دیا جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ یہ آمدنی اسے کہاں سے حاصل ہوتی ہے۔'' (ابو داؤد، کتاب الاجارہ)۔ رافع بن رفاعہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس سے زیادہ واضح حکم ہے کہ نهانا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کسب الامة الاما عملت بیدها او قال هکذا، باصابعه نحو الخبز والغزل والنقش ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو لونڈی کی کمائی سے منع کیا بجز اس کے جو وہ ہاتھ کی محنت سے حاصل کرے اور آپ نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ یوں جیسے روٹی پکانا، سوت کاتنا یا اون اور روئی دھنکنا۔ (مسند احمد، ابو داؤد کتاب الاجارہ) اسی معنی میں ایک روایت ابو داؤد اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں کسب الاماء (لونڈیوں کی کمائی) اور مهر البغی (زنا کی آمدنی) وصول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اس آیت کے منشا کے مطابق قحبہ گری کی ان تمام صورتوں کو مذہباً ناجائز اور قانوناً ممنوع قرار دے دیا جو اس وقت عرب میں رائج تھیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر عبداللہ بن ابی کی لونڈی معاذہؓ کے معاملے میں جو کچھ آپ نے فیصلہ فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس لونڈی سے اس کا مالک جبراً پیشہ کرائے اس پر سے مالک کی ملکیت بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ امام زہری کی روایت ہے جسے ابن کثیر نے مسند عبدالرزاق کے حوالے سے نقل کیا ہے۔'' (ایضاً صفحہ ۴۰۳-۴۰۵)

ابو محمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی رحمہ اللہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اپنی تفسیر

Marfat.com

میں امام مسلم رحمہ اللہ کی ایک روایت نقل فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ ابن اُبی کی بہت سی لونڈیاں تھیں جن کو وہ قحبہ گری پر مجبور کرتا تھا۔ ان بے چاریوں نے شکایت کی تو اللہ نے ان کی شکایت سن لی۔ ابن اُبی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لونڈیوں کو آزاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کی تعداد میں اختلاف رائے ہے۔ بہرحال چند ایک نام جو ابن عطیہ نے نقل کیے ہیں اس میں معاذہ کے علاوہ مسیکہؓ، امیمہؓ، عمرہؓ، ارویٰؓ اور قتیلہؓ وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ (المحرر الوجیز جلد دہم صفحہ ۵۰۲)

بعض روایات میں ان تمام خواتین کے مسلمان ہونے کی تصریح ملتی ہے جو ان کے صحابیات ہونے کی دلیل ہے۔ خدا کی ان بندیوں کو اس برے کام سے نفرت تھی مگر ظالم آقا انھیں اس پر مجبور کرتا تھا تا آنکہ اللہ نے ان بندیوں کی شکایت سنی۔ (رضی اللہ عنہن)

اس حکم کے نزول کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سختی سے اس کام سے منع فرما دیا اور بعض لونڈیوں کو تو حکماً آزادی بھی دلوائی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

......❀......❀......❀......

Marfat.com

کتابیات

اس جلد کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہوا:

۱-قرآن مجید

۲-تفاسیر قرآن

۱- تفسیر ابن کثیر۔امام حافظ ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر

۲- تفسیر قرطبی۔امام ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری القرطبی

۳- المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز۔ابومحمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی رحمہ اللہ

۴- زاد المسیر۔امام ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی القرشی

۵- معارف القرآن،حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

۶- فی ظلال القرآن،علامہ سید قطب شہید رحمہ اللہ

۷- تفہیم القرآن۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ

۸- تدبر القرآن۔مولانا امین احسن اصلاحیؒ

۹- الاساس فی التفسیر۔سعید حوی رحمہ اللہ

۱۰- الفوز الکبیر فی علم التفسیر۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

۳-حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۱- صحیح البخاری۔امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ

۲- صحیح مسلم۔امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری رحمہ اللہ

Marfat.com

۳- جامع ترمذی۔امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ

۴- سنن ابی داؤد۔امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث رحمہ اللہ

۵- سنن ابن ماجہ۔حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ رحمہ اللہ

۶- سنن نسائی۔امام حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی رحمہ اللہ

۷- مشکوٰۃ المصابیح۔امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی رحمہ اللہ

۸- مسند احمد۔امام احمد بن محمد حنبل رحمہ اللہ

۹- سنن البیہقی۔امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی رحمہ اللہ

۱۰- شعب الایمان و دلائل النبوۃ۔امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی

۱۱- راہ عمل۔مولانا جلیل احسن ندوی مرحوم

۱۲- معارف الحدیث۔مولانا محمد منظور نعمانیؒ

۴-سیرت اور تاریخ

۱- الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔امام ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی

۲- الکامل فی التاریخ۔امام ابوالحسن علی بن محمد شیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری

۳- اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔

۴- تاریخ الطبری (تاریخ الامم و الملوک)۔ابوجعفر محمد بن جریر الطبری

۵- السیرۃ النبویہ۔امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام (تحقیق مصطفیٰ السقا وغیرہ)

۶- عیون الاثر فی فنون المغازی و الشمائل۔حافظ ابوالفتح محمد بن محمد سید الناس

۷- البدایہ و النہایہ۔امام ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر

۸- السیرۃ النبویہ۔امام ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر

۹- السیرۃ الحلبیہ۔نورالدین علی بن ابراہیم

۱۰- مروج الذہب و معادن الجواہر۔ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی

Marfat.com

۱۱- طبقات ابن سعد۔ ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع البصری

۱۲- زاد المعاد۔ امام حافظ ابوعبداللہ بن قیم الجوزی

۱۳- رحمۃ للعالمین ﷺ۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

۱۴- سیرت النبی ﷺ۔ علامہ شبلی نعمانی۔ سید سلیمان ندوی

۱۵- الرسول القائد۔ محمود شیت خطاب

۱۶- تیس پروانےؓ شمع رسالتؐ کے۔ طالب ہاشمی

۱۷- خیر البشرؐ کے چالیس جان نثارؓ (ایضاً)

۱۸- تذکار صحابیاتؓ۔ (ایضاً)

۱۹- آسمان ہدایت کے ستر ستارے (ایضاً)

۲۰- روشنی کے مینار۔ حافظ محمد ادریس

۵- مغازی

۱- مغازی الرسول۔ محمد بن عمر واقد الواقدی

۲- الخندق۔ شوقی ابوخلیل

۳- غزوہ الاحزاب۔ محمد احمد باشمیل

۴- رسول رحمت ﷺ تلواروں کے سائے میں (جلد اول)۔ حافظ محمد ادریس

۶- متفرق

۱- معجزات سرور عالمؐ۔ ولید الاعظمی (ترجمہ حافظ محمد ادریس)

۲- پردہ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ

Marfat.com

کذب اور باطل ہے جو اڑایا جا رہا ہے۔'' رہے علی ؓ تو انھوں نے کہا'' یا رسول اللہ ﷺ عورتوں کی کمی نہیں ہے، آپ اس کی جگہ دوسری بیوی کر سکتے ہیں اور تحقیق کرنا چاہیں تو خدمت گار لونڈی کو بلا کر حالات دریافت فرمائیں۔'' چنانچہ خدمت گار کو بلایا گیا اور پوچھ گچھ کی گئی۔ اس نے کہا'' اس خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی جس پر حرف رکھا جا سکے۔ بس اتنا عیب ہے کہ میں آٹا گوندھ کر کسی کام کو جاتی ہوں اور کہہ جاتی ہوں کہ بی بی ذرا آٹے کا خیال رکھنا مگر وہ سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے۔'' اسی روز رسول اللہ ﷺ نے خطبے میں فرمایا'' مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کے حملوں سے میری عزت بچائے جس نے میرے گھر والوں پر الزامات لگا کر مجھے اذیت پہنچانے کی حد کر دی ہے۔ بخدا میں نے نہ تو اپنی بیوی ہی میں کوئی برائی دیکھی ہے اور نہ اس شخص میں جس کے متعلق تہمت لگائی جاتی ہے۔ وہ تو کبھی میری غیر موجودگی میں میرے گھر آیا بھی نہیں۔'' اس پر اسید بن حضیر ؓ (بعض روایات میں سعد بن معاذ) نے اٹھ کر کہا'' یا رسول اللہ ﷺ اگر وہ ہمارے قبیلے کا آدمی ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں، اور اگر ہمارے بھائی خزرجیوں میں سے ہے تو آپ حکم دیں ہم تعمیل کے لیے حاضر ہیں۔''

یہ سنتے ہی سعد بن عبادہ، رئیس خزرج اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: '' جھوٹ کہتے ہو، تم ہرگز اسے نہیں مار سکتے۔ تم اس کی گردن مارنے کا نام صرف اس لیے لے رہے ہو کہ وہ خزرج میں سے ہے۔ اگر وہ تمھارے قبیلے کا آدمی ہوتا تو تم کبھی یہ نہ کہتے کہ ہم اس کی گردن مار دیں گے۔'' اسید بن حضیر ؓ نے جواب میں کہا'' تم منافق ہو اسی لیے منافقوں کی حمایت کرتے ہو۔'' اس پر مسجد نبوی میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف رکھتے تھے۔ قریب تھا کہ اوس اور خزرج مسجد ہی میں لڑ پڑتے، مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو ٹھنڈا کیا اور پھر منبر سے اتر آئے۔''

حضرت عائشہ ؓ کے قصے کی باقی تفصیلات ہم اثنائے تفسیر میں اس جگہ نقل کریں گے

Marfat.com

جنت تلواروں کے سائے تلے ہے

رسولِ رحمت ﷺ

تلواروں کے سائے میں

(جلد دوم)

حافظ محمد ادریس

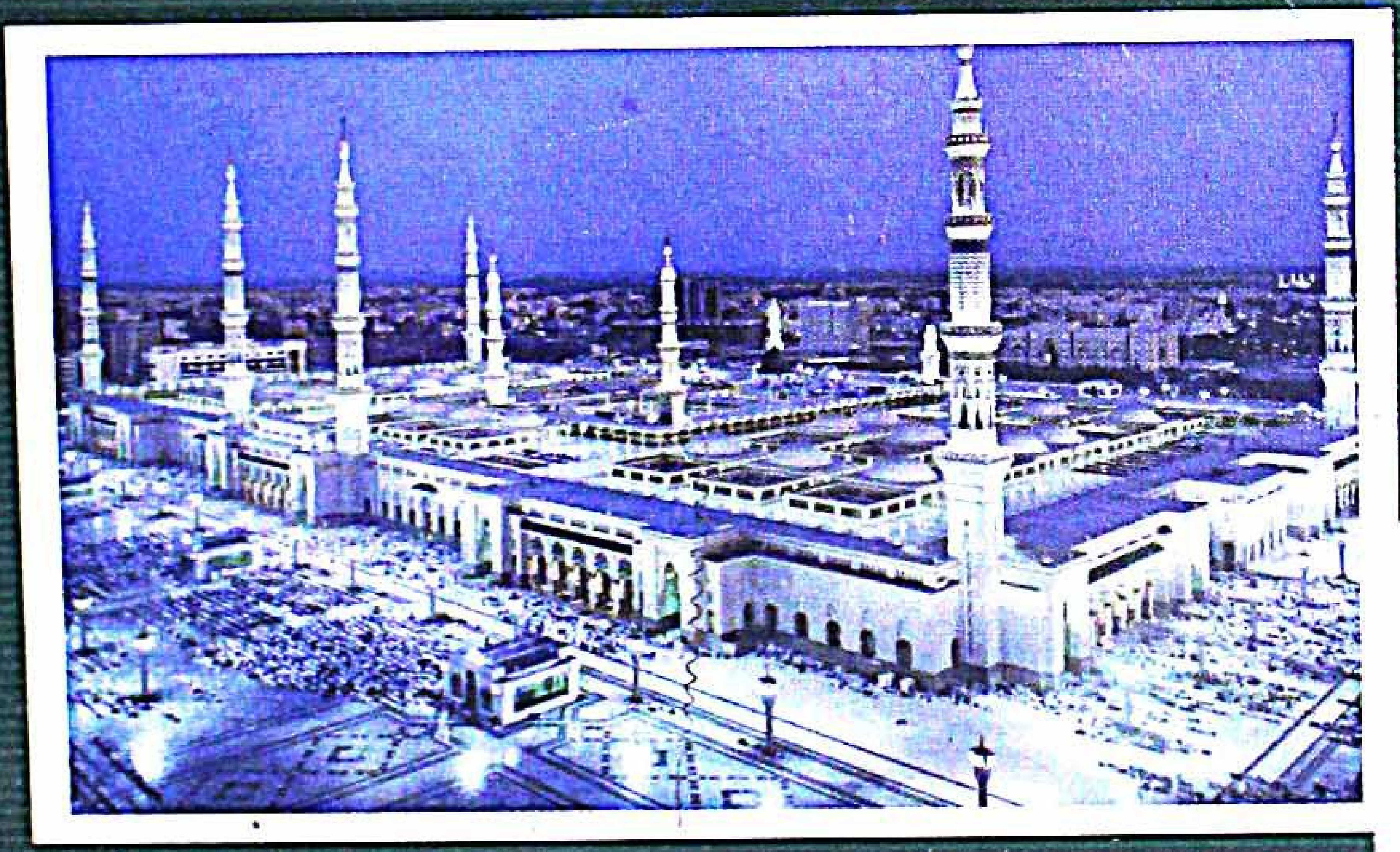

ادارہ معارف اسلامی

Marfat.com